اسلام کا نظریۂ ملکیت

www.KitaboSunnat.com

ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی

www.KitaboSunnat.com

اسلامک پبلیکیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ

۱۳ - ای، شاہ عالم مارکیٹ لاہور (پاکستان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد اَپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

اسلام کا نظریۂ ملکیّت

حصّہ دوم

ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی

www.KitaboSunnat.com

اسلامک پبلیکیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
۱۳-ای شاہ عالم مارکیٹ، لاہور (پاکستان)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(جملہ حقوق بحقِ ناشر محفوظ)

طابع : اشفاق مرزا، منیجنگ ڈائرکٹر

ناشر : اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ
۱۳-ای شاہ عالم مارکیٹ لاہور

مطبع : الشرد الا پرنٹرز، لاہور

اشاعت:

اوّل	اکتوبر ۱۹۷۰ء	۲۰۰۰
دوم	جولائی ۱۹۷۵ء	۱۰۰۰
سوئم	اگست ۱۹۷۷ء	۱۱۰۰
چہارم	ستمبر ۱۹۸۲ء	۱۱۰۰
پنجم	جنوری ۱۹۸۹ء	۱۱۰۰

قیمت : اعلیٰ ایڈیشن :- -/۳۶ روپے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

.... جے ماڈل ٹاؤن۔ لاہور
06263

فہرست مضامین

حصۂ دوم

عرضِ ناشر	۶
۸ - آٹھواں باب ۔ ریاست کی ملکیت کے ذرائع	۷
(الف) مشترکہ قومی املاک سے استفادہ	۸
(ب) مشترکہ املاک میں سے ایک حصہ ریاست کے لیے مخصوص کر لینے کا حق	۹
(ج) زمین کے اندر پائے جانے والے معدنی ذخائر	۱۳
(د) زکوٰۃ، عشر اور خمس کے شرعی محاصل	۲۲
۱ - سونا اور چاندی	۲۳
۲ - نقد سرمایہ، بینکوں میں جمع رقمیں اور قرضے	۲۷
۳ - تجارتی حصص اور اموالِ تجارت	۲۹
۴ - زرعی پیداوار	۳۳
۵ - جانوروں کی زکوٰۃ	۳۶
۶ - دفینے کی زکوٰۃ	۳۸
(ھ) جزیہ، خراج اور غیر مسلم شہریوں سے حاصل ہونے والے دوسرے محاصل	۳۹
۱ - جزیہ	۴۰
۲ - خراج	۴۱
(و) معاہدہ بیع یا نشو و نمائے ملکیت	۴۳
(ز) کاروبار کے منافع	۴۴
(ح) عطایا اور اوقاف	۴۴

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ط) غنائم	۴۶
(ی) فئے	۵۱
(ک) لقطہ	۵۵
(ل) لاوارث ترکے	۵۷
۹۔ نواں باب: ریاست کے مالکانہ حقوق	۶۱
اسلامی ریاست کی املاک کی نوعیت	۶۱
اسلامی ریاست اور پیداآور کاروبار	۶۶
۱۰۔ دسواں باب، ریاست کے مالکانہ حقوق کے حدود	۷۷
(ا) مبنی برحق شرعی تصرفات	۷۸
(ب) عشر و زکوٰۃ کے متعینہ مصارف	۸۰
(ج) حق انتقال ملکیت کے حدود	۸۴
(د) امتیازی سلوک اور مضرت رسانی سے اجتناب	۸۶
۱۱۔ گیارھواں باب: اسلامی ریاست کی معاشی ذمہ داریاں	۹۱
(ا) کفالت عامہ	۹۲
(ب) معاشی ترقی کا اہتمام	۱۲۳
(ج) تقسیم دولت کے اندر پائے جانے والے تفاوت کو کم کرنا	۱۴۱
۱۲۔ بارھواں باب، ریاست اور انفرادی حقوق ملکیت	۱۵۵
(ا) اصلاح کے طریقے	۱۵۶
(ب) حجر یعنی مالکانہ تصرفات پر پابندی	۱۶۶
(ج) احتساب	۱۷۳
(د) تسعیر یعنی قیمتوں اور اجرتوں، کرایوں اور منافع کی شرحوں کی تعیین	۱۸۲
(ھ) مزید محاصل عائد کرنا	۲۰۵

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

عرضِ ناشر

ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی صاحب کی تحقیقی تالیف "اسلام کا نظریۂ ملکیت" کا دوسرا حصہ اب پیش کیا جا رہا ہے۔ اس کے پہلے حصے میں ۷ ابواب شامل کیے گئے تھے، اب دوسرے میں بقیہ ۵ ابواب شامل کیے گئے ہیں۔ اس طرح اب یہ کتاب مکمل ہو گئی ہے۔

معاشیات کا تحقیقی مطالعہ کرنے والے حضرات کے لیے یہ ایک بلند پایہ پیشکش ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ یونیورسٹی کے طلبا اور دیگر محققین اس سے خاطر خواہ استفادہ کریں گے۔

اس کتاب کا پہلا حصہ اس سے قبل شائع کیا جا چکا ہے اور اعلیٰ علمی حلقوں میں مقبولیت حاصل کر چکا ہے۔ اُمید ہے کہ اس حصے کو بھی وہی پذیرائی حاصل ہو گی۔ جو پہلے حصہ کو ہو چکی ہے۔

نیاز مند :

لاہور - ۸ ذیقعدہ ۱۳۸۷ھ
مطابق ۸ فروری ۱۹۶۸ء

احسلاق حسین
ڈائرکٹر اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

عرضِ ناشر

ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی صاحب کی تحقیقی تالیف "اسلام کا نظریۂ ملکیت" کا دوسرا حصہ اب پیش کیا جا رہا ہے۔ اس کے پہلے حصے میں ۷ ابواب شامل کیے گئے تھے۔ اب دوسرے میں بقیہ ۵ ابواب شامل کیے گئے ہیں۔ اس طرح اب یہ کتاب مکمل ہو گئی ہے۔

معاشیات کا تحقیقی مطالعہ کرنے والے حضرات کے لیے یہ ایک بلند پایہ پیش کش ہے ہمیں اُمید ہے کہ یونیورسٹی کے طلبا اور دیگر محققین اس سے خاطر خواہ استفادہ کریں گے۔

اس کتاب کا پہلا حصہ اس سے قبل شائع کیا جا چکا ہے اور اعلیٰ علمی حلقوں میں مقبولیت حاصل کر چکا ہے۔ اُمید ہے کہ اس حصے کو بھی وہی پذیرائی حاصل ہو گی۔ جو پہلے حصہ کو ہو چکی ہے۔

نیاز مند :

لاہور - ۸ ر ذیقعدہ ۱۳۸۷ھ	احسان حسین
مطابق ۸ ر فروری ۱۹۶۸ء	ڈائرکٹر اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آٹھواں باب

ریاست کی ملکیت کے ذرائع

سماج کے واحد با اقتدار اور وسیع ترین ذمہ داریاں رکھنے والے مرکزی ادارہ کی حیثیت سے ریاست اور اس کی املاک کا مطالعہ خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ اسلامی اجتماعیت میں ریاست کے مقام اور ریاست کی ہمہ گیر ذمہ داریوں کا اجمالی ذکر پہلے باب میں کیا جا چکا ہے۔ اب ہم ریاست کی ملکیت کے مستقل اور بنیادی ذرائع، اس کے مالکانہ حقوق، ان حقوق کے حدود، اور اسلامی ریاست کی معاشی ذمہ داریوں کا مطالعہ کریں گے۔ اسلامی ریاست کی ذمہ داریوں میں خاصی لچک پائی جاتی ہے۔ زمانے کی تبدیلی کے ساتھ، یا مخصوص حالات رونما ہو جانے پر، اسلامی ریاست کی ذمہ داریاں بہت بڑھ جاتی ہیں۔ ایسے حالات میں ریاست کی عام املاک جن کا مطالعہ اس باب میں کیا جا رہا ہے، ان ذمہ داریوں کی انجام دہی کے لیے ناکافی ثابت ہو سکتی ہیں۔ ایسے حالات میں ریاست کو انفرادی املاک میں سے مزید مال حاصل کر لینے یا ان پر خصوصی تصرفات کرنے کے اختیارات دیے گئے ہیں۔ ان اختیارات کا مطالعہ بارھویں باب میں کیا جائے گا۔ اس باب میں صرف ان ذرائع ملکیت سے بحث کی گئی ہے جو مستقل اور بنیادی ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلامی ریاست کے عام ذرائع ملکیت کو اس طور پر گنا یا جا سکتا ہے:

ا ۔ مشترکہ قومی املاک سے استفادہ ۔

ب ۔ وہ غیر مملوکہ زمینیں، جنگلات، معدنیات وغیرہ جن کو ریاست مشترکہ ملکیت سے نکال کر اپنے لیے مخصوص کرے ۔ نیز سرکاری عمارتیں، سڑکیں، پُل سرکاری نہریں وغیرہ ۔

ج ۔ زمین کے اندر پائے جانے والے معدنی ذخائر (معادنِ باطنہ)

د ۔ عشر، زکوٰۃ اور خمس کے شرعی محاصل سے ہونے والی آمدنی ۔

ھ ۔ جزیہ، خراج اور غیر مسلم شہریوں سے حاصل ہونے والے دوسرے محاصل ۔

و ۔ معاہدۂ بیع یا نشوونمائے ملکیت سے حاصل ہونے والی نئی املاک ۔

ز ۔ ریاستی کاروبار کے منافع ۔

ح ۔ افراد، اداروں یا دوسرے ممالک سے حاصل ہونے والے عطایا اور اوقاف ۔

ط ۔ جنگ سے حاصل ہونے والے سامان یعنی غنائم ۔

ی ۔ فیئے ۔

ک ۔ لقطہ ۔

ل ۔ لاوارث افراد یا اداروں کے ترکے ۔

ا ۔ مشترکہ قومی املاک سے استفادہ

ملک کی ساری غیر مملوکہ زمینیں، سطح زمین پر یا اس کے قریب پائے جانے والے وہ معدنی ذخائر جن کے حصول کے لیے زیادہ محنت نہ درکار ہو (معادنِ ظاہرہ) وہ جنگلات اور چراگاہیں جو غیر مملوکہ زمینوں پر واقع ہوں، تمام دریا، جھیلیں، چشمے اور مباح عام کوئیں اور پہاڑ وغیرہ اگرچہ انفرادی استفادہ کے لیے کھلے ہوئے ہوں گے لیکن اسلامی ریاست

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو بھی اجتماعی اغراض کے لیے ان سے استفادہ کا پورا حق حاصل ہوگا۔ ریاست ہی ان پر نگران اور ان کی محافظ ہوگی۔ پانی کے ذخیروں کو ریاست آبپاشی کے لیے اور بجلی پیدا کرنے کے کارخانوں میں استعمال کرسکتی ہے۔ مباح عام معدنی ذخیروں سے معدنی دولت حاصل کرکے اپنے کارخانوں میں یا دوسری اجتمائی اغراض کے لیے استعمال کرسکتی ہے سرکاری ضرورت کے لیے جنگلات سے لکڑی اور پہاڑوں سے پتھر حاصل کرسکتی ہے۔ ان مشترکہ املاک سے اگر کوئی فرد یا ادارہ کاروباری اغراض کے لیے بڑے پیمانہ پر استفادہ کرنا چاہے تو ریاست اجتماع کی نمائندگی کرتے ہوئے، اسی کے مفاد پر صرف کرنے کی خاطر ان سے معاوضہ وصول کرسکتی ہے۔ اس طرح مشترکہ قومی املاک ریاست کی آمدنی اور اس کی ملکیت کا ایک اہم ذریعہ ہیں۔

ب۔ مشترکہ املاک میں سے ایک حصّہ کو ریاست کے لیے مخصوص کر لینے کا حق

مشترکہ املاک سے افراد کی طرح عام استفادہ کے علاوہ ریاست کو یہ حق بھی حاصل ہے کہ وہ اجتماعی اغراض کے تحت ان کے ایک حصّہ کو اپنے لیے مخصوص کرلے، اور انہیں افراد کی دسترس سے باہر قرار دے دے۔ اس حق کی وجہ جواز وہ اہم اجتماعی ضروریات ہیں جن کی تکمیل ریاست کے ذمّہ ہے۔ اسلامی فقہ میں اس حق کو "حمیٰ" قرار دینے کا حق کہا گیا ہے۔ یہ حق صرف ریاست کو حاصل ہے، کوئی فرد یہ حق نہیں رکھتا۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان الصعب ابن جثّامہ قال: ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: لاحمی الا للہ ولرسولہ۔

وقال بلغنا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حمی النقیع

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وان عمر حمی السرف والربذة۔[1]

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صعب ابن جثامہ نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "حمی" کا حق اللہ اور اس کے رسول کے علاوہ کسی کو نہیں حاصل ہے۔ راوی نے کہا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نقیع کو اور حضرت عمر نے سرف اور ربذہ کو حمی قرار دے دیا تھا۔

عن ابن عمر قال: حمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم النقیع (وھو موضع معروف بالمدینۃ) لخیل المسلمین۔[2]

ابن عمر سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نقیع کو (جو مدینہ میں ایک معروف جگہ کا نام ہے) مسلمانوں کے گھوڑوں کے لیے مخصوص کر لیا تھا۔

جیسا کہ ان روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی فوج کے گھوڑوں کی پرورش کے لیے مدینہ میں نقیع نامی مقام کو حمی قرار دے دیا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ربذہ میں[3] اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سرف میں حمی بنائی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ میں حمی کی مزید توسیع عمل میں لائے تھے۔[4] ریاست کی ضروریات کے لیے کسی افتادہ زمین یا مشترکہ عام چراگاہ کو حمی بنا لینا اسلامی ریاست

---

[1] : بخاری: کتاب الشرب۔ باب لا حمی الا للہ ولرسولہ، ابوعبید: کتاب الاموال۔ صفحہ ۲۹۴، ابوداؤد: کتاب الخراج والفئ والامارۃ۔ باب الارض یحمیھا الامام او الرجل۔ ایک دوسری روایت سے جس کا حوالہ آگے دیا گیا ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ربذہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حمی بنایا تھا۔

[2] : ابوعبید: کتاب الاموال۔ صفحہ ۲۹۸

[3] : طبری: تاریخ۔ صفحہ ۱۸۷۹ (حوادث ۱۱ھ)

[4] : احمد بن یحییٰ بن جابر بلاذری: انساب الاشراف جلد ۵ صفحہ ۱۳۸ اور ۴۲۲۔ طبع یروشلم ۱۹۳۶ء

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا ایک مستقل حق ہے[۱]۔

جیسا کہ ابو عبید القاسم بن سلام نے لکھا ہے:

"اللہ اور رسول کے لیے حمیٰ کی دو شکلیں ہیں: ایک یہ کہ زمین خدا کی راہ میں جہاد پر جانے والے گھوڑوں کے لیے مخصوص کر دی جائے۔ ایسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا...... اور دوسرے یہ کہ صدقہ کے مویشیوں کے لیے زمین مخصوص کر دی جائے تاکہ مستحقین میں تقسیم سے پہلے ان کو جمع رکھا جا سکے۔ ایسا حضرت عمر نے کیا تھا"[۲]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب ایک ایسے قطعۂ زمین کو حمیٰ قرار دے دیا جو پہلے افراد کے آزادانہ استعمال کے لیے کھلا ہوا تھا تو ان افراد کے نمائندوں نے اعتراض کیا۔ اس اعتراض کا حضرت عمر نے جو جواب دیا اس سے حمیٰ کی غرض و غایت اور وجہ واضح طور پر سامنے آجاتی ہے۔

"ایک اعرابی نے حضرت عمر کے پاس آکر آپ سے کہا: "اے امیر المؤمنین! یہ ہمارے علاقے ہیں ہم نے ان کی خاطر جاہلیت کے زمانہ میں جنگیں کی ہیں اور ان کے مالک رہتے ہوئے اسلام لائے ہیں۔ اب آپ کس حق کی بنا پر ان کو ریاست کے لیے مخصوص کر رہے ہیں؟ راوی کہتا ہے کہ اس بات کو سن کر حضرت عمرؓ نے سر جھکا لیا اور اپنی مونچھوں کو مروڑتے ہوئے پھونکنے لگے ـــــ ان کی عادت تھی کہ جب کوئی اہم مسئلہ آن پڑتا تو مونچھوں کو مروڑتے اور منہ سے پھونکتے ـــــ جب اعرابی نے آپ کا یہ حال دیکھا تو اپنی بات بار بار دہرانے لگا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا:

"المال مال اللہ، والعباد عباد اللہ، واللہ لولا ما احمل علیہ

---

[۱]: الماوردی: الاحکام السلطانیہ صفحہ ۱۶۵، ابو یعلیٰ: الاحکام السلطانیہ صفحہ ۲۰۷

[۲]: کتاب الاموال صفحہ ۲۹۸

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فی سبیل اللہ ما حمیت من الارض شبرًا فی شبرٍ[۱]

"سارا مال اللہ کا مال ہے، اور سارے بندے اللہ کے بندے ہیں۔ خدا کی قسم اگر یہ جانور نہ ہوتے جن کو مجھے خدا کی راہ میں (مجاہدین کی) سواری بنانا ہے تو میں ایک مربع بالشت زمین بھی حمیٰ نہ قرار دیتا۔"

ایک دوسری روایت میں آپ کا قول ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے:

"البلاد بلاد اللہ، وتحمی لنعم مال اللہ۔ یحمل علیھا فی سبیل اللہ"[۲]

"سارے علاقے اللہ کے علاقے ہیں، اور ان کو اللہ کے مویشیوں کے لیے حمیٰ بنایا جاتا ہے، جن کو اللہ کی راہ میں سواری بنایا جائے گا۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے مشترکہ قومی املاک کے سلسلہ میں اسلامی ریاست کی پالیسی کا رہنما اصول اخذ کیا جا سکتا ہے۔ ریاست کو ان املاک میں سے کسی حصّہ کو اپنے لیے اسی وقت مخصوص کرنا چاہیے جب کوئی اجتماعی ضرورت داعی ہو۔ بلا ضرورت ایسا کرنا ٹھیک نہیں۔ البتہ اجتماعی مفاد و مصالح کی ترویج کے لیے ان املاک کا ایک حصّہ سرکاری کاموں کے لیے مخصوص کیا جا سکتا ہے، کیونکہ سارا مال اللہ کا مال ہے، اور اسے بندگانِ خدا کے فائدے کے لیے استعمال کیا جانا چاہیے۔

رہی یہ بات کہ ریاست کن اجتماعی اغراض کے لیے اس حق کو استعمال کر سکتی ہے، تو ظاہر ہے کہ اس سلسلہ میں کسی متعیّن فہرست کی نشان دہی نہیں کی جا سکتی۔ قرنِ اوّل میں یہ حق مشترکہ چراگاہوں یا مشترکہ میدانوں میں سے بعض کو جہاد کے لیے تیار کیے جانے والے گھوڑوں اور زکوٰۃ میں وصول کیے جانے والے مویشیوں کے لیے مخصوص کرنے کی شکل میں استعمال کیا گیا تھا۔ اس دور کی سادہ معیشت میں اسلامی ریاست کو

---

[۱]: ابو عبید: کتاب الاموال، صفحہ ۲۹۸

[۲]: ایضًا : " ۲۹۹

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسری اغراض کے لیے اس حق کو استعمال کرنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ دورِ جدید میں اسلامی ریاست کی وسیع اجتماعی ذمہ داریاں اس بات کا تقاضا کریں گی کہ اس حق کو دوسرے کاموں کے لیے بھی استعمال کیا جائے۔ دفاع اور کفالتِ عامہ کے تقاضے اب بہت وسیع ہو چکے ہیں۔ فوجی چھاؤنیوں کی تعمیر، ہوائی اڈے، پریڈ کے میدان، وغیرہ کیلئے وسیع میدانوں کی ضرورت پڑے گی۔ آبپاشی کے لیے نہریں نکالنے، بند تعمیر کرنے، سڑکیں بنانے، اور ریل کے انتظام میں بھی مشترکہ زمینوں کو مخصوص کر لینے کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ ان کاموں کے سلسلہ میں حکومت کو لکڑی، پتھر، کوئلہ اور دوسری چیزوں کی ضرورت پڑے گی جو مشترکہ املاک میں سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔

البتہ جیسا کہ اصول کا تقاضا ہے، ریاست کو یہ اختیار نہیں حاصل ہے کہ کسی ایک طرح کی مشترکہ ملکیت کو پوری کی پوری ریاست کے لیے مخصوص قرار دے کر افراد کے لیے اس سے استفادہ کے مواقع ختم کر دے۔ فقہاء نے اس بات کی صراحت کر دی ہے کہ ساری مشترکہ چراگاہوں کو حمٰی بنا لینا جائز نہیں[۱] ہے۔

ملک کی تمام شاہراہیں، پل، نہریں، بند اور پبلک عمارتیں اور جائدادیں، خواہ وہ اسلامی حکومت کو پچھلی حکومت سے ملی ہوں یا خود اس کے دور میں تعمیر کی گئی ہوں، اسلامی ریاست کی ملکیت میں شامل ہیں۔ اگرچہ ان املاک کی نوعیت بھی مشترکہ املاک کی ہے اور مقررہ ضوابط کے تحت ہر فرد کو ان سے استفادہ کا حق حاصل ہے۔

زمین کے اندر پائے جانے والے معدنی ذخائر (معادنِ باطنہ)

زمین کے اندر پائے جانے والے معدنی ذخائر کس کی ملکیت ہیں، اس کے بارے میں قرآن و سنت میں کوئی واضح حکم نہیں ملتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ منقول ہے کہ

---

[۱] ماوردی: الاحکام السلطانیہ صفحہ ۱۸۶، ابو یعلیٰ: الاحکام السلطانیہ صفحہ ۲۰۷

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپ نے بعض کانیں ایک آدمی کو بطور جاگیر عطا کی تھیں۔ اور کان سے نکلنے والی دولت پر زکوٰۃ وصول کی جاتی تھی:

عن ربیعۃ بن عبد الرحمٰن عن غیر واحدٍ من علماءھم ان رسول صلی اللہ علیہ وسلم قطع لبلال بن الحرث معادن القبلیۃ۔ (قال ابو عبید: القبلیۃ بلاد معروف بالحجاز) وھی فی ناحیۃ الفرع ـــ قال فتلک المعادن لا یؤخذ منھا الا الزکوٰۃ الی الیوم[1]۔

ربیعہ بن عبدالرحمان نے متعدد علماء سے روایت کرتے ہوئے یہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلیہ کی کانیں بلال بن حارث کو بطور جاگیر عطا کیں (ابو عبید کہتا ہے کہ قبلیہ حجاز کے ایک علاقہ کا نام ہے) جو فرع کی جانب واقع ہے ـــ (راوی) کہتا ہے کہ ان کانوں سے آج تک صرف زکوٰۃ وصول کی جاتی ہے (کچھ اور نہیں لیا جاتا)

ایک دوسری روایت میں یہ آیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ:

فی الرکاز الخمس[2]۔

رکاز میں پانچواں حصہ واجب ہے۔

احناف کے نزدیک زمین کے اندر پائی جانے والی کانیں رکاز میں شامل ہیں۔ لہٰذا ان کے نزدیک اکثر معدنی ذخائر پر خمس وصول کیا جائے گا[3] وہ اس روایت سے استدلال کرتے ہیں۔ جس کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جب یہ دریافت کیا گیا کہ رکاز کیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ:

" الذھب والفضۃ الذی خلقہ اللہ فی الارض یوم

---

[1]: ابو عبید: کتاب الاموال صفحہ ۳۳۸

[2]: " " : " " صفحہ ۳۳۶

[3]: الفقہ علی المذاہب الاربعہ، جلد ۱ صفحہ ۶۱۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خلقت [۵۱]:

وہ سونا اور چاندی ہے جسے اللہ نے زمین کی تخلیق کے ساتھ اس میں پیدا کیا ہے۔

لیکن مالکی، شافعی، اور حنبلی مکتبِ فقہ کے نزدیک رکاز کا اطلاق صرف دفینوں پر ہوتا ہے۔ قدرتی معدنی ذخائر پر نہیں۔ متعدد روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رکاز اور معدن دو مختلف چیزیں ہیں۔ [۵۲]

اور حضرت عمر بن عبدالعزیز سے یہ مروی ہے کہ آپ نے کانوں پر زکوٰۃ عائد کی تھی، خمس نہیں عائد کیا تھا۔ [۵۳]

فقہاء نے معدنیات پر بحث اس زاویۂ نگاہ سے کی ہے کہ ان پر خمس عائد کیا جائے گا یا ڈھائی فیصدی زکوٰۃ لی جائے گی۔ جہاں تک ان کی ملکیت کا تعلق ہے، احناف، شوافع اور حنابلہ اس پر متفق ہیں کہ اگر کان کسی کی مملوکہ زمین میں پائی جائے تو وہ مالک زمین کی ملکیت ہوگی۔ اور اگر غیر مملوکہ زمین میں پائی جائے تو پانے والے کی ملکیت ہوگی۔ [۵۴] مالکی فقہا اس بارے میں مختلف الرائے ہیں۔ بعض فقہاء کی رائے وہی ہے جو اوپر درج کی گئی۔ لیکن امام مالک کے اکثر رفقاء کی رائے اس سے مختلف ہے۔ مدوّنہ میں امام مالک کی جو رائے نقل کی گئی وہ درج ذیل ہے:

"امام مالک کے بارے میں مجھ تک یہ روایت پہنچی ہے کہ ان سے بربر کی ان کانوں کے بارے میں دریافت کیا گیا جو ان کی سرزمین میں دریافت ہوئی ہیں تو انہوں نے کہا کہ میرے نزدیک وہ سلطان کی ہیں۔ وہی ان کا مالک ہوگا اور انہیں کسی فرد کو بطور جاگیر دے دے گا اور اس میں زکوٰۃ وصول کرے گا۔۔۔ [۵۵]"

میں نے کہا کہ ان کانوں کے بارے میں کیا رائے ہے جو کسی ایسی زمین سے

---

[۵۱]: ابو یوسف: کتاب الخراج۔ صفحہ ۲۶۔ ۲۷

[۵۲]: ملاحظہ ہو ابو عبید: کتاب الاموال صفحہ ۳۳۶۔ ۳۳۹

[۵۳]: ابو عبید: کتاب الاموال۔ صفحہ ۳۳۹

[۵۴]: الفقہ علی المذاہب الاربعہ۔ جلد ۱۔ صفحہ ۶۱۲۔ ۶۱۶

[۵۵]: امام مالک: المدونۃ الکبریٰ۔ بروایت سحنون عن عبدالرحمٰن بن القاسم جلد ۱ صفحہ ۲۴۷

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بر آمد ہوں جس کے باشندوں نے اس زمین کے مالک ہوتے ہوئے اسلامی ریاست سے صلح کر لی ہو۔ انہوں نے کہا کہ ایسی زمینوں میں جو کانیں نکلیں وہ اس زمین کے مالکوں کی ملکیت ہوں گی۔ وہ دوسرے آدمیوں کو ان کانوں میں کام کرنے سے روک سکتے ہیں، اور اگر چاہیں تو دوسرے لوگوں کو اجازت بھی دے سکتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنی زمینوں کے بارے میں صلح کر لی ہے تو وہ سلطان کی نہیں، ان کی ملکیت ہیں ...
(امام مالک نے) کہا کہ جو علاقے بزورِ قوت فتح ہوں اور ان میں کانیں بر آمد ہوں ان کا معاملہ سلطان کے ہاتھ میں ہے، وہ ان کے بارے میں جو طریقہ چاہے اختیار کرے، اور وہ جسے چاہے ان کانوں کو بطور جاگیر ان میں کام کرنے کے لیے دے سکتا ہے کیونکہ یہ زمینیں ان لوگوں کی ملکیت نہیں جو بزورِ شمشیر فتح کیے گئے ہیں۔[۱]

مالکی مسلک کی ایک دوسری کتاب میں یہ لکھا ہے کہ:

"زکوٰۃ صرف معدنِ عینی یعنی سونے چاندی کی کانوں سے نکالی جائے گی، تانبہ سیسہ، پارہ وغیرہ کی کانوں سے نہیں نکالی جائے گی۔ اس کا یعنی علی الاطلاق تمام کانوں کا معاملہ، خواہ وہ معدن عین ہوں یا دوسری معدنیات، امام یعنی سلطان اور اس کے نائبوں کے ہاتھ میں ہے۔ وہ چاہے تو اسے کسی مسلمان کو بطور جاگیر دے دے، یا مسلمانوں کے فائدے کے لیے اسے بیت المال میں داخل کر دے، اپنی ذات کے لیے مخصوص نہ کرے، خواہ یہ کان کسی فرد کی مملوکہ زمین ہی میں کیوں نہ پائی جائے۔ زمین کا مالک اس کان کا مالک نہیں قرار پائے گا۔ البتہ اگر کان ایسی زمین میں بر آمد ہو جس کے مالکوں سے صلح کر لی گئی ہو۔ تو وہ ان کی ملکیت ہو گی۔ جب تک یہ مالک کافر رہیں ہم ان

۱؎ : امام مالک : المدونۃ الکبریٰ، بروایت سحنون عن عبد الرحمان بن القاسم ... [illegible]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے کوئی تعرض نہ کریں گے، مگر جب وہ اسلام لے آئیں گے تو ان کانوں کے بارے میں فیصلہ امام کے ہاتھ میں آجائے گا۔[1]

"سونے چاندی کی کانوں کو کسی ایسے آدمی کے حوالے کر دینا جائز ہے جو کسی متعین اُجرت پر اس میں کام کرے، البتہ اُجرت سونے چاندی کی صورت میں نہیں لی جائے گی۔ یہ معاوضہ کام کرنے والے سے ان معدنی اشیاء کی بدولت لیا جائے گا جو وہ کان سے حاصل کرے گا۔ شرط یہ ہے کہ کام متعین وقت کے لیے ہو، یا خود کام کی نوعیت متعین ہو، مثلاً قدِ آدم یا اس کا دگنا گہرا گڑھا کھودنا ...... سونے چاندی کے علاوہ دوسرے معدنی ذخائر کو معاوضہ وصول کرنے کی شرط پر دیا جا سکتا ہے خواہ یہ معاوضہ سونے چاندی ہی کی شکل میں کیوں نہ لیا جائے۔"[2]

"معتمد علیہ رائے یہی ہے کہ وہ دکانیں جو کسی فرد کی مملوکہ زمین میں پائی جائیں) امام کی ملکیت ہوں گی کیونکہ کانیں بدترین لوگ بھی دریافت کر سکتے ہیں۔ لہٰذا اگر کانوں کا معاملہ امام کے ہاتھ میں نہ ہو تو فتنہ اور جھگڑا فساد رُونما ہو سکتا ہے۔"[3]

اسی مسئلہ پر ابن رُشد نے ان الفاظ میں روشنی ڈالی ہے:

"کانوں کے بارے میں دو رائیں پیش کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ ان زمینوں کے تابع نہیں ہیں جن کے اندر وہ پائی جائیں، خواہ زمین مملوکہ ہو یا غیر مملوکہ۔ ان کانوں کا معاملہ امام کے ہاتھ میں ہے۔ وہی ان کا مالک ہو گا اور انہیں کسی ایسے آدمی کے سپرد کر دے گا جو ان میں کام کرے۔ اس آدمی کو یہ کان اس کی مدت عمر کے لیے یا کسی اور متعین مدت کے لیے دی جا سکتی ہے۔ اس بارے میں امام

---

[1] : احمد الدردیر : الشرح الصغیر علی ہامش بلغۃ السالک لاقرب المسالک للشیخ احمد الصاوی، جلد ۱، صفحہ ۲۱۴

[2] : شیخ احمد الصاوی : بلغۃ السالک لاقرب المسالک ۔ جلد ۱ ۔ صفحہ ۲۱۵

[3] : ایضاً ۔ " " " " ۔ صفحہ ۲۱۴

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اجتہادی طور پر جو فیصلہ چاہے کر سکتا ہے۔ البتہ وہ آدمی اس کان کا مالک نہیں قرار پائے گا، اور اس میں سے بہر صورت زکوٰۃ وصول کی جائے گی۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے بلال بن حارث مزنی کو معادنِ قبلیہ میں سے بعض کانیں عطا کی تھیں تو ان کانوں میں سے آج تک صرف زکوٰۃ وصول کی جاتی ہے۔ البتہ اگر کانیں ایسی زمین میں ہوں جس کے مالکوں نے اس پر صلح کر لی ہو تو ان کے بارے میں ان لوگوں کو اختیار ہے کہ جو طریقہ چاہیں اختیار کریں۔ مسلمان ان شرائط پر قائم رہیں گے جو اُن کے لیے جائز ہیں۔ پھر اگر یہ مالک اسلام لے آئیں تو ان کانوں کا معاملہ امام کے ہاتھ میں آجائے گا۔ یہ ابن القاسم کا مسلک ہے اور اسی کو انہوں نے مدونہ میں امام مالک سے بھی نقل کیا ہے۔ یہی مسلک عُتبیہ میں یحییٰ نے ابن القاسم سے نقل کیا ہے۔

دوسری رائے یہ ہے کہ کانیں ان زمینوں کے تابع ہیں جن میں وہ پائی جائیں اگر وہ کسی میدان میں، یا بزورِ قوت فتح ہونے والے علاقہ میں، یا غیر مملوکہ صحراؤں میں پائی جائیں تو ان کے بارے میں فیصلہ امام کے ہاتھوں میں ہوگا۔ وہ اسے کسی شخص کو بطورِ جاگیر دے دے گا جو اس میں کام کرے گا، یا مسلمانوں کی جماعت کی طرف سے کچھ لوگوں سے معاوضہ کی بنیاد پر جائز شرطوں کے تحت ان میں کام کرائے گا۔ وہ ہر صورت میں کانوں میں سے زکوٰۃ وصول کرے گا۔ اگر کانیں کسی کی مملوکہ زمین میں ہوں تو وہ زمین کے مالک کی ملکیت ہوں گی، وہ ان میں وہ سارے تصرفات کر سکے گا جو مالک اپنی ملکیت میں کر سکتا ہے۔ اگر وہ اہلِ صلح کی زمینوں میں ہوں تو اہلِ صلح کو ان کے بارے میں اختیار ہوگا، اِلّا یہ کہ وہ مسلمان ہو جائیں تو وہ ان کی ملکیت ہو جائیں گی۔ یہ سُحنون کا مسلک ہے اور کتاب الموّاز میں امام مالک کی طرف بھی یہی رائے منسوب کی گئی ہے۔

پہلی رائے کی دلیل یہ ہے کہ وہ سونا چاندی جو زمین کے اندر پائی جانے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

والی کانوں میں ہوتا ہے۔ ان زمینوں کے مالکوں کی ملکیت قائم ہونے سے یاد پڑا تا ہے۔ لہٰذا وہ لوگ زمین کے مالک ہونے کی بنا پر اس کے مالک نہیں ہو جاتے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد" ان الارض للہ۔ یورثھا من یشاء من عبادہ[۵۱]" کا مفاد مفہوم یہی ہے۔ کیونکہ یہ نہیں فرمایا کہ زمین اللہ کی ہے وہ اس کا اور جو کچھ اس کے اندر ہے اس کا وارث اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے بنا دیتا ہے۔ اس ظاہر مفہوم کے مطابق لازم آیا کہ زمین کے اندر جو کچھ سونا چاندی کانوں میں پایا جائے وہ اسی طرح تمام مسلمانوں کے لیے ہو جس طرح وہ مال جس کے پیچھے نہ گھوڑے دوڑائے گئے ہوں نہ اونٹ۔

دوسری رائے کی دلیل یہ ہے کہ چونکہ سونا اور چاندی زمین کے اندر موجود ہیں لہٰذا وہ اسی طرح زمین کے مالک کی ملکیت ہوں گے جس طرح اس میں اُگنے والے پودے اور درخت۔

پہلی رائے زیادہ قوی ہے، کیونکہ پودے اور درخت زمین میں ملکیت قائم ہونے کے بعد پیدا ہوئے ہیں، کانوں میں پائے جانے والے سونے اور چاندی کا حال اس سے مختلف ہے[۵۲]۔

ان اقتباسات کی روشنی میں ہم معادن باطنہ کے بارے میں جو اصول اخذ کرتے ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ وہ تمام معدنی ذخائر جو زمین کے اندر چھپے ہوئے ہیں اصلاً اسلامی ریاست کی ملکیت ہیں خواہ وہ مملوکہ زمینوں میں پائے جائیں یا غیر مملوکہ زمینوں میں۔

۲۔ اس سے صرف وہ کانیں مستثنیٰ ہیں جو ایسے علاقے میں جس کے غیر مسلم باشندوں نے صلح کے ذریعہ اپنے کو اس علاقے کی زمینوں کا مالک تسلیم کرا لیا ہو کسی غیر مسلم کی

۵۱: سورۂ اعراف آیت ۱۲۸۔ ترجمہ" زمین اللہ کی ہے، اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے۔

۵۲: ابن رشد: المقدمات الممہدات لبیان ما اقتضتہ رسوم المدونۃ۔ جلد ا صفحہ ۲۴۱-۲۴۳ (یہ کتاب مدونہ کے ساتھ چھپی ہے جس کا حوالہ اوپر گذر چکا ہے)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حملو کر زمین میں برآمد ہوں۔

۳۔ اسلامی ریاست کانوں کو دوسرے افراد کو بطور جاگیر دے سکتی ہے، یا جائز شرطوں پر ٹھیکہ پر دے کر معاوضہ وصول کر سکتی ہے، یا خود اپنے اہتمام میں ان سے فائدہ اٹھا سکتی ہے۔

۴۔ جب کوئی کان کسی فرد کے قبضہ میں ہو تو اس سے نکلنے والی دولت پر زکوٰۃ وصول کی جائے گی، خمس نہیں لیا جائے گا۔

یہ بات کہ کانیں ملکیت کے معاملہ میں زمین کے تابع نہیں ہیں۔ ذیل کی روایت سے بھی ثابت ہوتی ہے:

"عن ابی عکرمة ــــ مولی بلال بن الحرث المزنی ــ قال اقطع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلالاً ارض کذا من مکان کذا الی کذا، وما کان فیھا من جبلٍ او معدنٍ۔ قال: فباع بنو بلال من عمر بن عبد العزیز ارضاً، فخرج فیھا معدنان فقالوا انما بعناک ارض حرثٍ، ولم نبعک المعدن۔ وجاءوا بکتاب القطیعة التی قطعھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لابیھم فی جریدةٍ۔ قال فجعل عمر یمسحھا علی عینیه وقال لقیّمه: انظر ما استخرجت منھا وما انفقت علیھا، فقاصھم بالنفقة وردّ علیھم الفضل" [1]

بلال بن الحرث المزنی کے آزاد کردہ غلام ابو عکرمہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال کو فلاں زمین، فلاں سے فلاں مقام تک، بطور جاگیر عطا فرمائی اور اس کے اندر جو پہاڑ اور کانیں ہوں وہ بھی۔ راوی نے کہا: پھر بلال کے لڑکوں نے حضرت عمر بن عبد العزیز کے ہاتھ ایک زمین فروخت کی تو اس میں دو کانیں نکلیں۔ ان لوگوں نے یہ کہا کہ ہم نے آپ کے ہاتھ صرف

---

[1] : ابو عبید: کتاب الاموال صفحہ ۳۳۸-۳۳۹

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زرعی زمین فروخت کی تھی، کان نہیں فروخت کی تھی- یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے باپ کو جو جاگیر عطا کی تھی اس سے متعلق آپ کی تحریر لے آئے راوی کہتا ہے کہ حضرت عمر (بن عبدالعزیز) نے اسے اپنی آنکھوں سے لگا لیا اور اپنے منتظم سے کہا: اس زمین کی کانوں سے جو کچھ تم نے حاصل کیا ہو اور جو اس پر صرف کیا ہو اس کا حساب لگاؤ- ان لوگوں سے صرفہ وصول کر کے باقی مال ان کو واپس دے دو۔

امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور بعض مالکی فقہا کی یہ رائے کہ جو کان کسی مملوکہ زمین میں پائی جائے وہ مالکِ زمین کی ملکیت ہوگی اس اصول پر مبنی ہے کہ کانیں ملکیت کے معاملے میں زمین کے تابع ہیں- قرآن و سنت کی کوئی صریح نص اس اصول کی تائید نہیں کرتی- اور مذکورہ بالا روایت اس کے خلاف ہے۔ اُوپر ہم اس اصول کے خلاف ابنِ رُشد کا استدلال بھی نقل کر چکے ہیں۔

غیر مملوکہ زمینوں میں پائی جانے والی کانوں کے بارے میں یہ رائے کہ وہ پانے والے کی ملکیت ہیں اسی اصول پر مبنی ہے جس کی بنا پر اُفتادہ زمینوں کا احیاء کرنے والا اس کا مالک قرار پاتا ہے۔ یعنی قبضۂ ابتدائی اور کارآمد بنا لینے کا اصول ہم نے اُوپر اس مسئلہ پر جو بحث کی ہے اس سے یہ بات سامنے آتی ہے- اس طریقہ سے انفرادی ملکیت کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ ایسا ریاست کی اجازت سے کیا جائے- بغیر اجازت کے قبضہ اور کارآمد بنانے کا اختیار دینے سے باہمی جھگڑے اور فساد رُونما ہونے کا اندیشہ ہے- انہی دلائل کے تحت کانوں سے استفادہ کے لیے بھی پہلے امام سے اجازت حاصل کرنا ضروری ہونا چاہیے۔

لیکن افتادہ زمینوں اور قیمتی معدنی ذخائر میں بہت فرق ہے- ہمارے نزدیک مالکی فقہا کی یہ رائے قابلِ ترجیح ہے کہ غیر مملوکہ زمینوں میں پائے جانے والے تمام معدنی ذخائر کے بارے میں فیصلہ کرنا ریاست کے اختیار میں ہے- ریاست چاہے تو معقول معاوضہ وصول کرنے کی شرط پر افراد کو کانیں دریافت کرنے اور ان سے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فائدہ اُٹھانے کی اجازت دے، اور اگر مناسب سمجھے تو ان کو سرکاری انتظام کے تحت رکھے۔

ابنِ رُشد کی یہ رائے بھی خاصی وزنی ہے کہ معدنی ذخائر فئے کی طرح ہیں۔ جس طرح فئے کا مال اس بنا پر تمام مسلمانوں کی ملکیت قرار پایا ہے کہ اس کے حصول میں مالِ غنیمت کے حصول کی طرح غیر معمولی محنت اور قربانی کو دخل نہیں۔ اسی طرح قیمتی معدنی ذخائر کو تمام مسلمانوں کی ملکیت قرار دینا چاہیے، خواہ وُہ مملوکہ زمینوں میں پائے جائیں یا غیر مملوکہ زمینوں میں۔ دورِ جدید کے تمدنی مصالح کا بھی یہی تقاضا ہے کہ کانوں میں پائی جانے والی بیش بہا دولت افراد کے ہاتھوں میں جانے کے بجائے اصلاً ریاست کی ملکیت قرار دی جائے۔ ریاست کے لیے اس بات کا دروازہ ہمیشہ کھلا ہوا ہے کہ یہ کانیں وہ افراد کو بطورِ جاگیر، یا معقول معاوضہ کی شرط پر، دے دے۔ جن معدنی ذخائر کے سلسلہ میں جہاں ایسا کرنا زیادہ مفید سمجھا جائے کیا جاسکتا ہے۔

(د) زکوٰۃ، عشر اور خمس کے شرعی محاصل سے حاصل ہونے والی آمدنی

یہ وُہ شرعی محاصل ہیں جو اسلامی ریاست کا ہر مسلمان شہری لازماً ادا کرے گا۔ چونکہ یہ شرعی محاصل اسلامی ریاست کی آمدنی کا ایک بڑا ذریعہ ــــ غالباً سب سے بڑا ذریعہ ــــ ہیں لہٰذا ان کا مطالعہ خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ ان کا اجمالی ذکر مالک کی ذمہ داریوں کے تحت کیا جا چکا ہے۔ پہلے ہم مختلف قسم کے اموال پر عائد ہونے والی زکوٰۃ کی شرحوں، اور دُوسرے شرائط کا مطالعہ کریں گے۔

زکوٰۃ اسلامی ریاست کے ہر عاقل و بالغ مسلمان شہری پر واجب ہے، بشرطیکہ وہ صاحبِ نصاب ہو۔ نابالغ بچوں اور مجنون افراد کے مال میں بھی فقہ کے تین مکاتب مالکی، شافعی اور حنبلی کے نزدیک زکوٰۃ واجب ہے، اور ان کے سرپرست ان

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی طرف سے زکوٰۃ ادا کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ حنفی مکتبِ فقہ کے نزدیک نابالغ بچوں اور مجنون افراد کی مملوکہ زمین کی پیداوار میں تو زکوٰۃ واجب ہے لیکن مویشی، نقد اور مالِ تجارت میں زکوٰۃ نہیں واجب ہے۔ ہمارے نزدیک قابلِ ترجیح رائے یہی ہے کہ نابالغ بچوں اور مجنون افراد کے مال میں بھی زکوٰۃ واجب ہے۔[۵۱]

اب ہم مختلف قسم کے اموال پر زکوٰۃ کی شرحوں اور اس کے نصاب کا مطالعہ کریں گے

۱۔ سونا اور چاندی :

چاندی کی وہ کم سے کم مقدار جس کے مالک سے زکوٰۃ وصول کی جائے گی۔ یعنی چاندی کا نصاب، بالاتفاق دو سو درہم ہے۔ درہم کے وزن کے بارے میں محققین کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ ہندوستان اور پاکستان میں عام طور پر زکوٰۃ کا جو نصاب مشہور ہے اس کے مطابق ایک درہم کا وزن ۳ ماشہ ۱/۵ ۱ رتی یعنی ۳۰۶۲ر۳ گرام ہے۔ اس حساب سے دو سو درہم ۱/۲ ۵۲ تولہ یا ۴ر۶۱۲ گرام کے برابر ہوئے۔[۵۲]

۵۱: اس رائے کے حق میں دلائل کے لیے ملاحظہ ہو۔ ابو عبید: کتاب الاموال صفحات ۴۴۸ تا ۴۵۶ اور احناف کے مسلک کے حق میں دلائل کے لیے بدائع الصنائع۔ جلد ۲ صفحات ۴، ۵ اور دوسرے حنفی مآخذ۔

۵۲: اس کے علاوہ درہم کے وزن اور چاندی کے نصاب کے بارے میں دوسری رائیں بھی پیش کی گئی ہیں۔ مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ کی تحقیق کے مطابق چاندی کا نصاب ۴۳ تولہ ۵ ماشہ۔ ۴ رتی ہے (یعنی ۲ر۵۰۴ گرام) ان کے نزدیک ایک درہم کا وزن ۲ ماشہ ۱/۲ ۱ رتی (یعنی ۲۶ ۱ر۲ گرام) ہے۔

محمد ضیاء الدین الریس نے اپنی کتاب "الخراج فی الدولۃ الاسلامیہ (طبع قاہرہ ۱۹۵۷ء) کی ساتویں فصل (صفحہ ۳۷۱ تا ۳۵۲) میں کافی تحقیق کے بعد یہ رائے ظاہر کی ہے کہ ایک درہم کا وزن ۹۷۵ر۲ گرام (یعنی ۳ ماشہ اور ۸ر۴ رتی) ہے۔ اس تحقیق

(باقی حاشیہ ص ۲۴ پر)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سونے کی وہ کم سے کم مقدار جس کے مالک سے زکوٰۃ وصول کی جائے گی اکثر فقہا کے نزدیک بیس دینار ہے۔ ایک دینار کا وزن ایک طلائی مثقال ہے جو وزن میں ۱۰/۷ درہم کے مساوی ہوتا ہے۔ ہندوستان اور پاکستان میں مشہور نصاب ۱/۲ ۷ تولہ یا ۸۷ء۵ گرام ہے[۵۱]۔ فقہا کا ایک گروہ چالیس دینار کو نصاب قرار دیتا ہے اور دوسرے گروہ کے نزدیک سونے کا نصاب اس کی وہ مقدار ہے جو قیمت میں دو سو درہم چاندی کے برابر ہو[۵۲]۔

اگرچہ سونے کی مقدارِ نصاب ۲۰ دینار پر آئمہ اربعہ کا اتفاق ہے لیکن جن روایات سے اس کا ثبوت ملتا ہے وہ اس پایہ کی نہیں ہیں جس پایہ کی روایات سے چاندی کا نصاب ثابت ہے[۵۳]۔ عہدِ نبوی میں ایک طلائی دینار قیمت کے اعتبار سے انقریٰ دس درہموں کے مساوی تھا۔ اب سونے اور چاندی کی قیمتوں کا باہمی تناسب ایک اور دس کی جگہ ایک اور ۱/۲ ۸۵ ہے[۵۴]۔ اگر سونے کی مقدارِ نصاب ۲۰ طلائی مثقال رکھی گئی تو چاندی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳) کے مطابق چاندی کا نصاب ۵۹۵ گرام (۵۱ تولہ ایک رتی) ہوا۔

الاب انستاس ماری الکرملی نے اپنی کتاب "النقود العربیہ وعلم النمیات" (قاہرہ ۱۹۳۹ء) میں جو تحقیق پیش کی ہے اس کے مطابق ایک درہم کا وزن ۲ء۳ گرام (۳ ماشہ اور ۲۳ء۲ رتی) ہے۔ اس حساب سے چاندی کا نصاب ۶۴۰ گرام یا ۵۴ تولہ ۱۰ ماشہ اور ۴ء۲ رتی ہوا۔

۵۱ : (حاشیہ صفحہ ہذا) درہم کے وزن کے بارے میں اختلاف کا اثر سونے کے نصاب پر بھی پڑتا ہے۔ مولانا عبدالحی فرنگی محلی صاحب کی تحقیق کے مطابق سونے کا نصاب ۵ تولہ ۲ ماشہ ۴ رتی (یعنی ۶۰ء۷۴ گرام)۔ اور مؤخرالذکر دو تحقیقات کے مطابق بالترتیب ۸۵ گرام اور ۹۱ء۴۲ گرام۔

۵۲ : ابنِ رشد : بدایۃ المجتہد جلد ۱ صفحہ ۲۵۵۔

۵۳ : محمد الزرقانی : شرح موطا جلد ۲ صفحہ ۹۴۔ مطبع کستلیہ مصر ۱۲۸۰ھ

۵۴ : ۱۵ مارچ ۱۹۶۳ء کو دہلی میں سونے کا نرخ ۱۰ء۸ روپے فی گرام اور چاندی کا نرخ ۱۲ء۴ روپے فی گرام تھا (بحوالہ روزنامہ اسٹیٹسمین۔ دہلی ۱۶ مارچ ۱۹۶۳ء)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور سونے کے نصاب میں زبردست تفاوت پیدا ہو جائے گا۔ یہ تفاوت عہدِ نبوی میں نہیں پایا جاتا تھا۔ اگر اصل معیار چاندی کے نصاب کو بنایا جائے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قطعیت کے ساتھ ثابت ہے، اور سونے کے نصاب کو اس کے تابع قرار دیا جائے تو یہ تفاوت دُور ہو جائے گا۔ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ بعض فقہا یہی رائے رکھتے ہیں۔ ان فقہاء میں عطاء، طاؤس، زہری، سلیمان بن حرب اور ایوب سختیانی شامل ہیں[۵۱]۔ حنفی فقہا میں سے ابو مسعود کاسانی نے بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"سونے کی قیمت جب تک دو سو درہم سے کم ہو اس میں کوئی زکوٰۃ نہیں جب اس کی قیمت دو سو درہم ہو جائے تو اس میں چالیسواں حصہ واجب ہے[۵۲]۔"

بعض معاصر محققین کے نزدیک بھی سونے کا نصاب تبدیل کیا جا سکتا ہے[۵۳]۔ کیونکہ اس کا نصاب ۲۰ مثقال جس روایت میں آیا ہے اس کی سند بہت ضعیف ہے[۵۴]۔ مگر دوسرے دلائل کی روشنی میں بعض معاصر فقہاء سونے کے نصاب کو اصل قرار دینے کے حق میں ہیں۔[۵۵]

اگر کسی شخص کے پاس نصاب سے کم چاندی اور نصاب سے کم سونا ہو، مگر دونوں کو ملا کر نصاب پورا ہو جاتا ہو تو اُسے صاحبِ نصاب سمجھا جائے گا اور اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ یہ امام مالک اور امام ابو حنیفہ کی رائے ہے[۵۵]۔ امام شافعی کے نزدیک نصاب کی تکمیل کے لیے سونے اور چاندی کو نہیں ملایا جائے گا، ہر ایک میں علیحدہ علیحدہ صاحبِ نصاب ہونا اس میں زکوٰۃ واجب ہونے کے لیے ضروری ہے۔ امام مالک کے نزدیک تکمیلِ نصاب کا حساب لگانے میں ایک دینار (یعنی ایک مثقال سونے) کو ہر زمانہ میں دس درہم کے مساوی سمجھا جائے گا۔ سونے کی

[۵۱]: ابنِ قدامہ: المغنی جلد ۲ صفحہ ۷ ۵۹

[۵۲]: بدائع الصنائع جلد ۲ صفحہ ۱۸

[۵۳]: سید ابو الاعلیٰ مودودی: رسائل و مسائل جلد ۲ صفحہ ۱۴۶-۱۴۷ طبع لاہور ۱۹۵۷ء

[۵۴]: ملاحظہ ہو مجلۃ الازہر محرم ۱۳۸۵ھ / مئی ۱۹۶۵ء (روئداد مؤتمر ثانی مجمع البحوث الاسلامیہ۔ قاہرہ) میں استاذ محمد ابو زہرہ کا مقالہ۔ صفحہ ۱۵۰

[۵۵]: بدایۃ المجتہد جلد ۱ صفحہ ۲۵۷

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رائج الوقت قیمت کا لحاظ نہیں کیا جائے گا[51]۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ حساب رائج الوقت قیمت کے مطابق لگایا جائے گا[52]۔ امام سفیان ثوری کے نزدیک حساب لگانے میں مروجہ یا عہدِ نبوی کی قیمتوں میں سے اس قیمت کو ترجیح دی جائے گی جو تکمیلِ نصاب میں زیادہ مددگار ہو یعنی جس کے مطابق ایک مثقال سونے کی قیمت زیادہ سے زیادہ چاندی کی قیمت کے مساوی ہو[53]۔ کاسانی نے بھی قیمت لگانے کے اس طریقہ کو ترجیح دی ہے جو فقراء یعنی مستحقینِ زکوٰۃ کے لیے زیادہ نفع بخش ہو[54]۔ موجودہ زمانہ میں امام ابو حنیفہ، سفیان ثوری اور کاسانی کی راؤں کی عملی تعبیر یہی ہوگی کہ سونے کی رائج الوقت قیمت کا لحاظ کیا جائے[55]۔

سونے اور چاندی کی شرح زکوٰۃ ½ ۲ فی صدی سالانہ ہے جیسا کہ آگے بیان کیا گیا ہے۔ یہی شرح نقد سرمایہ کے لیے بھی ہے۔ نقد سرمایہ کا نصاب چاندی کے نصاب کے تابع ہے۔ جس آدمی کے پاس بمقدارِ نصاب کے مساوی چاندی کی قیمت کے برابر نقد سرمایہ ہو اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ تکمیلِ نصاب کے لیے سونے اور چاندی کے ساتھ نقد سرمایہ کو بھی شامل کیا جائے گا۔

اگر کسی کے پاس سونا اور چاندی زیورات کی شکل میں ہو تو اس کا مسئلہ اختلافی ہے۔ مگر قابلِ ترجیح رائے یہی ہے کہ ہر طرح کے زیور پر زکوٰۃ واجب ہے۔ متعدد

---

۵۱ : امام مالک بروایت ابن القاسم : المدونۃ الکبریٰ۔ جلد ۱ صفحہ ۲۰۸

۵۲ : بدایۃ المجتہد جلد ۱ صفحہ ۲۵۰

۵۳ : 〃 〃 〃 〃

۵۴ : بدائع الصنائع۔ جلد ۲ صفحہ ۲۰

۵۵ : اگر چاندی کا نصاب ½ ۵۲ تولہ یا ۶۱۲٫۳۶ گرام قرار دیا جائے تو ۱۵ مارچ ۱۹۷۳ء میں دہلی کے مروجہ نرخ کے مطابق اس کی قیمت ۲۷۰ روپے ہے۔ جس شخص کے پاس نقد روپیہ، سونا اور چاندی ملا کر ۲۷۰ روپے کی مالیت پوری ہو جائے اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

احادیث اس مسلک کی تائید کرتی ہیں اور یہی احناف کا مسلک ہے۔ شافعی، مالکی اور حنبلی مکاتب فقہ کے نزدیک بعض حالات میں زیور پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور بعض حالات میں نہیں واجب ہوگی[1]۔

حالات کا یہ اختلاف بسا اوقات ایسا ہوگا جس کی تحقیق کسی دوسرے کے لیے مشکل ہوگی اور اس سے زکوٰۃ کی تحصیل میں مشکلات پیش آئیں گی۔

سونا اور چاندی اگر تجارت کے لیے ہوں تو اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ مالک پر زکوٰۃ اسی وقت واجب ہوگی جب وہ سال کے شروع اور آخر میں صاحب نصاب ہو۔ دوران سال ہر وقت صاحب نصاب رہنا شرط نہیں۔ البتہ بعض مکاتب فقہ کے نزدیک تمام سال یا سال کے بیشتر اوقات صاحب نصاب رہنا شرط ہے[2]۔

۲۔ نقد سرمایہ، بینکوں میں جمع رقمیں، اور قرضے:

ہر طرح کے نقد سرمایہ پر خواہ دھات کے سکوں کی شکل میں ہو یا کاغذ کے نوٹ کی شکل میں یا بینک کے پرامیسری نوٹ کی شکل میں[3] ۲½ فی صد زکوٰۃ لی جائے گی۔ بشرطیکہ اس کی مقدار چاندی کے نصاب کی قیمت کے بقدر یا اس سے زیادہ ہو۔ جو سرمایہ بینکوں میں امانت رکھا ہوا ہو اور مطالبہ کرنے پر آسانی سے مل سکتا ہو اس پر بھی یہی زکوٰۃ عائد ہوگی۔ جو ذاتی سرمایہ کسی کاروباری شریک کو کاروبار کے لیے دیا گیا ہو اس پر بھی زکوٰۃ لی جائے گی۔

دیے ہوئے قرضے اگر با آسانی واپس مل سکتے ہوں، یا ان کی واپسی یقینی ہو تو

---

[1] الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد ۱ صفحہ ۶۰۱، ۶۰۲

[2] : 〃 〃 〃 〃 〃

[3] : 〃 〃 〃 〃 〃 ۶۰۵

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان پر زکوٰۃ واجب ہے۔ بعض فقہاء کے نزدیک ان کی زکوٰۃ سال بہ سال ادا کرنی ہوگی یہ حضرت عثمان، ابن عمر، جابر ابن عبداللہ، طاؤس، ابراہیم نخعی اور حسن بصری رضی اللہ عنہم کا مسلک ہے۔ ابو عبید نے تفصیلی بحث کے بعد اسی مسلک کو ترجیح دی ہے۔[۵۱] البتہ بعض فقہاء کے نزدیک جب قرض واپس مل جائے تو گذشتہ تمام سالوں کی زکوٰۃ یکجا ادا کرنی ہوگی، سال بہ سال ادا کرنا ضروری نہیں۔ یہ حضرت علی، ابو ثور، سفیان ثوری اور احناف کا مسلک ہے۔ "اگر قرض کی واپسی مشتبہ ہو تو اس بارے میں ہمارے نزدیک یہ قول راجح ہے کہ جب رقم واپس ملے تو اس وقت صرف ایک سال کی زکوٰۃ نکالی جائے۔ یہ حضرت عمر بن عبدالعزیز، حسن، لیث، اوزاعی اور امام مالک کا قول ہے۔ اور اس میں بیت المال اور صاحب مال دونوں کے مفاد کی منصفانہ رعایت پائی جاتی ہے۔[۵۲]"

"لیے ہوئے قرضے اگر ذاتی حوائج کے لیے لیے گئے ہوں اور خرچ ہو جائیں تو ان پر کوئی زکوٰۃ نہیں۔ اگر قرض لینے والا سال بھر تک ان کو رکھے رہے اور وہ بقدر نصاب ہوں تو ان پر زکوٰۃ ہے۔ اور اگر ان کو تجارت میں لگا یا جائے تو وہ قرض لینے والے کا تجارتی سرمایہ شمار ہوں گے اور اس کی تجارتی زکوٰۃ وصول کرتے وقت اس کے ایسے قرضوں کو مستثنیٰ نہ کیا جائے گا۔[۵۳]"

ایسی صورت میں قرض دینے والے سے اس مال کی زکوٰۃ نہیں لی جائے گی۔

آج کل اصحاب دولت اپنے مال کا ایک حصہ بانڈ اور تمسکات (سیکوریٹیز Securities) کی شکل میں بھی رکھتے ہیں۔ سرکاری بانڈ کی حیثیت اگر صرف ریاست کو دیے ہوئے قرض کی ہے تو اس کی قانونی حیثیت قابل واپسی

---

۵۱ : کتاب الاموال صفحہ ۴۳۰ تا ۴۳۷۔ بالخصوص صفحہ ۴۳۴

۵۲ : سید ابوالاعلیٰ مودودی : رسائل و مسائل جلد ۲ صفحہ ۱۲۹

۵۳ : " " " : نیز ملاحظہ ہو ابو عبید

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرضے کی ہو گی[1]۔ سیکورٹیز کی ملکیت سے اگر مالک کو کسی نفع کی توقع ہے تو اس کی نوعیت تجارتی سرمایہ کی ہے، جس پر تفصیلی گفتگو آگے کی گئی ہے۔

۳۔ تجارتی حصص اور اموالِ تجارت:

تجارتی حصص کی اصل نوعیت مالِ تجارت کی ہے، اور ان کی قیمت پر بھی زکوٰۃ واجب ہے۔ زکوٰۃ ادا کرتے وقت کسی حصّہ کا بازار میں جو نرخ ہو وہ معتبر ہوگا نہ کہ وُہ قیمت جس پر مالک نے اس حصّے کو خریدا تھا۔ یہی نوعیت دُوسرے تمسّکات (Securities) کی بھی ہے۔ جو ہر وقت فروخت کر کے نقد میں تبدیل کیے جا سکتے ہیں۔ لیکن مالک پر ان تجارتی حصص کی زکوٰۃ اسی حالت میں واجب ہے جب وہ کمپنیاں یا کاروباری ادارے، جن کے یہ حصے ہیں، خود اپنی جملہ قابلِ زکوٰۃ املاک کی زکوٰۃ نہ ادا کر رہے ہوں۔

تمام اموالِ تجارت پر بلا استثنا ½ ۲ فی صدی سالانہ کی شرح سے زکوٰۃ لی جائے گی۔ بشرطیکہ تاجر کا مجموعی مال اور نقد سرمایہ ملا کر چاندی کے نصاب کے بقدر ہو۔ اس بات پر تمام فقہا متفق ہیں۔ اس ذیل میں ہر وہ مال آ جاتا ہے جو سامانِ تجارت کی حیثیت اختیار کرے۔ مشینیں اور آلاتِ پیدائش سامانِ تجارت کے طور پر برائے فروخت ہوں تو ان پر بھی زکوٰۃ عائد ہو گی۔ اسی طرح تمام سامانِ سرمایہ (Capital Goods) جو برائے فروخت ہوں قابلِ زکوٰۃ ہیں۔ اس میں وہ زمینیں اور مکانات بھی شامل ہیں جو سامانِ تجارت کے طور پر برائے فروخت کسی تاجر کی

---

[1]: موجودہ حالات میں زمینداری بانڈ کی حیثیت اس سے مختلف ہے، وہ ایک ایسی رقم کی سند ہے جو ابھی مالک کے قبضہ ہی میں نہیں آئی ہے، نہ اس نے اس رقم کو برضا و رغبت قرض دیا ہے۔ البتہ چونکہ یہ بانڈ بازار میں فروخت کیے جا سکتے ہیں لہٰذا ان کی موجودہ مالیت کے حساب سے ان کی زکوٰۃ ادا کرنی ضروری ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ملکیت میں ہوں۔ اس کے علاوہ تمام اشیاء صرف جو سامانِ تجارت کے طور پر ہوں قابلِ زکوٰۃ ہیں۔ ہر طرح کے جانور اور مواشی۔ غلّے، کپاس، تلھن اور دُوسری زرعی اجناس دُودھ، گھی، انڈے وغیرہ، مچھلیاں، پھل، پھُول، سبزیاں اور کھانے پینے یا روزمرّہ استعمال کی دوسری چیزیں مثلاً کپڑے، جُوتے، اسٹیشنری وغیرہ جب سامانِ تجارت کی حیثیت میں ہوں تو ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

مالِ تجارت پر بھی زکوٰۃ اسی شکل میں واجب ہوگی جب تاجر سال کے شروع اور آخر میں صاحبِ نصاب ہو۔ تاجر، کاروباری ادارہ یا کارخانہ کی زکوٰۃ کا حساب لگاتے وقت ان کے موجودہ نقد سرمایہ، بینکوں میں جمع رقوم، قابلِ وصول قرضے، موجودہ خام مال، اور تیار شدہ مال کے اسٹاک، سب کی قیمتوں کو جمع کر کے مجموعہ پر ۲½ فی صدی زکوٰۃ وصول کی جائے گی۔ بعض کاروباری ادارے تجارتی حصص فروخت کر کے اپنا سرمایہ جمع کرتے ہیں اور مخصوص مشترکہ ملکیت کی نوعیت رکھتے ہیں۔ انتظامی سہولت اور بیت المال کے مصالح کے پیشِ نظر بہتر طریقہ یہ ہوگا کہ مشترکہ تجارتی اور کاروباری اداروں میں لگے ہُوئے سرمایہ پر زکوٰۃ خود اس ادارے سے وصول کی جائے، جس کا طریقہ اُوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ کمپنیاں جو زکوٰۃ ادا کریں اُسے اپنے حصص پر ان کی قیمتوں کی نسبت سے تقسیم کر دیں اور ان حصص کے حق میں جو منافع آیا ہو اُس میں سے وضع کرلیں۔ اس کے بعد اس کی ضرورت نہ رہ جائے گی کہ ان حصص کے مالک بھی بطورِ خود ان کی زکوٰۃ ادا کریں۔

پھل، سبزی، اور دوسری غیر دیرپا اشیا کا کاروبار کرنے والوں کی مالیت کا اندازہ اس مجموعی سرمایہ سے لگایا جائے گا جو اس کاروبار میں لگا ہوا ہو۔ جن شکلوں میں کاروبار کی مالیت کا اندازہ عام طریقوں سے نہ لگایا جا سکتا ہو تو ان میں کاروبار کے سالانہ نفع کی بنیاد پر ان کی مجموعی مالیت معلوم کرنے کے رائج الوقت طریقوں سے کام لیا جا سکتا ہے۔

۔ کرایہ پر دیے جانے والے مکانوں اور دکانوں کے مالک پر اپنی، ان املاک کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زکوٰۃ نہیں واجب ہے۔ کیونکہ شریعت نے ان کو قابلِ زکوٰۃ اشیاء میں نہیں شمار کیا ہے، نہ سلف سے ان پر زکوٰۃ کا ثبوت ملتا ہے۔ دوسری اشیاء مثلاً سامانِ استعمال، سواری گاڑیاں۔ ٹیکسی، ٹرک، رکشا ـــــ وغیرہ کو کرایہ پر چلانے کا کاروبار کرنے والے کا مسئلہ قابلِ غور ہے۔ ان اشیاء کی حیثیت عرفِ عام میں اموالِ تجارت کی نہیں ہے کہ ان پر مالِ تجارت کی زکوٰۃ عائد کی جائے۔ سلف سے کرایہ پر چلائی جانے والی اشیاء پر زکوٰۃ کا ثبوت بھی نہیں ملتا۔ اور فتویٰ بھی یہی ہے کہ اگر کوئی شخص دیگیں یا بوریاں وغیرہ کرایہ پر دینے کا کاروبار کرتا ہو تو ان اشیاء پر زکوٰۃ نہیں واجب ہوگی[۵۱]۔ لیکن آج کل کرایہ پر چیزیں دینے کا کاروبار بہت وسیع ہو چکا ہے اور یہ بھی تجارت کے دوسرے معروف طریقوں کی طرح نفع آور کاروبار کا ایک طریقہ ہے۔ تجارت اشیاء کی فروخت پر مبنی ہے اور یہ کاروبار اشیاء کے منافع یا فوائدِ استعمال کی فروخت پر۔ ایسی صورت میں یہ بات قابلِ غور ہے کہ کیا ہر طرح کے کاروبار کے ساتھ یکساں سلوک کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ اشیاء کو کرایہ پر چلانے کا کاروبار کرنے والوں کے کاروبار کی مالیت مشخص کر کے ان سے اس مالیت پر زکوٰۃ وصول کی جائے[۵۲]۔

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ وہ مشینیں اور آلاتِ پیدائش جو کارخانوں میں زیرِ استعمال ہوں زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار پائیں گے[۵۳]۔ دکان یا کارخانہ کی عمارت بھی قابلِ زکوٰۃ نہیں ہے۔ اسی طرح زراعت میں استعمال ہونے والی مشینیں مثلاً ٹریکٹر وغیرہ یا جانور مثلاً بیل بھینس[۵۴] وغیرہ قابلِ زکوٰۃ مال میں نہیں شامل ہیں۔ تاجروں کے فرنیچر، اسٹیشنری،

---

۵۱ : فتاویٰ عالمگیری۔ جلد ۱ صفحہ ۱۷۷۔ مطبع نولکشور ۱۲۹۱ھ اور فخر الدین حسن بن منصور الاوزجندی: فتاویٰ قاضی خاں (علی الہامش الفتاویٰ الہندیہ) جلد ۱ صفحہ ۲۵۰۔ طبع بولاق ۱۳۱۰ھ

۵۲ : ہم اس پیچیدہ مسئلہ میں کوئی رائے قائم کرنے سے قاصر ہیں لیکن اس مسئلہ پر ایک رائے کے لیے ملاحظہ ہو سید ابوالاعلیٰ مودودی: رسائل و مسائل جلد ۴ صفحہ ۱۴۴ ترجمان القرآن۔ لاہور جلد ۵۹۔ عدد ۵ (فروری ۱۹۶۳ء)

۵۳ : الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد ۱ صفحہ ۵۹۶

۵۴ : ابو عبید: کتاب الاموال صفحہ ۳۷۵ - ۳۸۱

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اس نوعیت کے دُوسرے سامان جو کسی تاجر کے مالِ تجارت میں شامل نہ ہوں زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار پائیں گے۔ یہی حکم ان دیرپا اشیاءِ صرف (Durable consumers goods) کا ہے جو کسی فرد کے گھر میں زیرِ استعمال (فرنیچر، ملازمی کی مشین، کپڑے دھونے کی مشین، ریفریجریٹر اور برتن وغیرہ اشیاءِ استعمال اور گھر کے دُوسرے اثاثہ پر زکوٰۃ نہیں عائد ہوتی۔

جو معدنی اشیاء برائے تجارت ہوں ان پر مالِ تجارت کی زکوٰۃ یعنی ۲ ½ فی صدی سالانہ زکوٰۃ وصول کی جائے گی۔ سطحِ زمین کے اُوپر پائے جانے والے معدنی ذخائر کے مسئلہ پر اوپر گفتگو کی جاچکی ہے۔ البتہ ان میں سے کوئی چیز مالِ تجارت کی حیثیت اختیار کرلے تو اس پر مالِ تجارت کی زکوٰۃ عائد ہوگی۔ زمین کے اندر چھپی ہوئی کانیں جب افراد کی تحویل میں ہوں تو ان سے نکلنے والی دولت پر زکوٰۃ وصول کی جائے گی۔ البتہ مختلف مکاتبِ فقہ کے نزدیک قابلِ زکوٰۃ معدنیات کی فہرست مختلف ہے جس کا مطالعہ متعلقہ مآخذ کی مدد سے کیا جا سکتا ہے[1]

وُہ اموال جن کا عمّالِ حکومت جائزہ لے سکتے ہیں (یعنی مالِ ظاہر) ان کی زکوٰۃ حکومت اپنی تحقیق کے مطابق وصول کرے گی۔ مثلاً مویشی، زرعی پیداوار اور بینکوں میں جمع سرمایہ[2]۔ لیکن جن اموال کی مقدار کی براہِ راست تحقیق عمّالِ حکومت کے لیے دشوار ہو (یعنی مالِ باطن) ان کی مقدار کے بارے میں مالک کے بیان پر اعتماد کیا جائے گا، مثلاً زیورات۔ نقد سرمایہ جو مالک کے پاس ہو اور مالِ تجارت[3]۔

---

[1] : الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد ا صفحہ ۶۱۲ - ۶۱۶

[2] : ماوردی : الاحکام السلطانیہ باب ۱۱ نیز زرعی پیداوار و مویشی کے سلسلہ میں ملاحظہ ہو۔ ابوعبید کتاب الاموال صفحہ ۵۱۱۔ بینکوں میں جمع سرمایہ کو بھی انہی پر قیاس کرتے ہوئے مالِ ظاہر شمار کیا جائے گا (ملاحظہ ہو ابوالاعلیٰ مودودی : رسائل و مسائل جلد ۲ صفحہ ۱۴۴)

[3] : بڑے پیمانہ کا تجارتی کاروبار کرنے والے اداروں کے مال کو مالِ ظاہر قرار دینا زیادہ مناسب ہوگا۔ اور یہی طریقہ ان تمام تاجروں کے سلسلہ میں اختیار کیا جاسکتا ہے جو اپنا مال معروف جگہوں پر رکھتے ہوں جن کا بآسانی معاینہ کیا جا سکتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے محصلین چنگی کو حکم دیا تھا کہ مسلمان تاجروں سے اُس مال کی سالانہ زکوٰۃ مال کے معاینہ کے بعد وصول کریں جو ان کے پاس سے لے کر گذریں۔ نیز ملاحظہ ہو۔ جصاص : احکام القرآن جلد ۳ صفحہ ۱۵۵

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۴- زرعی پیداوار:

عشر یعنی پیداوار کا دسواں حصہ مسلمانوں کی ان زرعی پیداواروں سے لیا جائے گا۔ جو بارش کے پانی سے سیراب ہوئی ہوں یا جن کی سینچائی تالاب، چشمہ، دریا یا نہروں کے ذریعہ اس طور پر کی گئی ہو کہ کاشت کار کو اس پر نہ تو قابلِ لحاظ مصارف اٹھانے پڑے ہوں نہ کوئی خاص محنت کرنی پڑی ہو۔ مثلاً اُسے صرف اتنا کرنا پڑا ہو کہ دریا یا نہر سے ایک نالی کے ذریعہ پانی اپنے کھیت تک لے آئے۔ خلفائے راشدین کے زمانہ میں جب آبپاشی کے لیے نہریں تعمیر کرائی گئیں تو ان سے پانی حاصل کرنے پر کوئی محصول نہیں وصول کیا گیا۔ اس لیے ایسی نہروں سے سینچی جانے والی زمینوں کی پیداوار پر بھی عشر عائد کیا گیا۔ ان تمام شکلوں میں پیداوار کی زکوٰۃ کل پیداوار کا دسواں حصہ ہوگی اور یہ زکوٰۃ فصل کٹنے پر وصول کی جائے گی۔

جب پیدا کنندہ نے زمین کو اپنی محنت سے سیراب کیا ہو تو زکوٰۃ کی شرح ۵ فی صدی ہوگی۔ یعنی کل پیداوار کا بیسواں حصہ (نصف عُشر) وصول کیا جائے گا۔ کوئیں سے پانی کھینچ کر سینچائی کرنے یا اپنے مصارف سے ٹیوب ول تعمیر کرکے سینچائی کرنے کی شکل میں نصف عشر واجب ہوگا۔ قیاس چاہتا ہے کہ اگر سینچائی نہر کے پانی سے ہوئی ہو اور کاشتکار نے اس کے حاصل کرنے کے لیے آبیانہ (Water Tax) کے طور پر ایک قابلِ لحاظ رقم ادا کی ہو تو اس سے بھی نصف عشر وصول کیا جائے[1]

ہماری رائے میں شریعت کے اصولوں اور عملی مصالح دونوں کے اعتبار سے بہتر یہ ہوگا کہ اسلامی ریاست سینچائی کے لیے نہریں تعمیر کرائے لیکن پانی کا محصول نہ وصول کرے۔ اگر ریاست آبیانہ وصول کرتی ہو تو اُسے نصف عشر وصول کرنا چاہیے اور اگر نہروں کا پانی مفت دیا جاتا ہو تو پیداوار کا دسواں حصہ وصول کرنا چاہیے۔

---

[1] : اسلام کا زرعی نظام، میں محمد تقی امینی صاحب نے بھی یہی رائے ظاہر کی ہے۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۲۰۷۔ طبع ندوۃ المصنفین۔ دہلی ۱۹۵۵ء

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زرعی پیداوار کی زکوٰۃ سے متعلق مذکورہ بالا بنیادی امور سنتِ نبوی اور خلفائے راشدین کے تعامل کی روشنی میں واضح طور پر ثابت ہیں اور ان پر تمام فقہا کا اتفاق ہے[1]۔ اختلاف صرف تین باتوں میں ہے۔

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ عشر ہر مسلمان کی پیداوار پر واجب ہے، یا ان زمینوں کی پیداوار اس سے مستثنیٰ ہے جو اصلاً خراجی ہوں۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ زکوٰۃ ہر طرح کی پیداوار — غلہ جات، پھل پھول، میوہ جات سبزیوں، کپاس، تلہن وغیرہ — پر واجب ہے یا بعض پیداوار اس سے مستثنیٰ ہیں۔

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ وجوبِ زکوٰۃ کے لیے زرعی پیداوار میں بھی کسی مقدارِ نصاب کا لحاظ کیا جائے گا جس سے کم پر زکوٰۃ نہیں واجب ہوگی یا زکوٰۃ بلا لحاظِ مقدار ہر پیداوار پر عائد ہوتی ہے۔

پہلے مسئلہ میں قابلِ ترجیح رائے یہ ہے کہ عشر یا نصف عشر ہر مسلمان کی پیداوار پر واجب ہے۔ قطع نظر اس سے کہ اس کی زمین خراجی ہے یا عشری[2]۔ جیسا کہ ابو عبید نے واضح کر دیا ہے[3]۔ قرآن و سنّت سے یہی ثابت ہے کہ ہر مسلمان کو اپنی زرعی

---

[1]: ابو عبید: کتاب الاموال صفحہ ۴۷۶ تا ۴۷۹، الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد ا صفحہ ۶۱۶ تا ۶۲۰۔

[2]: عشری زمینیں وہ ہیں جن کے مالک ان پر قابض رہتے ہوئے اسلام لائے ہوں (بغیر جنگ کے) یا جن کو امام نے غنیمت میں حصہ کے طور پر کسی فرد کی ملکیت میں دیا ہو، یا جو پہلے افتادہ (موات) رہی ہوں مگر اب احیا کے ذریعہ یا امام کے بطور جاگیر عطا کرنے پر کوئی فرد ان کا مالک ہوا ہو۔ ان زمینوں کی پیداوار میں سے عشر یا نصف عشر واجب ہے (ابو عبید صفحہ ۵۱۲ - ۵۱۳)

خراجی زمینیں وہ ہیں جن کے غیر مسلم مالکوں سے صلح کر لی گئی ہو یا جن کو بزورِ قوت فتح کرنے کے بعد امام نے ان کے سابق مالکوں کے قبضہ میں رہنے دیا ہو۔ ان زمینوں پر ان شرحوں کے مطابق محصول (خراج) وصول کیا جائے گا جو ازروئے معاہدہ طے پائی ہوں یا جو امام نے مقرر کر دی ہوں (ابو عبید: کتاب الاموال۔ صفحہ ۵۵ اور ۹۰) نیز ملاحظہ ہو ابو یوسف کتاب الخراج۔

[3]: کتاب الاموال صفحہ ۸۰ تا ۸۹۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پیداوار کی زکوٰۃ ادا کرنی چاہیے۔ خلفائے راشدین اور حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اسی اصول پر عمل کیا ہے۔ انہوں نے ہر مسلمان سے زرعی پیداوار کی زکوٰۃ وصول کی ہے۔ امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، اوزاعی، لیث، اور ابو یعلیٰ کا مسلک بھی یہی ہے۔ اسی اصول پر عمل میں انتظامی سہولتیں بھی ہیں۔ صرف احناف کو اس مسلک سے اختلاف ہے۔[1] اس موضوع پر تفصیلی بحث کے لیے مختلف مکاتبِ فقہ کے مستند مآخذ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

دوسرے مسئلہ میں احناف کے نزدیک گھاس پھونس اور نرکل کے سوا زمین سے پیدا ہونے والی تمام کارآمد چیزوں — غلے، جوٹ اور کپاس، تلہن، پھل پھول اور سبزیاں گنے، زعفران، سب پر زکوٰۃ وصول کی جائے گی۔ مالکیہ کے نزدیک بھی قابلِ زکوٰۃ اجناس کی فہرست تقریباً اتنی ہی طویل ہے۔ حنابلہ کے نزدیک ہر قابلِ ذخیرہ زرعی پیداوار قابلِ زکوٰۃ ہے۔ مگر شوافع کے نزدیک صرف وہ قابلِ ذخیرہ اجناس قابلِ زکوٰۃ ہیں جو غذائی اغراض کے لیے استعمال کی جاتی ہوں۔[2]

تیسرے مسئلہ میں احناف کے نزدیک زرعی پیداوار کا کوئی نصاب نہیں، پیداوار کم ہو یا زیادہ اس میں سے زکوٰۃ وصول کی جائے گی۔ بقیہ سارے ائمہ کے نزدیک زرعی پیداوار کا نصاب ۵ وسق جو ہمارے وزن کے اعتبار سے تقریباً ۱۷ ½ من یا ۱۶ ½ کوئنٹل کے برابر ہوتا ہے۔[3] متعدد مستند احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پیداوار ۵ وسق سے کم ہو تو اس پر زکوٰۃ نہیں واجب ہوتی۔ احناف نے اُس آیت اور اُن احادیث سے

---

[1]: احناف کے دلائل کے لیے ملاحظہ ہو۔ ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص: احکام القرآن: جلد ۳ صفحہ ۱۱۵ مطبع سلفیہ قاہرہ - ۱۳۳۵ھ۔

[2]: الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد ۱ صفحہ ۶۱۵ - ۶۲۰

[3]: وسق کی مقدار کی تحقیق میں خاصا اختلاف ہے۔ مختلف رایوں کے مطابق ۵ وسق تقریباً ۱۹ من یا ۲۳ من یا ۲۶ من کے برابر ہے بعض تحقیقی رایوں کے سلسلہ میں ملاحظہ ہو: اسلام کا نظامِ محاصل۔ ترجمہ کتاب الخراج صفحہ ۹۹۔ مکتبہ چراغ راہ کراچی - ۱۹۶۶ء

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

استدلال کیا ہے جن میں بالکل عام انداز میں ہر پیداوار پر زکوٰۃ کا ذکر آیا ہے۔ تفصیلی بحث کے لیے فقہ کی کتابوں کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ ہماری رائے میں عقل اور نقل دونوں کا تقاضا ہے کہ زرعی پیداوار پر زکوٰۃ عائد کرنے کے سلسلہ میں بھی ایک قدرِ نصاب ملحوظ رکھی جائے، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کیونکہ شریعت نے دوسرے اموال میں زکوٰۃ عائد کرنے میں نصاب کا لحاظ رکھا ہے۔ اس کی ایک مصلحت یہ ہے کہ نصاب سے کم مال کا مالک خود اس مال کا اتنا ضرورت مند ہوتا ہے کہ اس سے اس کا ایک حصّہ دُوسرے ضرورت مندوں کے لیے لینا مناسب نہ ہوگا۔ اصولی طور پر بھی زکوٰۃ اغنیاء سے وصول کی جاتی ہے۔ اور نصاب سے کم مال کا مالک غنی نہیں ہوتا۔ جس کاشت کار کی مجموعی پیداوار ۲۶ من سے بھی کم ہو وہ نہ تو غنی ہے نہ یہ پیداوار اس کی ضرورت سے زیادہ ہے۔ جیسا کہ ابنِ رُشد نے لکھا ہے۔ اس مسئلہ میں احناف کا استدلال شرعی طور پر بھی کمزور ہے۔[۱]

عشر یا نصف عشر کا حساب لگاتے وقت پیداوار پر آنے والے مصارف مثلاً بیج کی قیمت، زمین کا لگان، فصل کی حفاظت اور کٹائی، دنوائی وغیرہ پر آنے والے مصارف، مزدوروں کی مزدوری وغیرہ کو منہا نہیں کیا جائے گا بلکہ پوری پیداوار کا دسواں یا بیسواں حصّہ لیا جائے گا۔[۲]

۵۔ جانوروں کی زکوٰۃ:

جو جانور افزائشِ نسل کے لیے رکھے جائیں اور ان کی پرورش زیادہ تر قدرتی چراگاہوں کی گھاس اور پودوں سے ہوتی ہو نہ کہ خریدے ہوئے کھلی یا بھوسے سے ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ بشرطیکہ ان کی تعداد نصاب سے زیادہ ہو۔ اونٹ کا نصاب پانچ،[۵] گائے، بیل اور بھینس کا تیس،[۳۰] بھیڑ، بکری اور دُنبہ کا چالیس[۴۰] ہے۔

---

۱ : بدایۃ المجتہد جلد ۱ صفحہ ۲۶۶

۲ : ابو یوسف: کتاب الخراج صفحہ ۶۲، ابن عابدین شامی: ردّ المختار جلد ۲ صفحہ ۵۱

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تعداد اس سے کم ہو تو کوئی زکوٰۃ نہیں واجب ہو گی۔ پانچ اونٹوں پر ایک بکری، تیس گائے بیل یا بھینس پر ایک گائے، اور چالیس بکریوں پر ایک بکری بطور زکوٰۃ وصول کی جائے گی۔ تعداد نصاب سے زیادہ ہو تو زکوٰۃ کا حساب کس طریقہ سے لگایا جائے گا، اور زکوٰۃ میں دیے جانے والے جانور کیسے ہونے چاہئیں، نیز دوسری تفصیلات کے مطالعہ کے لیے متعلقہ مآخذ کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے[۵۱]۔

مالکی مکتب فقہ کے نزدیک زکوٰۃ واجب ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ جانور قدرتی چارے پر مفت پرورش پائیں (یعنی سائمہ ہوں) بھوسہ یا چارہ خرید کر کھلائے جانے والے جانوروں (یعنی معلوفہ) پر بھی زکوٰۃ عائد ہو گی[۵۲]۔

کوئی شخص اپنے ذاتی استعمال کے لیے، زراعت میں استعمال کے لیے، یا نقل و حمل میں کام لینے کے لیے جانور رکھے تو ان جانوروں پر زکوٰۃ نہیں عائد ہو گی۔ البتہ مالکی فقہ کے مطابق محنت کش جانوروں پر بھی زکوٰۃ واجب ہے[۵۳]۔

مذکورہ بالا جانور اگر تجارت کے لیے رکھے جائیں تو ان پر مالِ تجارت کی زکوٰۃ عائد ہو گی، خواہ ان کی پرورش کا طریقہ جو بھی ہو۔ گھوڑے، خچر وغیرہ دوسرے جانوروں پر زکوٰۃ نہیں، اِلّا یہ کہ وہ مالِ تجارت کے طور پر رکھے جائیں۔ اس صورت میں ان پر مالِ تجارت کی زکوٰۃ عائد ہو گی[۵۴]۔

اُوپر بتایا جا چکا ہے کہ مالِ تجارت کی زکوٰۃ کی شرح ڈھائی (۲½) فی صدی ہے۔ جانوروں کی زکوٰۃ صرف اونٹ، گائے، بیل، بھینس، بھیڑ، بکری اور دُنبہ پر عائد ہوتی ہے۔

۵۱: الفقہ علی المذاہب الاربعہ۔ جلد ۱ صفحہ ۵۹۶، ۵۹۷۔ اردو میں سیرۃ النبی، مصنفہ سید سلیمان ندوی جلد ۵۔ صفحہ ۱۶۵ تا ۱۶۷

۵۲: الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد ۱ صفحہ ۵۹۶

۵۳: 〃 〃 〃 〃 〃

۵۴: 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۶۔ دفینے کی زکوٰۃ :

زمین میں جو مدفون خزانے دریافت ہوں ان کے ملتے ہی ان کا پانچواں حصّہ (خمس) زکوٰۃ کے طور پر وصول کر لیا جائے گا۔ بشرطیکہ یہ یقینی طور پر معلوم ہو کہ دفینہ اسلامی دور سے پہلے کا مال ہے[1]۔ جن دفینوں کے مال پر اسلامی حکومت یا مسلمانوں کی حکومت کی علامت پائی جائے، وہ لُقطہ قرار پائیں گے جس کے بارے میں ... گفتگو کی جائے گی۔ جن دفینوں پر کوئی واضح علامت موجود نہ ہو ان کو بھی ایسے ممالک میں جہاں اسلامی عہد ماضی میں کافی طویل عرصہ پر پھیلا ہوا ہو (مثلاً مشرقِ وسطیٰ، ہندو پاکستان، انڈونیشیا وغیرہ) اسلامی عہد کا دفینہ قرار دیا جائے گا۔ اس اصول کی رُو سے ہندوستان یا پاکستان میں کسی دفینہ کو رکاز یعنی زمانۂ قبل اسلام کا دفینہ اُسی وقت قرار دیا جائے گا جبکہ اس پر برطانوی دورِ حکومت یا پھر مسلم دورِ حکومت سے پہلے کی علامتیں موجود ہوں۔

رکاز کی زکوٰۃ کی شرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرما دی ہے۔ فرمایا ہے:

فی الرکاز الخمس[2] ۔ "رکاز" میں پانچواں حصّہ واجب ہے۔

مسلمانوں کے مختلف قسم کے اموال پر عائد ہونے والی زکوٰۃ کے اس اجمالی جائزہ سے یہ واضح ہے کہ روزمرّہ استعمال کی اشیاء، رہائشی مکانات، فرنیچر، استعمالی کار، ڈیوٹی، محنت کش جانوروں اور آلاتِ پیدائش وغیرہ کو چھوڑ کر باقی ہر طرح کے مال پر زکوٰۃ عائد کی گئی ہے۔ اس ضمن میں اموالِ تجارت کی زکوٰۃ کافی اہمیت رکھتی ہے کیونکہ اس کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ نقد سرمایہ، اموالِ تجارت اور زرعی پیداواروں کی زکوٰۃ سے ملک کی دولت کا ایک متعین حصّہ ہر سال ریاست کو منتقل ہو جائے گا۔ اس

---

[1]: الفقہ علی المذاہب الاربعہ، جلد ۱، صفحہ ۶۱۲، ۶۱۳

[2]: متفق علیہ۔ ابو عبید: کتاب الاموال، صفحہ ۳۳۶

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ضمن میں یہ امر بھی قابلِ لحاظ ہے کہ اموالِ تجارت اور زرعی پیداوار کا نصاب اتنا کم ہے کہ بہت کم تاجر، یا کاشت کار زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہوں گے۔ اسی طرح نقد سرمایہ کا نصاب بھی اتنا کم ہے کہ ہر ملک کے افراد کی ایک معتدبہ تعداد اس قابل قرار پائے گی کہ ان سے زکوٰۃ وصول کی جائے۔ البتہ گمان غالب یہ ہے کہ پسماندہ ممالک میں مزدور اور عام محنت کش طبقہ کی غالب اکثریت، اور کم تنخواہ پانے والے ملازمین میں سے اکثر لوگ زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہیں گے کیونکہ نصاب زکوٰۃ کا تعلق پس انداز کی ہوئی رقم سے ہے نہ کہ کسی شخص کے معیارِ زندگی سے۔

(ھ) جزیہ، خراج اور غیر مسلم شہریوں سے حاصل ہونے والے دوسرے محاصل

جزیہ اور خراج دو ایسے محاصل ہیں جن کا تعلق اصلاً اسلامی ریاست کے اُن غیر مسلم شہریوں سے ہے جنھیں فقہ میں 'ذمّی' کہا گیا ہے۔ 'ذمّی' ان غیر مسلم شہریوں کا نام ہے جو اسلامی قوت سے کشمکش اور جنگ کے بعد مغلوب ہو کر بادلِ ناخواستہ اسلامی اقتدار کے تحت آ گئے ہوں۔ ان کے برعکس وہ غیر مسلم شہری جو کسی پُر امن معاہدہ کے ذریعہ اسلامی ریاست کے زیرِ اقتدار آنے پر راضی ہُوئے ہوں۔ ان کو "معاہد" کہا جاتا ہے[۱]۔ مُعاہد غیر مسلموں پر محاصل ان اصولوں کے مطابق عائد کیے جائیں گے جو از رُوئے معاہدہ طے پائے ہوں۔ مثلاً آج کل پاکستان کے غیر مسلم شہریوں کی حیثیت معاہد غیر مسلموں کی ہے اور ان پر اسلامی ریاست کو وہی محاصل عائد کرنے چاہئیں جن پر وُہ راضی ہوں۔ بعض محققین کے نزدیک ان کے سلسلہ میں بہترین پالیسی یہ ہو گی کہ اگر وہ اس شرعی نظامِ محاصل پر راضی ہوں جس کا ذکر اُوپر

---

[۱]: تفصیلی بحث کے لیے ملاحظہ ہو: مولانا امین احسن اصلاحی: اسلامی ریاست: غیر مسلموں کے حقوق صفحہ ۱۰۔ ۱۱۔ مکتبہ جماعت اسلامی لاہور۔ ۱۹۵۰ء

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گذر چکا ہے تو ان پر بھی یہی محاصل عائد کیے جائیں اور وہ بھی ان محاصل کی برکتوں ـــــ اجتماعی کفالتِ عامہ کے ہمہ گیر نظام ـــــ سے اسی طرح مستفید ہوں جس طرح مسلمان شہری مستفید ہوں گے[۵۱]۔ اگر غیر مسلم آبادی کی رائے عامہ اس تجویز کے حق میں ہو تو بلا شبہ ایسا کیا جا سکتا ہے۔ بصورتِ دیگر حکومت کو وہ طریقہ اختیار کرنا چاہیے جسے رائے عامہ کی تائید حاصل ہو اور جو ملکی مفاد کے لحاظ سے بھی مناسب ہو۔

ا۔ جزیہ :

"ذمیوں سے ان کی جان و مال کی حفاظت کا ایک ٹیکس وصول کیا جائے گا جس کو جزیہ کہتے ہیں۔ یہ جزیہ صرف ایسے مردوں پر لگایا جائے گا جو فوجی خدمت کے قابل ہوں۔ عورتیں اور بچے اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اسی طرح بوڑھے، مسکین اور غریب اور وہ اندھے، لنگڑے اور اپاہج بھی مستثنیٰ ہیں جو مال نہیں رکھتے۔ نادار مذہبی پیشواؤں کو بھی اس سے مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ یہ ٹیکس اشخاص کی حیثیت کے لحاظ سے لگایا جائے گا[۵۲]۔ جزیہ فوجی خدمت سے استثنا کے سبب اور جان و مال کے تحفظ کے لیے وصول کیا جاتا ہے۔ اگر ذمی غیر مسلم بھی فوجی خدمت کے لیے آمادہ ہوں اور ریاست ان پر اعتماد کر سکتی ہو، تو ان کو جزیہ سے بری کیا جا سکتا ہے[۵۳]۔

۵۱: مولانا امین احسن اصلاحی۔ بحوالہ بالا صفحہ ۵۰۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے نزدیک بھی پاکستان کے غیر مسلموں پر جزیہ عائد کرنا شرعاً ضروری نہیں ہے۔ (ملاحظہ ہو رسالہ ترجمان القرآن (لاہور) جلد ۵۷۔ عدد ۱۔ صفحہ ۵۳ (اکتوبر ۱۹۶۱ء)

۵۲: امین احسن اصلاحی۔ اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے حقوق صفحہ ۳۰، جزیہ کی نوعیت سمجھنے کے لیے ملاحظہ ہو ڈاکٹر سعید رمضان کی تصنیف (Islamic Law Its Scope and Equity P. 118-128) P. R. MacMillan, London)

نیز سید ابوالاعلیٰ مودودی: اسلامی ریاست صفحہ ۱۴۳۔ اسلامک پبلیکیشنز۔ لاہور ۱۹۶۲ء

۵۳: ضیاء الدین الریس: الخراج فی الدولۃ الاسلامیہ صفحہ ۱۱۱

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مزید تفصیلات کا مطالعہ متعلقہ فقہی مآخذ کی مدد سے کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ خراج :

خراج اُس کرایہ کا نام ہے جو اسلامی ریاست اپنی مملوکہ زمین پر وصول کرتی ہے۔[۱] کرایہ دار کی حیثیت عام کرایہ داروں جیسی بھی ہو سکتی ہے اور موروثی کاشتکاروں جیسی بھی۔ جو غیر مسلم کاشت کار اپنی زمینوں کے مالک نہ ہوں بلکہ اسلامی ریاست کی مملوکہ زمین پر کرایہ دار یا موروثی کاشت کار کی حیثیت سے کاشت کر رہے ہوں ان سے حکومت اس زمین کا کرایہ وصول کرے گی جسے خراج کہا جاتا ہے۔ اس کرایہ کی کوئی شرح شریعت نے متعین نہیں کی ہے بلکہ مختلف زمانوں میں زمین کی کیفیت کے لحاظ سے حکومت خراج کی مختلف شرحیں طے کر سکتی ہے۔ البتہ اس شرح کی تعیین میں کاشتکار کی ضروریات اور زمین کی کیفیت کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

جو غیر مسلم فوجی کش مکش کے بعد اسلامی اقتدار کے تحت آئے ہوں ان کی زمینیں ان کی ملکیت نہیں رہ جاتیں بلکہ اسلامی ریاست کی ملکیت میں داخل ہو جاتی ہیں خراج کا تعلق اصلاً ایسی ہی زمینوں سے ہے۔[۲]

جو غیر مسلم پُرامن معاہدہ کے ذریعہ اسلامی ریاست کے زیر اقتدار آئے ہوں اور ریاست نے ان کو ان کی مملوکہ زمینوں کا مالک تسلیم کیا ہو وہ اپنی زمینوں کے مالک ہوتے ہیں، اور ان پر خراج اسی شکل میں عائد کیا جا سکتا ہے جبکہ ایسا کرنا از رُوئے معاہدہ طے کر لیا گیا ہو۔[۳] اگر پہلے سے کوئی بات نہ طے ہو تو اسلامی ریاست اپنے

---

[۱]: ضیاء الدین الریس: الخراج فی الدولۃ الاسلامیہ صفحہ ۱۵۶-۱۵۷

[۲]: ابو عبید: کتاب الاموال صفحہ ۶۸ و مابعد و صفحہ ۲۷۹، نیز مسئلہ پر تفصیلی بحث کے لیے ملاحظہ ہو ضیاء الدین الریس: الخراج فی الدولۃ الاسلامیہ صفحہ ۱۱۱ اور امین احسن اصلاحی۔ اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے حقوق صفحہ ۲۲

[۳]: یحییٰ ابن آدم: کتاب الخراج صفحہ ۵۴، ابو عبید: کتاب الاموال صفحہ ۱۴۳-۱۴۴

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معاہد غیر مسلم شہریوں کی رضامندی سے ان کی زرعی زمینوں پر مناسب محاصل عائد کر سکتی ہے، یا اگر وہ راضی ہوں تو ان سے بھی زرعی پیداواروں پر وہی محاصل وصول کر سکتی ہے جو مسلمان شہریوں سے وصول کیے جائیں گے۔[۵۱]

اسلامی ریاست کی جو زمینیں مسلمانوں کے پاس ہوں ان پر ان سے خراج وصول کرنے کا مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ یہ صورتِ حال عموماً اس طرح پیدا ہوتی ہے کہ کسی مسلمان نے کسی ذمّی غیر مسلم سے خراجی زمین خرید لی ہو۔ احناف کے نزدیک ان زمینوں پر بھی خراج عائد کیا جائے گا۔ مگر ان کی پیداوار عشر سے مستثنیٰ ہوگی۔ جیسا کہ ہم اوپر عرض کر چکے ہیں ہمارے نزدیک یہ رائے صحیح نہیں ہے۔ متعدد روایات سے یہ ثابت ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز خراجی زمین کے مسلمان مالکوں سے بیک وقت خراج اور عُشر دونوں وصول کرتے تھے، اور فرماتے تھے کہ "خراج زمین کا محصول ہے اور عُشر پیداوار کا حق ہے"۔[۵۲] امام مالک، اوزاعی، سفیان، عبداللہ ابنِ مبارک اور ابنِ ابی لیلیٰ کے نزدیک بھی خراجی زمینوں کے مسلمان کاشتکاروں سے عُشر اور خراج دونوں وصول کیا جائے گا۔ ابو عبید نے متعدد دلائل سے یہ واضح کیا ہے کہ عُشر اور خراج دونوں ایک ساتھ وصول کرنے میں کوئی تضاد نہیں۔ اور یہی طریقہ سنّت کے مطابق ہے۔ لیکن یحییٰ ابنِ آدم نے کتاب الخراج میں متعدد ایسی روایات بھی پیش کی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس زمین پر خراج وصول کیا جائے گا اس کی پیداوار پر عُشر نہیں عائد کیا جائے گا۔[۵۳] جصاص نے بھی اس کی متعدد نظیریں پیش کی ہیں کہ خراجی زمینوں پر صرف خراج ہی عائد کیا جاتا ہے۔[۵۴]

۵۱: امین احسن اصلاحی: اسلامی ریاست، غیر مسلموں کے حقوق، صفحہ ۵۰

۵۲: ابو عبید: کتاب الاموال۔ صفحہ ۸۸-۸۹

۵۳: ایضاً، نیز ملاحظہ ہو یحییٰ ابن آدم: کتاب الخراج صفحہ ۱۶۵-۱۶۶

۵۴: کتاب الخراج صفحہ ۱۶۷-۱۶۸

۵۵: جصاص: احکام القرآن جلد ۳ صفحہ ۱۵

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جن فقہاء کے نزدیک خراجی زمین کے مسلمان کاشت کار پر عُشر بھی واجب ہے وُہ اس بات کو بھی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کوئی عُشری زمین کرایہ پر لے کر اس میں کاشت کرے تو کاشتکار کو پیداوار میں سے عُشر ادا کرنا ہوگا، اور مالک کو طے شدہ کرایہ دینا ہوگا۔ کرایہ کی بناء پر نہ عشر معاف ہوگا، نہ اس کرایہ کے بقدر عُشر میں کمی کی جائے گی۔ لیکن امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس صورت میں عُشر کرایہ وصول کرنے والے مالکِ زمین پر واجب ہوگا نہ کہ کاشتکار پر۔

احناف کے اختلاف کا بنیادی سبب یہ ہے کہ وُہ خراج کو کرایہ اور خراجی زمینوں کو ریاست کی ملکیت نہیں سمجھتے، ان کی زمینوں کے مالک ان کے کاشتکار ہیں اور خراج کی نوعیت جزیہ کی طرح ایک محصول کی ہے۔ ہمارے نزدیک صحیح طریقہ یہ ہے کہ جن زمینوں کو کسی دور کی اسلامی ریاست نے اپنی ملکیت قرار دیا ہو، اور کوئی مسلمان فرد ان میں سے کسی زمین پر کاشت کرے وُہ ریاست کو کرایہ (خراج) بھی ادا کرے اور اس سے پیداوار کی زکوٰۃ بھی وصول کی جائے۔

(د) مُعاہدۂ بیع یا نشوونمائے ملکیت

ہر مالک کی طرح اسلامی ریاست کو بھی معاوضہ ادا کر کے املاک خریدنے کا حق حاصل ہے۔ سرکاری خزانہ سے جو سامان، زمینیں، عمارتیں وغیرہ خریدی جائیں گی وُہ ریاست کی ملکیت ہوں گی۔ اسی طرح ریاستی املاک کی نشوونما ——— درختوں کے پھل، جانوروں کی نسل وغیرہ ——— سے حاصل ہونے والی چیزیں بھی ریاست کی ملکیت کا ایک ذریعہ ہوں گی۔

لے : ابوعبید : کتاب الاموال صفحہ ۵۱۱

لے : جصاص : احکام القرآن جلد ۳ صفحہ ۱۵

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ز) کاروبار کے منافع

اسلامی ریاست کو اجتماعی مصالح کے تحت مختلف قسم کے نفع آور کاروبار کرنے کا بھی حق حاصل ہے۔ کاروبار سے حاصل ہونے والے منافع دورِ جدید کی ایک اسلامی ریاست کی ملکیت کا ایک اہم ذریعہ ہوں گے۔ اس موضوع پر قدرے تفصیلی گفتگو اگلے باب میں کی جائے گی۔

(ح) عطایا اور اوقاف

اسلامی ریاست کی ملکیت کا ایک ذریعہ اس کے افراد کے عطیے ہیں۔ ایک طرف [illegible] کی ہدایات کے مطابق اللہ کی راہ میں مال خرچ کریں گے [illegible] کاموں مثلاً دفاع اور جہاد فی سبیل اللہ، اشاعتِ اسلام اور دوسرے کارہائے خیر کے لیے اسلامی ریاست کو مالی مدد بہم پہنچاتے رہیں گے اور دوسری طرف بوقت ضرورت بھی ریاست افراد سے اپیل کر کے بھی مال جمع کر سکے گی۔ نقد رقوم کے علاوہ دوسرے مال و املاک بھی ہبہ، وصیت اور وقف کے ذریعہ ریاست کو منتقل ہو سکیں گی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے اور آپ نے معاشرہ کی معاشی تنظیم شروع کی تو سب سے اہم مسئلہ مکہ سے آنے والے مہاجرین کی آبادکاری کا تھا۔ مدینہ کے مسلمانوں نے بڑی فراخ دلی سے مدینہ کی تمام قابلِ تعمیر خالی زمینیں آپ کو پیش کر دیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ آپ چاہیں تو رہائشی مکانات بھی حاضر ہیں، مگر آپ نے ان مکانات کو لینا پسند نہیں کیا۔ آپ نے انصار کے دیے ہوئے قطعاتِ زمین، اور مدینہ کی افتادہ غیر مملوکہ زمینوں پر مہاجرین کو مکان بنانے اور آباد ہونے کا موقع دیا[1]۔

---

[1] : احمد بن جابر بن یحییٰ البلاذری: انساب الاشراف، جلد ا صفحہ ۲۷۰۔ دارالمعارف مصر ۱۹۵۹ء

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

افراد کی دی ہوئی امدادی رقوم، بالخصوص جہاد کے سلسلہ میں مال دار مسلمانوں کی پیش کی ہوئی بڑی بڑی رقموں، اور دُوسرے سامان کے ذکر سے تاریخ بھری پڑی ہے۔ ایسے مواقع پر عام مسلمانوں نے بھی حتی الوسع چیزیں اور نقد رقمیں پیش کی ہیں۔ ان عطیوں کے علاوہ غیر منقول املاک، کنوئیں، باغ وغیرہ کے وقف کرنے کا سلسلہ بھی عہدِ نبوی میں شروع[۱] ہُوا اور اس کے بعد برابر جاری رہا۔

اِسی ذیل میں اس بات کا ذکر بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی ریاست اپنی ضروریات کے لیے ہمدرد ممالک، افراد یا اداروں سے قرضے بھی لے سکتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا بھی ثبوت ملتا ہے۔ فتح مکہ کے بعد غزوہ حنین سے پہلے آپ نے تین مختلف افراد سے بہ حیثیتِ مجموعی ایک لاکھ تیس ہزار درہم قرض لیے تھے تاکہ اسلامی فوج کے مجاہدین کو قوت بہم پہنچا سکیں۔ آپ نے فتح ہوازن کے بعد یہ رقمیں ادا کر دیں[۲]۔

اسلامی ریاست بین الاقوامی اداروں یا خیر خواہ ممالک سے مالی امداد بھی قبول کر سکتی ہے۔ اسی طرح وُہ دوسرے ممالک کے مسلمان یا خیر خواہ غیر مسلم شہریوں کے عطیے بھی قبول کر سکتی ہے۔ جب تک اس طرح کی مالی امداد کے نتیجہ میں اسلام اور مسلمانوں کے مصالح کو کوئی نقصان نہ پہنچے ایسے عطیے قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ شریعت میں اس کے خلاف کوئی ہدایت نہیں ملتی۔

قرنِ اوّل میں اس طرح کے بین الاقوامی ادارے نہیں پائے جاتے تھے جسطرح کے ادارے کہ دورِ جدید میں وجود میں آئے ہیں۔ البتہ اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ممالک کے حکمرانوں کے ہدیے قبول کیے ہیں جن سے اسلامی ریاست کے تعلقات اچھے تھے۔ مصر سے مقوقس نے آپ

---

[۱]: چند مثالوں کے لیے ملاحظہ ہو محمد تقی امینی: اسلام کا زرعی نظام صفحہ ۱۴۴

[۲]: بلاذری: انساب الاشراف جلد ۱ صفحہ ۳۶۴

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے خط کے جواب کے ساتھ کچھ ہدیہ بھی بھیجا جسے آپ نے قبول فرمایا[۱] - اسی طرح حبشہ کے حکمران نجاشی نے بھی آپ کو تحفہ بھیجا جسے آپ نے قبول فرمایا[۲]۔

(ط) غنائم

غنیمت وہ مال ہے جو حالتِ جنگ میں مخالف فوج سے حاصل کیا جائے۔ جنگ شروع ہونے سے پہلے یا جنگ ختم ہو جانے کے بعد دشمن سے جو مال (خراج وغیرہ کے طور پر) حاصل ہو اُسے غنیمت نہیں قرار دیا جاتا۔ اسلامی فوج کو یہ حق نہیں حاصل ہے کہ وہ مخالف ملک کی عام آبادی پر دست درازی کر کے مالِ غنیمت جمع کرے۔ غنیمت کی یہ نوعیت فقہائے اسلام نے واضح کر دی ہے۔ ابو عبید القاسم بن سلام لکھتے ہیں :

"غنیمت اور فئے میں یہی فرق ہے کہ جو کچھ اہلِ شرک سے جبراً چھین لیا جائے ___ اس وقت جبکہ جنگ عملاً قائم ہو ___ وہ غنیمت ہے جس کا پانچواں حصہ الگ کر کے (باقی) سارا مال مخصوص طور پر انہی (فوجی) لوگوں کو دے دیا جاتا ہے، دوسرے لوگوں کو نہیں ملتا۔ جو مال جنگ بند ہونے کے بعد اور اس ملک کے اسلامی ملک بن جانے کے بعد اُن (مفتوح) لوگوں سے حاصل ہو وہ فئے ہے جو سارے لوگوں کے لیے ہوتی ہے اور جس میں سے پانچواں حصہ نہیں الگ کیا جاتا۔ یہی نوعیت اس مال کی ہے جو جنگ شروع ہونے سے پہلے دشمن سے مل جائے[۳]. . . . "

---

[۱] : ابو القاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عبدالحکم : فتوح مصر واخبارہا صفحہ ۴۷ - مطبع بریل لیدن ۱۹۲۰ء

[۲] : بلاذری : انساب الاشراف، جلد ۱ صفحات ۲۲۹، ۴۳۹، اور ۵۲۴

[۳] : کتاب الاموال صفحہ ۲۵۴

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مالِ غنیمت کے سلسلہ میں حکم قرآن کی اِن آیات میں آیا ہے :

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ ۔ قُلِ الْأَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُولِ ۔ (الانفال : ۱)

لوگ آپ سے مالِ غنیمت کے بارے میں دریافت کرتے ہیں۔ کہہ دیجیے کہ اموالِ غنیمت اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہیں۔

وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ فَأَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۔ (الانفال : ۴۱)

آگاہ رہو کہ جو مال تمہیں بطورِ غنیمت ہاتھ لگے تو اللہ کے لیے اس کا پانچواں حصّہ ہے، اور رسول کے لیے اور (رسول کے) قرابت داروں، یتیموں، مساکین اور مسافروں کے لیے ہے۔

پہلی آیت یہ اعلان کرتی ہے کہ اصلاً تمام اموالِ غنیمت اللہ اور اس کے رسول کی ملکیت ہیں۔ دُوسری آیت بتاتی ہے کہ مالِ غنیمت کا پانچواں حصّہ عملاً اللہ اور اس کے رسُول کے لیے مخصوص ہو جائے گا، اور یتیموں، مسکینوں وغیرہ کا ذکر کرکے اس طرف اشارہ کر دیا گیا کہ اس تخصیص کی حکمت کیا ہے۔ اللہ اور رسول کی ملکیّت کا مطلب اسلامی ریاست کی ملکیّت ہے، جو رسولِ خدا کے نائب کی حیثیّت رکھتی ہے[1]۔ لہٰذا غنیمت کا پانچواں حصّہ اسلامی ریاست کی ضروریات اور کفالتِ عامہ سے متعلق مصارف کی خاطر بیت المال میں داخل کر دیا جائے گا۔ اسلام کے ابتدائی دَور میں خمس یعنی مالِ غنیمت کا پانچواں حصّہ اسلامی ریاست کی آمدنی کا ایک اہم ذریعہ ثابت ہُوا۔

اسی سورۃ، سورۂ انفال میں آگے چل کر اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے :

فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا ۔ (الانفال : ۶۹)

پس جو مال تم نے حاصل کیا ہے اسے کھاؤ کہ وہ حلال اور پاک ہے۔

---

[1] : ملاحظہ ہو پہلا باب، جزب

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ بالا پانچویں حصّہ کے علاوہ باقی مالِ غنیمت میں غنیمت حاصل کرنے والے مجاہدین کا حصّہ ہے۔ چنانچہ غنیمت کے باقی ۴/۵ حصّہ کے بارے میں نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے یہ طریقہ اختیار فرمایا تھا کہ اسے مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دیا جائے۔ بعد میں خلفائے راشدین نے بھی اسی طریقہ پر عمل کیا۔ بنو اُمیّہ اور بنو عبّاس کے دورِ حکومت میں بھی غنیمت فوجیوں کے درمیان تقسیم کی جاتی رہی اور اسلامی فقہ کے تمام مکاتب اس بات پر متفق ہیں کہ مالِ غنیمت کا ۴/۵ حصّہ جنگ میں حصّہ لینے والوں کے درمیان تقسیم کر دیا جائے۔

دورِ جدید میں اموالِ غنیمت کی نوعیّت بدل گئی ہے۔ قرنِ اوّل میں، اور اس کے بعد بھی صدیوں تک، غنیمت میں ہاتھ آنے والے اسلحے ایسے تھے جو افراد کے درمیان تقسیم کیے جا سکتے تھے، لیکن دورِ جدید میں ایسے اسلحے اور فوجی سامان بھی ہاتھ آ سکتے ہیں جو افراد کے درمیان تقسیم نہیں کیے جا سکتے۔ مثلاً ہوائی جہاز، بحری جہاز، غوطہ خور جہاز، ٹینک، جیپ گاڑیاں اور ٹرک، بم، مشین گن، توپ اور راکٹ وغیرہ ان میں سے بعض چیزیں بڑی اور قیمتی ہونے کی وجہ سے ناقابلِ تقسیم ہیں، اور تقریباً ساری چیزیں ایسی ہیں جن کو افراد کی ذاتی ملکیت میں دینا اسلام اور مسلمانوں کے مصالح کے خلاف ہوگا۔ ان میں سے اکثر اسلحے صرف بڑے پیمانہ کی جنگ میں کام آ سکتے ہیں، اور بڑے پیمانہ پر جان و مال تباہ کرنے کی قوّت رکھتے ہیں۔ ان کو افراد کی ذاتی ملکیّت میں دینے سے فتنہ و فساد رُونما ہونے کا اندیشہ ہے۔ تمدّنی مصالح کا تقاضا ہے کہ بڑے پیمانہ پر جان و مال تباہ کرنے کی قوت صرف ریاست کے ہاتھ میں مرکوز ہو۔ اگر یہ طاقت افراد کے ہاتھ میں بھی رہی تو اس بات کا اندیشہ ہے کہ وہ اسے اپنی اغراض کی تکمیل کے لیے یا باہمی تنازعات میں، یا کسی موقع پر حکومت کے خلاف بغاوت میں استعمال کر کے معاشرہ کی زندگی کو خطرہ میں ڈال دیں۔

قرنِ اوّل میں عام طور پر افراد اپنے اسلحوں کے ساتھ جنگ میں شریک ہوتے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھے۔ اس لیے غنیمت میں ملنے والے اسلحوں کی افراد کے درمیان تقسیم فوجی اعتبار سے ملک کے لیے مفید ثابت ہوتی تھی۔ جدید حالاتِ جنگ کا تقاضا ہے کہ اپنے سپاہیوں کو اسلحے فراہم کرنے کی ذمہ داری خود ریاست لے۔ ان حالات میں غنیمت میں ملنے والے اسلحوں کو فوجی افراد کی ذاتی ملکیت میں دینا فوجی اعتبار سے بھی بے سُود ہوگا۔ کیونکہ ان کو جدید ترین اسلحوں سے مسلح رکھنے کا اہتمام اسلامی ریاست کو بہر صورت کرنا ہوگا۔

جیسا کہ اُوپر واضح کیا جا چکا ہے خطرناک بھاری اسلحوں کی ذاتی ملکیت کو قانوناً ممنوع قرار دے دینا مناسب ہوگا۔ ایسی صورت میں اس بات کی بھی اجازت نہیں دی جا سکتی کہ افراد ایسے اسلحوں کی خرید و فروخت کر سکیں۔ اسی طرح اس بات کی بھی اجازت نہیں دی جا سکتی کہ اسلامی ریاست کا کوئی شہری کسی ایسے سامان کو بیرونِ ملک فروخت کر سکے۔ دوسرے ملکوں کو خطرناک اسلحوں کی فراہمی کا مسئلہ ایک بہت اہم مسئلہ ہے جسے ریاست کو تمام تر اپنے ہاتھوں میں رکھنا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ جن چیزوں کو افراد نہ تو خود استعمال کر سکتے ہوں نہ ان کو فروخت کر کے ان کی قیمت سے فائدہ اُٹھا سکتے ہوں انہیں ان کی ملکیت میں دینا بے سُود ہے۔

ایسے خطرناک اسلحوں اور بھاری سامانِ جنگ کے بارے میں واحد موزوں اور قابلِ عمل طریقہ یہی ہو سکتا ہے کہ ان کو اسلامی ریاست کی ملکیت میں داخل کر لیا جائے اور یہ اسلامی فوج کے کام آئیں۔

کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی ریاست کو یہ چاہیے کہ غنیمت کے ۴/۵ حصے میں شامل اسلحہ جات کی قیمت ادا کر کے انہیں خرید لے، اور غنیمت کے مستحق افراد کو اسلحوں کے بجائے ان کی قیمت دے دے۔ لیکن یہ حل نہ تو منصفانہ ہے نہ قابلِ عمل۔ شریعت سے کوئی ایسی دلیل نہیں پیش کی جا سکتی جس کی رُو سے ریاست کے لیے ان اسلحہ جات کو خریدنا ضروری ہو۔ اس طریقہ پر عمل کے نتیجہ میں ہر جنگ کے بعد ریاست پر ایک بڑے خرچ کا بار پڑے گا جبکہ وُہ جنگ کے دوران بہت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زیرِ بار ہو چکی ہو گی۔ یہ نیا بار بالواسطہ پورے معاشرہ پر پڑے گا، اور یہ بات انصاف کے خلاف ہے کہ چند افراد کے فائدے کے لیے پورے معاشرے پر ایک ایسا بار ڈالا جائے جو شریعت نے ان پر نہیں ڈالا۔

مزید برآں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ افراد کو قیمت ادا کرنے کا سوال اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب ہم پہلے یہ تسلیم کر لیں کہ یہ اسلحے مالِ غنیمت کے طور پر ان کی ملکیت میں آ چکے ہیں، یا دیے جا سکتے ہیں، کیونکہ کوئی فرد غنیمت کی تقسیم سے پہلے اس کا مالک نہیں ہوتا۔ لیکن اس وقت یہی مسئلہ زیرِ بحث ہے۔ یعنی یہ کہ ان اسلحوں کو غنیمت کے طور پر افراد کے درمیان تقسیم کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔

فوجیوں کے درمیان تقسیم کا طریقہ ان غذائی اجناس، کپڑوں اور دوسرے سامانِ استعمال کے سلسلہ میں بآسانی اختیار کیا جا سکتا ہے جو جنگ میں غنیمت کے طور پر ہاتھ آئیں۔ جو خطرناک اسلحے اور بھاری سامانِ جنگ صرف بڑے پیمانہ کی جنگ میں کام آ سکتے ہوں ان کے سلسلہ میں یہ طریقہ نہیں اختیار کیا جا سکتا۔ چونکہ اکثر حالات میں ایسے سامان اور اسلحے مالِ غنیمت کے پانچویں حصہ سے زیادہ ہوں گے اور ان کی عدمِ تقسیم کا نتیجہ یہ ہو گا کہ فوجی افراد کو مالِ غنیمت کے ۴/۵ سے کم حصہ ملے گا، لہٰذا یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مذکورہ بالا نصوص کی روشنی میں ایسا کرنے کی گنجائش ہے؟

یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے، اور ضرورت ہے کہ اُمت کے فقہائے مجتہدین اس بارے میں کوئی رائے قائم کریں۔ مذکورہ بالا دلائل کے پیشِ نظر ہماری تجویز یہ ہے کہ اس باب میں ذیل کے استثنائی حکم پر عمل جائے۔

اگر کسی مخصوص صورتِ حال میں شریعت کے کسی حکم پر عمل کے نتیجہ میں ضرر و فساد پیدا ہونے کا قوی اندیشہ ہو، اور یہ ضرر و فساد اس ضرر اور فساد سے بڑا ہو جو اس حکم پر عمل نہ کرنے سے پیدا ہو گا، تو اس حکم پر عمل نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فساد نہیں چاہتا۔ اور ضرر کا ازالہ شریعت کا ایک اہم مقصد ہے[1]۔

---

[1] ملاحظہ ہو باب ۵، صفحہ ۲۳۰ - ۲۳۱۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ازالۂ ضرر کے اصول سے فقہاء نے جو قاعدے اخذ کیے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ:

اذا تعارض مفسدتان روعی اعظمہما ضررًا بارتکاب اخفہما۔[1]

جب دو نقصان دہ کاموں کے درمیان ٹکراؤ ہو (کہ ان میں سے ایک کا کرنا لازم آ جائے) تو کمتر برائی کا ارتکاب کر کے زیادہ نقصان دہ چیز سے بچنے کی کوشش کی جائے گی۔

جدید آلاتِ حرب کو افراد کی ملکیت میں دینے سے جو مضرتیں پیدا ہونے کا اندیشہ ہے وہ اس نقصان سے بڑی ہیں جو جنگ میں حصہ لینے والے تنخواہ دار سپاہیوں کی اس مال سے محرومی کے سبب ہو گا۔ اسلحہ جات کو افراد کے درمیان نہ تقسیم کر کے ہم ان کو بعض مادی فوائد سے محروم کریں گے، لیکن ایسا نہ کرنے کی شکل میں پورے معاشرہ کو زبردست نقصان کا اندیشہ ہے، اور مذکورہ بالا اصول سے ماخوذ ایک کلیہ یہ بھی ہے کہ:

درء المفاسد اولی من جلب المصالح۔ فاذا تعارضت مفسدۃ ومصلحۃ قدم دفع المفسدۃ غالبًا۔

مفاسد کو دور کرنا مصالح کے حصول پر مقدم ہے۔ لہذا جب کسی نقصان دہ کام اور کسی مفید کام کے درمیان ٹکراؤ ہو (کہ مفید کام کرنے سے نقصان دہ کام کا کرنا بھی لازم آتا ہو) تو اکثر احوال میں نقصان سے بچنے کو ترجیح دی جائے گی۔

(ی) فئے

اہلِ حرب سے غنیمت کے علاوہ جو مال حاصل ہو اسے فئے کہتے ہیں جیسا کہ

---

[1] ابن نجیم الحنفی: الاشباہ والنظائر۔ صفحہ ۱۲۵

[2]: " " "

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اوپر ابوعبید کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے۔ جنگ شروع ہونے سے پہلے اور جنگ ختم ہونے کے بعد جو اموال حاصل ہوں، یا جو مال بغیر جنگ اور فوج کشی کے حاصل ہوتا ہیں وہ فئے قرار پاتے ہیں۔ صلح کے نتیجہ میں مفتوح ملک سے حاصل ہونے والا مال بھی فئے میں شامل ہے۔ نیز مفتوحہ ممالک کی وہ ساری زمینیں جن کے مالک جنگ سے پہلے اسلام نہیں لاچکے تھے فئے میں داخل سمجھی جاتی ہیں۔

فئے کا حکم قرآن کریم کی اِن آیات میں آیا ہے:

وَمَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ۔ كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ۔ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا۔ وَاتَّقُوا اللَّهَ۔ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ۔ لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنْصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ۔ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ۔ وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۔ وَمَنْ يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔ وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ۔ (الحشر: ۶ تا ۱۰)

اور اللہ نے اپنے رسول کو ان لوگوں (کے مال واملاک میں) سے جو کچھ دلوا دیا ہے تو تم نے نہ توان پر اپنے گھوڑے دوڑائے تھے نہ اونٹ۔ لیکن اللہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنے رسولوں کو جن پر چاہتا ہے غالب کر دیتا ہے۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اللہ نے ان بستیوں کے باشندوں سے اپنے رسول کو جو کچھ دلوا دیا ہے وُہ اللہ کا ہے، اور رسول کا، اور رسول کے قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں، اور مسافروں کا، تاکہ یہ مال تمہارے مال دار افراد ہی کے درمیان نہ گردش کرتا رہے۔ رسول تمہیں جو کچھ دیں اُسے لے لو اور جس چیز سے منع کر دیں اُس سے باز آ جاؤ۔ اور اللہ سے ڈرو، اللہ بڑی سخت پاداش والا ہے۔ یہ مال ان حاجت مند مہاجرین کا حق ہے جن کو ان کے گھروں اور مال و اسباب سے زبردستی بے دخل کر کے نکالا گیا ہے۔ یہ لوگ اللہ کے فضل اور اس کی رضامندی کے طالب ہیں، اور اللہ کے رسول کی مدد کرتے ہیں۔ یہی لوگ صحیح معنوں میں راست باز (مومن) ہیں۔ اور (یہ مال) ان لوگوں کا (حق ہے) جنہوں نے ان مہاجرین (کی آمد) سے پہلے سے ایمان لا کر دار ہجرت کو آباد کر رکھا تھا جو لوگ ہجرت کر کے ان کے پاس آتے ہیں ان کو یہ محبوب رکھتے ہیں۔ اور انہیں جو کچھ دے دیا جائے اس کے لیے خود کوئی غرض نہیں محسوس کرتے۔ یہ لوگ اگر خود تنگ دست ہوں تو بھی (ان مہاجرین کو) اپنی ذات کے مقابلہ میں ترجیح دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اپنی طبیعت کے بُخل سے محفوظ رہیں وہی فلاح پانے والے ہوں گے۔ اور (یہ مال) اُن لوگوں کے لیے (بھی) ہے جو ان لوگوں کے بعد آئے۔ یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہماری مغفرت فرما، اور ہمارے ان بھائیوں کی بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں۔ ہمارے دلوں میں ایمان لانے والوں کے لیے کوئی کینہ نہ رکھ۔ اے پروردگار! تو بڑا شفیق و رحیم ہے۔

یہ آیات بنو نضیر کی جلا وطنی کے موقع پر نازل ہوئی تھیں۔ یہ ایک یہودی قبیلہ تھا جس کی بدعہدی اور فتنہ انگیزی کے نتیجہ میں اسلامی فوج نے اس کا محاصرہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر لیا تھا۔ بنی نضیر نے ہتھیار ڈال دیے اور جنگ کی نوبت نہیں آئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی جلا وطنی کا فیصلہ کیا۔ ان لوگوں نے جو مال و املاک چھوڑے ان کے بارے میں سورۂ حشر کی ان آیات میں یہ حکم نازل ہوا کہ ان کو اسلامی ریاست اپنی تحویل میں لے لے۔ چنانچہ یہ مال محاصرہ کرنے والوں کے درمیان تقسیم نہیں کیا گیا بلکہ پورے کا پورا مال جس میں غیر منقولہ املاک، اشیاء استعمال، اور نقد وغیرہ شامل تھا بیت المال میں داخل کر لیا گیا۔ جب شام اور عراق کے ممالک فتح ہوئے تو ان کی زمینوں کے بارے میں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی طریقہ پر عمل کیا۔ یہی طریقہ مصر کے سلسلہ میں بھی اختیار کیا گیا۔ مفتوحہ ممالک کی ساری زمینیں اور فتح کے نتیجہ میں حاصل ہونے والی غیر منقولہ املاک ریاست کی ملکیت قرار دی گئیں، خواہ فتح فوج کشی اور جنگ کے بعد ہوئی ہو، یا بغیر جنگ کے۔

فئے اسلامی ریاست کی ملکیت کا ایک اہم ذریعہ ثابت ہوئی ہے۔ ریاست نے فئے کے طور پر حاصل ہونے والی زمینوں کو اپنے زیر اہتمام کاشت کرانے، یا ان زمینوں کو ان کے پرانے کاشتکاروں کے قبضہ میں رکھتے ہوئے ان پر سالانہ کرایہ (خراج) وصول کرنے کے طریقے استعمال کیے۔ اکثر حالات میں ان کاشت کاروں پر ان ریاستی زمینوں کی خرید و فروخت کے سلسلہ میں بعض پابندیاں بھی عائد کی گئی ہیں[۱]۔ جن کا مقصد ریاست کے مالکانہ مفادات کا تحفظ تھا۔ یہ غیر مسلم کاشتکار اسلام لے آتے تو بھی یہ زمینیں ریاست کی ملکیت رہتیں اور ان کا خراج وصول کیا جاتا[۲]۔ البتہ جیسا کہ اوپر واضح کیا جا چکا ہے، جن زمینوں کے مالک جنگ سے پہلے

---

۱ : یہ مسئلہ خاص اختلافی ہے۔ ملاحظہ ہو کتاب الاموال صفحہ ۷۳-۷۴ ۔ یحییٰ ابن آدم کی کتاب الخراج صفحہ ۵۴-۶۲ اور ابو یوسف کی کتاب الخراج صفحہ ۱۰۳۔

۲ : یہ بات بھی مختلف فیہ ہے، جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ ملاحظہ ہو مذکورہ بالا حوالے بالخصوص کتاب الاموال، صفحہ ۸۷-۹۲۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلام لاچکے ہوں، یا جو غیر مسلم علاقے پر امن معاہدے کے ذریعہ اسلامی ریاست کے زیر اقتدار آئے ہوں ان کی زمینیں فئے نہیں قرار دی جاسکتیں، الّا یہ کہ خود اس معاہدے میں ایک شرط یہ بھی ہو کہ زمین ریاست کی ملکیت ہوگی اور اس کے باشندے خراج ادا کریں گے۔

(ک) لقطہ

یعنی وہ مال جس کا مالک نہ مل سکے۔ اس میں گری پڑی چیزوں کے علاوہ وہ تمام اموال بھی شامل ہیں جو کبھی مملوکہ رہے ہوں لیکن اب ان کے مالک لاپتہ ہوں۔ جس شخص کے ہاتھ میں ایسا کوئی مال آئے اس کی پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اس کے مالک کا پتہ لگانے کی کوشش کرے، اور اس کے لیے مناسب طریقہ سے اعلان کرے۔ پانے والے کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اس کا مالک بن بیٹھے۔

روی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال: لا تحل اللقطۃ فمن التقط شیئًا فلیعرّف سنۃ فان جاء صاحبہا فلیردہ علیہ وان لم یات فلیتصدق[۱]۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا لقطہ حلال نہیں ہے لہٰذا جو کوئی کسی چیز کو اٹھائے اُسے چاہیے کہ ایک سال تک اس کا اشتہار کرے۔ اب اگر اس کا مالک آجائے تو یہ مال اس کے حوالہ کردے، اور اگر نہ آئے تو اُسے صدقہ کردے۔

البتہ اگر وہ شخص خود اتنا غریب ہو کہ اس پر صدقہ کیا جاسکتا ہو تو وہ اس چیز کو خود لے سکتا ہے۔ لیکن:

"غنی کے بارے میں فقہا مختلف الرائے ہیں کہ کیا اس کے لیے گنجائش ہے کہ سال پورا ہونے کے باوجود اگر مالک کا پتہ نہ چلے تو اسے خود لے سکتا ہے

---

[۱]: کاسانی: بدائع الصنائع جلد ۶۔ صفحہ ۲۰۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یا نہیں۔ امام مالک اور امام شافعی کہتے ہیں کہ اسے اس کا حق ہے، امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ اسے سوائے صدقہ کر دینے کے اور کسی بات کا حق نہیں۔ یہی بات حضرت علیؓ، حضرت ابنِ عباسؓ اور تابعین کی ایک جماعت سے بھی مروی ہے۔ اور امام اوزاعی کہتے ہیں کہ اگر مال کثیر ہو تو وہ اسے بیت المال میں داخل کر دے گا۔"[1]

امام اوزاعی کی یہ رائے وزن رکھتی ہے، کیونکہ اگر لقطہ کے طور پر پایا جانے والا مال ایک بڑی رقم ہے تو اسے اہلِ حاجت کے درمیان تقسیم کرنے کا کام اسلامی ریاست بہتر طریقہ پر انجام دے سکتی ہے۔ یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ پائے جانے والے مال کا اعلان و اشتہار تمام تر پانے والے فرد کے ذمہ چھوڑ دیا جائے یا ریاست بھی اس ذمہ داری کی ادائیگی میں حصہ لے۔ انتظامی سہولت کے لیے ضابطہ بنایا جا سکتا ہے کہ لقطہ پانے والا مقامی عمّال حکومت کو باخبر کر دے اور وہ سرکاری طور پر اس کے اشتہار کا اہتمام کریں۔ مالک کا پتہ نہ لگنے کی شکل میں اگر لقطہ کی مقدار ایک خاص حد سے زیادہ ہو تو اُسے بیت المال میں داخل کر دیا جائے، اور اگر حد سے کم ہو تو اس کو صدقہ کرنے کے لیے پانے والے فرد ہی کے سپرد کر دیا جائے۔ اس حد کی تعیین حالات کی مناسبت سے ریاست کو کرنا چاہیے۔

ڈاکخانہ یا بینکوں میں جمع ان رقوم کے سلسلہ میں بھی یہی طریقہ اختیار کرنا چاہیے جن کے مالک یا وارث کا پتہ نہ چلے۔ ایک مناسب عرصہ انتظار اور اشتہار کے بعد ان کو ریاست کے خزانہ میں داخل کر لینا چاہیے۔ اسی طرح عاریتاً دیا ہوا یا امانت کے طور پر رکھا ہوا وہ سامان جس کے مالک کا پتہ نہ چلے، کوئی ایسا مال جس کے مالک کی غیر موجودگی کے سبب اس پر کوئی دوسرا فرد قابض ہو گیا ہو اور اب اسے ریاست اس غاصب سے واپس لے لیکن اصل مالک کا پتہ نہ چلے، مختصر یہ کہ ہر وہ مال جو کسی مسلمان

---

[1] ابنِ رشد: بدایۃ المجتہد جلد ۲ صفحہ ۳۰۶

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مالک کا ہو لیکن اب اس مالک یا اس کے ورثاء کا پتہ نہ چل سکے ریاست کی ملکیت میں داخل کر لیا جائے گا۔[1]

وہ غیر منقولہ جائدادیں جن کے مالک کا پتہ نہ لگے بہر صورت اسلامی ریاست کی ملکیت قرار پائیں گی۔[2] یہی حکم زمین کے اندر پائے جانے والے ان دفینوں کا ہے جن پر اسلامی عہد کی علامتیں موجود ہوں۔ ان دفینوں کو ان اموال میں شمار کیا جائے گا جن کے مالک کا پتہ نہ لگ سکے۔[3]

ایک عام اصول، جس کا اطلاق لقطہ اور لاوارث ترکوں دونوں پر ہوتا ہے یہ ہے کہ "ہر وہ مال جو مسلمانوں کا حق ہو لیکن اس کا مالک متعین نہ ہو وہ بیت المال کا حق ہے۔"[4]

(ل) لاوارث ترکے

ایسے تمام ترکے جن کا کوئی وارث نہ موجود ہو، نہ مالک نے وصیت کے ذریعہ انہیں کسی کی طرف منتقل کیا ہو، اسلامی ریاست کی ملکیت قرار پا جاتے ہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"..... وانا وارث من لا وارث لہ۔ ارثہ واعقل عنہ۔"[5]

"..... اور جس کا کوئی وارث نہ ہو اس کا وارث میں ہوں، میں اس کا ترکہ پاؤں گا اور اس کی طرف سے دیت ادا کروں گا۔"

---

[1] : تقی الدین بن تیمیہ : السیاستہ الشرعیہ فی اصلاح الراعی والرعیہ صفحہ ۴۰-۴۱

[2] : ایضاً : دار الکتاب العربی۔ مصر ۱۹۵۵ء

[3] : الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد ۱ صفحہ ۶۱۲-۶۱۳

[4] : ماوردی : الاحکام السلطانیہ باب ۱۸ صفحہ ۱۸۷

[5] : ابو عبید : کتاب الاموال صفحہ ۲۲۱۔ بروایت مقدام بن معدیکرب۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک اثر سے معلوم ہوتا ہے کہ وُہ اسی اصول پر عمل کرتے تھے، کہ لا وارث ترکے بیت المال میں داخل کر دیے جائیں گے۔

ان عمرو بن العاص کتب الی عمر بن الخطاب فی رھبان یترھبون بمصر فیموت احدھم ولیس لہ وارث۔ فکتب الیہ عمر ان من کان منھم لہ عقب فادفع میراثہ الی عقبہ ومن لم یکن لہ عقب فاجعل مالہ فی بیت مال المسلمین فان ولائہ للمسلمین۔[1]

عمرو بن العاص (والیٔ مصر) نے عمرؓ بن الخطاب کو مصر کے ایسے راہبوں کے بارے میں لکھا جو مر جاتے ہیں اور ان کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ حضرت عمرؓ نے انہیں جواب میں یہ لکھا کہ ان میں سے جس کے پیچھے ان کی نسل میں سے کوئی ہو اس کی میراث ان کے حوالہ کر دی جائے اور جس کے پیچھے اس کی نسل میں سے کوئی نہ ہو اس کا مال مسلمانوں کے بیت المال میں داخل کر دیا جائے کیونکہ ان کی ولایت مسلمانوں کو پہنچتی ہے۔

فقہا نے بھی اسی اصول کی صراحت کی ہے۔ قاضی ابویوسف لکھتے ہیں:

"مسلمانوں میں سے جو کوئی بھی وارث چھوڑے بغیر مر جائے اس کا مال بیت المال کی ملکیت قرار پائے گا۔ البتہ کوئی مدعی اگر کسی مرنے والے کا وارث ہونے کی بنا پر کسی چیز کا مطالبہ کرے اور اس دعوے پر گواہ اور مناسب ثبوت پیش کرے تو اس کا واجبی حق اُسے دے دیا جائے گا"[2]

ماوردی نے لکھا ہے:

"جن املاک کے مالک مر گئے ہوں اور کوئی وارث حصہ وراثت یا عصبہ کے

---

[1] : ابوالقاسم عبدالرحمان بن عبداللہ بن عبدالحکم: فتوح مصر و اخبارہا۔ صفحہ ۹۰ مطبع بریل لیڈن ۱۹۲۰ء

[2] : ابو یوسف: کتاب الخراج صفحہ ۲۲۱

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حق کی بنا پر ان کا مستحق نہ ہو وہ تمام مسلمانوں کی میراث کے طور پر بیت المال کی طرف منتقل ہو جائیں گی اور ان کی مصلحت کے کاموں میں صرف کی جائیں گی[۵۱]

صاحب بدائع الصنائع نے لکھا ہے :

"بیت المال میں داخل کیے جانے والے اموال چار قسموں پر مشتمل ہیں . . . . . . چوتھی قسم میں وہ مال داخل ہے جو ایسی میت کا ترکہ ہو جو بلا کوئی وارث چھوڑے وفات پا جائے، یا صرف شوہر یا بیوی چھوڑ کر مرے[۵۲]"

آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ یہ بھی ممکن ہے میراث کا ایک حصہ کسی وارث کو ملے اور باقی بیت المال کو۔

بعض اوقات وارث موجود ہونے کے باوجود کسی مانع کے سبب وارث کو قانوناً وراثت سے محروم ہونا پڑتا ہے۔ اس طرح کے موانع اپنے مورث کا قاتل ہونا اور اختلاف دین ہیں[۵۳] ان حالات میں بھی میت کا ترکہ اسلامی ریاست کی ملکیت قرار پائے گا[۵۴]

لقطہ اور لاوارث ترکے کے بارے میں یہ حکم ـــــ کہ اسے اسلامی ریاست کی ملکیت قرار دے دیا جائے، معاشرہ میں ریاست کے اس مقام کی روشنی میں بآسانی سمجھا جا سکتا ہے جسے ہم پہلے باب میں واضح کر چکے ہیں۔ اسلامی ریاست تمام افراد معاشرہ کی نمائندہ بھی ہے اور سرپرست بھی۔ اس نمائندگی اور سرپرستی کی بنا پر اسے یہ منصب حاصل ہے کہ اگر کوئی مالک اپنا مال لاوارث چھوڑ کر مر جائے یا کسی مال کے مالک کا پتہ نہ چل سکے تو ان افراد کے سرپرست کی حیثیت

---

[۵۱] : ماوردی : الاحکام السلطانیہ باب ۱۷، صفحہ ۲۰۳۔ [۵۲] : کاسانی: بدائع الصنائع، جلد ۲، صفحہ ۶۸

[۵۳] فقہاء نے اختلاف دار یعنی وارث کے دار الاسلام کا شہری نہ ہونے کو بھی مانع ارث قرار دیا ہے۔ اگرچہ بعض حالات میں وہ اس کلیہ سے استثناء بھی کرتے ہیں۔ موجودہ حالات میں یہ مسئلہ از سر نو تحقیق و اجتہاد کا متقاضی ہے

[۵۴] : کاسانی : بدائع الصنائع، جلد ۲، صفحہ ۱۳۷ اور ماوردی : الاحکام السلطانیہ، صفحہ ۳۰۵

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے اور اس اجتماع کے نمائندہ کی حیثیت سے جس کے یہ افراد تھے اس مال کو اپنی ملکیت بنا لے۔ یہ بات اس حقیقت کے پیشِ نظر بھی عین مناسب ہے کہ اگر کوئی فرد کبھی اپنی ضروریات کی تکمیل کے لیے سامانِ زندگی کا محتاج ہو، اور اس کی یہ ضرورت کسی طرح پوری نہ ہو سکے، تو اسلامی ریاست اس کے سرپرست کی حیثیت سے اس کی کفالت کرتی ہے۔ لہٰذا دولا وارث مال کی ملکیت کا حق اہلِ حاجت کی کفالت کی اس ذمہ داری کے مقابلہ میں بآسانی سمجھا جا سکتا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نواں باب

ریاست کے مالکانہ حقوق

ریاستی املاک کے بعض مستقل ذرائع کے مطالعہ کے بعد قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ریاست کے مالکانہ حقوق کیا ہیں۔ مالک کے حقوق، جن کا تفصیلی مطالعہ ہم نے تیسرے باب میں کیا ہے ایک حد تک اس سوال کا جواب فراہم کرتے ہیں۔ لیکن ریاست پر ان اصولوں کے اطلاق سے پہلے ہمیں ریاستی املاک کی نوعیت کو سمجھ لینا چاہیے۔

اسلامی ریاست کی املاک کی نوعیت

یہ بات اوپر واضح کی جا چکی ہے کہ کائنات کی جو چیزیں بھی کسی کی ملک میں ہیں، اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں اور ان کا استعمال ان مقاصد کی خاطر، ان حدود کے اندر رہتے ہوئے ہونا چاہیے جو حقیقی مالک نے معین کر دیے ہیں۔ ریاستی املاک کی اوّلین حیثیت بھی یہی ہے۔ لیکن ساتھ ہی وہ ریاست کے ہاتھ میں افراد اور اجتماع کی سپردگی ہوئی امانت بھی ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کی ہوئی اسلامی ریاست میں بیت المال کی یہی حیثیت تھی۔ آپ بحیثیتِ صدرِ ریاست ، اللہ کے مال کے امین اور خازن تھے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حدثنا ابو ھریرۃ : قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "ما اوتیکم من شیئٍ ولا امنعکموہ ان انا الّا خازن اضع حیث امرت"[1]

ہم سے ابو ہریرہ نے حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "میں خود سے نہ تمہیں کچھ دیتا ہوں نہ کسی چیز کو تم سے روکتا ہوں۔ میں تو صرف ایک خازن ہوں، جہاں مجھے حکم دیا جاتا ہے وہاں خرچ کرتا ہوں"

آپ نے مسلمانوں پر یہ واضح کر دیا تھا کہ ریاست کے خزانہ میں جو کچھ ہے وہ ان لوگوں ہی کے لیے ہے[2]۔ اسلامی ریاست کا صدر صرف اس مال کا نگران و محافظ ہوتا ہے۔

اسی حقیقت کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ میں واضح فرمایا ہے:

انّما انا وما لکم کولی الیتیم[3]۔

میری حیثیت تمہارے مال کے سلسلہ میں وہی ہے جو کسی یتیم کے سرپرست کی (اس یتیم کے مال کے سلسلہ میں ہوتی) ہے۔

انی انزلت مال اللہ منی بمنزلۃ مال الیتیم[4]۔

میں نے اللہ کے مال کو اپنی نظر میں وہی حیثیت دی ہے جو کسی یتیم کے مال کی ہے۔

ایک دوسرے موقع پر مسلمانوں کے حکمران کی حیثیت ان کے غلام کی قرار دی جس پر ادائے امانت اسی طرح فرض ہے جس طرح غلام پر اپنے آقا کے لیے۔ فرمایا:

"انّما من ولی امر المسلمین فھو عبدٌ للمسلمین یجب علیہ لھم مثل ما یجب علی العبد لسیدہ من النصیحۃ واداء الامانۃ"[5]

جو شخص مسلمانوں کے امور کا نگران بنا وہ ان کا غلام ہے۔ ان کی خیرخواہی اور

---

[1] : ابوداؤد: کتاب الخراج والفئی والامارۃ۔ باب فیما یلزم الا مام من امر الرعیۃ...

[2] : ابن ہشام: سیرۃ جلد ۳۔ صفحہ ۱۰

[3] : ابویوسف: کتاب الخراج صفحہ ۱۴۰

[4] : محمد ابن سعد: الطبقات الکبریٰ جلد ۳، صفحہ ۲۷۶۔ طبع بیروت ۱۹۵۷ء

[5] : ابن جوزی: سیرۃ عمر بن الخطاب صفحہ ۷۱

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان کی امانتوں کا پاس اس پر اسی طرح فرض ہے جس طرح غلام پر اپنے آقا کے سلسلہ میں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بہت اچھے اسلوب میں یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ بیت المال کے مال کی اصل حیثیت یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کا مال ہے جسے انہوں نے چند مشترک مقاصد کے لیے خرچ کرنے کی خاطر اپنے ایک نمائندہ کے سپرد کر دیا ہے۔

عن الربیع بن زیاد الحارثی انہ وفد الی عمر بن الخطاب فاعجبتہ ہیئتہ ونحوہ فشکا عمر طعاما غلیظا اکلہ فقال الربیع یا امیر المؤمنین ان احق الناس بطعام لین ومرکب لین وملبس لین لانت۔ فرفع عمر جریدۃ معہ فضرب بہا رأسہ فقال۔ اما واللہ ما اراک اردت بہا اللہ وما اردت بہا الا مقاربتی ان کنت لاحسب ان فیک۔ ویحک ہل تدری ما مثلی ومثل ہؤلاء۔ قال وما مثلک ومثلہم۔ قال مثل قوم سافروا فدفعوا نفقاتہم الی رجل منہم۔ فقالوا لہ انفق علینا فہل یحل لہ ان یستأثر منہا بشیئ؟ قال لا یا امیر المؤمنین قال فکذلک مثلی ومثلہم.....[1]"

ربیع بن زیاد حارثی روایت کرتے ہیں کہ وہ عمر بن خطابؓ کے پاس حاضر ہوئے تو ان کا حال دیکھ کر ان کو تعجب ہوا۔ حضرت عمر نے (اپنی خستہ حالی کی وجہ کے طور پر) خراب خوراک کا شکوہ کیا جو انہوں نے کھائی تھی۔ ربیع نے کہا۔ اے امیر المؤمنین تمام دوسرے لوگوں سے زیادہ آپ کو اس بات کا حق ہے کہ آپ کا کھانا عمدہ ہو، سواری اچھی ہو اور لباس بڑھیا ہو۔ حضرت عمرؓ نے اپنا کوڑا اٹھا کر ان کے سر پر مارا اور کہا۔ خدا کی قسم میں نہیں سمجھتا کہ تم نے یہ بات خدا کی رضا حاصل کرنے کے لیے کہی ہے۔ تم نے یہ بات میرا قرب

---

[1] : محمد ابن سعد، طبقات جلد ۳، صفحہ ۲۸۰، ۲۸۱ نیز ملاحظہ ہو ابن جوزی: سیرۃ عمر بن خطاب صفحہ ۱۰۴

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حاصل کرنے کے لیے کی ہے۔ میں پہلے سے یہ سمجھتا تھا کہ تم میں یہ کمزوری ہے
تیرا بُرا ہو۔ تُو جانتا ہے کہ میری اور ان عوام کی مثال کیا ہے؟ ربیع نے پوچھا
کہ آپ کی اور ان کی مثال کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جیسے کچھ لوگ سفر کو
نکلیں اور اپنے سفر خرچ اپنے درمیان ایک آدمی کے سپرد کر دیں اور اس
سے یہ کہیں کہ تم ہمارے اوپر خرچ کرو۔ تو بتاؤ کیا اس آدمی کے لیے جائز
ہو گا کہ اس (امانت) میں سے کچھ اپنی ذات کے لیے مخصوص کرے؟
ربیع نے کہا نہیں، اے امیر المؤمنین! آپ نے فرمایا بس میری اور ان عوام
کی مثال ایسی ہی ہے ...."۔

ریاست کے خزانہ کے بارے میں یہ تصور صرف حضرت عمرؓ تک محدود نہ تھا بلکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اس حقیقت کو خوب سمجھتے تھے کہ ریاست کے مال کے بارے میں امانت اور مقصدیت کے بنیادی تصورات اسلامی نظامِ حکومت اور بادشاہی کے درمیان مابہ الامتیاز کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ حقیقت ذیل کی روایت سے واضح ہے:

عن سلمان ان عمر قال لہ: أملکٌ انا ام خلیفۃٌ، فقال لہ سلمان
ان انت جبیت من ارض المسلمین درھمًا او اقل او اکثر ثم
وضعتہ فی غیر حقٍ فانت ملکٌ غیر خلیفۃ۔ فاستعبر عمر[۱]۔

سلمان (فارسیؓ) سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا کہ میں بادشاہ ہوں یا خلیفہ تو سلمان نے آپ سے کہا: اگر آپ مسلمانوں کی زمین سے (ریاست کے حق سے) ایک درہم بھی کم یا زیادہ وصول کریں اور اسے حق کے سوا کسی اور مصرف میں لے آئیں تو آپ خلیفہ نہیں بادشاہ ہیں۔ یہ سن کر عمرؓ کے آنسو جاری ہوگئے۔

ایک دوسری روایت میں یہ آیا ہے کہ لوگوں نے آپؓ کو اطمینان دلایا کہ آپ کا

---

[۱]: محمد ابن سعد، طبقات جلد ۳، صفحہ ۳۰۶

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طرزِ عمل وہی ہے جو خلیفہ کا ہونا چاہیے۔ اور یہ سُن کر حضرت عمرؓ خاموش ہو گئے۔[۵۱]

حضرت عمرؓ کی نظر میں اسلامی ریاست کے صدر کی حیثیّت سے اپنا مقام بالکل واضح تھا، یعنی یہ کہ آپ کو مسلمانوں کے مال کے ذریعہ مسلمانوں کی بہبود کا اہتمام کرنا ہے اور اس بارے میں آپ خدا کے حضور بھی جوابدہ ہیں۔

چنانچہ ایک موقع پہ آپ نے یہ فرمایا کہ "میری حیثیّت مسلمانوں کے لیے تجارت کرنے والے کی ہے" (انّما انا تاجرٌ للمسلمین[۵۲]) ایک اور موقع پر یہ فرمایا "کہ میری حیثیت اُس تقسیم کرنے والے کی ہے جس سے حساب طلب کیا جائے گا" (قاسم مسئول[۵۳])

اِن احادیث و آثار سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اسلامی ریاست کو شریعت کے مقرر کردہ ضابطوں کے تحت جو مال و املاک حاصل ہوئی ہوں۔ یا جو مزید مال و املاک افرادِ معاشرہ اس کی طرف منتقل کریں، ان کی حیثیّت چند متعین مقاصد کی خاطر استعمال کے لیے تفویض کردہ مال کی ہوتی ہے۔ ریاست کے جملہ مالکانہ حقوق اس حقیقت کے تابع ہیں، اور ان کو اسی پس منظر میں سمجھنا چاہیے۔

جہاں تک استعمال و تصرف، انتقالِ ملکیّت اور تحفّظِ ملکیّت کے حقوق کا سوال ہے، ریاستی املاک پر ان کا اطلاق آسانی سے سمجھ میں آجانے والی بات ہے، کیونکہ ان حقوق کے بغیر ریاستی ملکیت کے کوئی معنیٰ نہیں رہ جاتے۔ اور وہ ان املاک کو ان مقاصد کے لیے استعمال نہیں کر سکتی جن کے لیے یہ اسے دی گئی ہیں۔ البتہ ریاست کے لیے اپنی املاک کے نفع آور استعمال کا حق قدرے وضاحت طلب ہے۔ لہٰذا ہم اس مسئلہ پر قدرے تفصیلی گفتگو کریں گے۔ ہم یہ واضح کریں گے کہ اسلامی ریاست کو بھی اپنی املاک کے پیدا آور کاموں میں لگانے کا حق حاصل ہے۔

---

۵۱ : محمد ابن سعد: طبقات جلد ۳۔ صفحہ ۳۰۶

۵۲ : طبری: تاریخ صفحہ ۲۱۵۰ (حوادث ۲۳ھ)

۵۳ : ابو عبید: کتاب الاموال صفحہ ۱۶، یحییٰ ابنِ آدم: کتاب الخراج۔ صفحہ ۴۵

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلامی ریاست اور پیدا آور کاروبار

ذاتی ملکیت کو پیدا آور کاروبار میں لگانے کا محرک یہ ہے کہ ذاتی ملکیت میں اضافہ ہو اور انفرادی دولت بڑھے۔ اسی طرح قومی املاک کو پیدا آور کاموں میں لگانے کا مقصد یہ ہے کہ قومی دولت میں اضافہ ہو۔ ملک کی معاشی ترقی کا اہتمام اور قومی دولت میں اضافہ چاہنا اسلامی ریاست کی ایک اہم ذمّہ داری ہے۔ جیسا کہ ہم گیارھویں باب میں واضح کریں گے۔

اگر ریاست قومی املاک کو پیدا آور کاروبار میں نہ لگائے تو اجتماع ذرائع پیداوار کی ایک بھاری مقدار کی پیدا آوری سے محروم رہ جائے گا۔ اگر ریاست اپنی املاک کو مزید پیدائشِ دولت کے لیے استعمال کرے تو وہ اپنی بڑھتی ہوئی ضروریات کا ایک حصّہ اپنے پیدا آور کاروبار کے منافع سے پورا کر سکتی ہے۔ اگر اس نے ایسا نہ کیا تو اسے اپنی تمام ضروریات عوام سے محاصل وصول کر کے پوری کرنی ہوں گی۔ ایک تو ریاستی پیدا آور قوتوں کے بیکار رہنے کی وجہ سے قومی آمدنی اس سے کم ہو گی جتنی کہ وہ ان کے پیدا آور استعمال کے بعد ہوتی، اور دوسری طرف عوام پر محاصل کا بار بڑھنے کی وجہ سے بھی قومی آمدنی متاثر ہو گی۔ لہٰذا قومی املاک کا پیدا آور استعمال عوام کی معاشی بہبود کے لیے ضروری ہے۔

اسلامی ریاست کی املاک میں سرمایہ، زمین، معدنی دولت اور پانی کے ذخائر وغیرہ پیدا آور قوتیں شامل ہیں۔ سرمایہ کا پیدا آور استعمال یہ ہے کہ اسے محنت اور دوسرے عوامل پیدائش کو یکجا کرنے اور کام میں لگانے کے لیے استعمال کیا جائے۔ زمین کو زراعت اور مکانات کی تعمیر کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ معدنی صنعت، برق سازی اور آبپاشی کے لیے نہروں کی تعمیر کے ذریعہ بھی قومی پیداوار میں اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ رہا یہ سوال کہ ایسا کرنے کا طریقہ کیا ہو: ریاست اپنی املاک کو افراد کی تحویل میں دے کر ان سے بیت المال کے حق میں معاوضہ وصول کرنے کا طریقہ اختیار کرے۔ یا خود ان

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذرائع و وسائل کا پیداواری استعمال عمل میں لائے، تو یہ ایک انتظامی مسئلہ ہے۔ اس مسئلہ میں ریاست اسلام اور مسلمانوں کے مجموعی مفادات و مصالح کے لیے جو طریقہ بہتر سمجھے اختیار کر سکتی ہے۔ مختلف ملکوں میں، اور مختلف حالات میں، مختلف صنعتوں کے سلسلہ میں حسب ضرورت الگ الگ طریقے بھی اختیار کیے جا سکتے ہیں۔

قرنِ اوّل کی اسلامی ریاست کی معاشی پالیسیوں کے مطالعہ سے بھی یہی اصول سامنے آتے ہیں۔ اس دَور کی سادہ معیشت میں زراعت، تجارت اور دست کاری اہم پیداآور کام تھے۔ وہ مشینی صنعتوں کا دَور نہیں تھا۔ ذیل میں ہم ایسی نظیریں پیش کریں گے جن سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی ریاست اپنی املاک کو پیداآور کاروبار میں لگانے کا اہتمام کرتی تھی، اور وسائلِ پیداوار کو بیکار چھوڑ دینا نہیں پسند کرتی تھی۔ ریاست اپنی مملوکہ زمینوں کو خود اپنے ملازمین کے ذریعہ اپنا سرمایہ (یعنی آلاتِ زراعت، محنت کش جانور اور بیج) لگا کر کاشت کراتی تھی، مزارعت اور مساقات کے اصول پر اپنے کھیت اور باغ افراد کو دے کر ان سے پیداوار کا ایک حصہ وصول کرتی تھی، جنگلات اور ایسی جھیلوں کو جن میں مچھلیاں ہوتی تھیں ٹھیکہ پر دے کر اپنی آمدنی میں اضافہ کرتی تھی، اور اس بات کا اہتمام کرتی تھی کہ ریاست کی کوئی زمین بیکار نہ پڑی رہے۔ ریاست کے ضروری مصارف اور مستحقین کو امدادی رقوم اور عطایا تقسیم کرنے کے بعد جو فاضل سرمایہ بچ رہتا تھا اس میں مضاربت کے اصول پر تاجروں کو سرمایہ فراہم کیا جا سکتا تھا اور پیداآور کاروبار کے لیے قرضے بھی دیے جاتے تھے۔

جب شام اور عراق کی زمینیں فتح ہوئیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان تمام زمینوں پر جو خالصتہً ریاستی ملکیت (صوافی) قرار دے دی گئی تھیں ریاست کے زیرِ اہتمام کاشت کرائی[۵۱]۔ ان زمینوں سے بیت المال کو نو کروڑ[۵۲] یا سات کروڑ[۵۳] یا ایک روایت کے

---

[۵۱] : بلاذری: فتوح البلدان۔ صفحہ ۲۷۲-۲۷۳۔ طبع قاہرہ ۱۹۳۲ء
الماوردی: الاحکام السلطانیہ باب ۱۷، ابویعلی: الاحکام السلطانیہ صفحہ ۱۶۴ مطبع مصطفی حلبی مصر ۱۳۵۷ھ اور محمد ضیاء الدین ریس: الخراج فی الدولۃ الاسلامیہ۔ صفحہ ۱۴۰
[۵۲] : ماوردی اور ابویعلی۔ بحوالۂ بالا۔
[۵۳] : ابو یوسف: کتاب الخراج صفحہ ۶۸

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مطابق چار کروڑ درہم سالانہ آمدنی ہوتی تھی[۵۱]۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں یہ فیصلہ کیا کہ ان زمینوں کو بطورِ جاگیر افراد کے سپرد کر کے ان سے سالانہ لگان وصول کرنا زیادہ نفع بخش رہے گا۔ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا اور کہا جاتا ہے کہ ان زمینوں سے بیت المال کو ہونے والی آمدنی بڑھ کر پچاس کروڑ درہم سالانہ تک پہنچ گئی[۵۲]۔ اس قسم کی زمینوں کا ذکر کرتے ہوئے یحییٰ ابن آدم القرشی نے لکھا ہے:

"حسن نے کہا ہے کہ یہ زمینیں سارے مسلمانوں کی ملکیت ہیں۔ اور ان کا بندوبست امام کی صواب دید پر موقوف ہے۔ اگر وہ چاہے تو انھیں کسی ایسے شخص کے سپرد کر دے جو ان میں کاشت کرے اور اس کے عوض مسلمانوں کے بیت المال کو مالیہ ادا کرے، اور جو باقی بچے گا وہ اس کا ہوگا۔ اور اگر امام چاہے تو اس زمین پر مسلمانوں کے بیت المال میں سے خرچ کر کے کسی شخص کو ملازم رکھ لے جو اس پہ کام کرے (اس کی اُجرت وضع کرنے کے بعد) جو کچھ بچ رہے گا وہ مسلمانوں کا ہوگا۔ یا اگر امام چاہے تو یہ زمینیں کسی ایسے فرد کو بطور جاگیر دے دے جس نے مسلمانوں کی کوئی نمایاں خدمت انجام دی ہو[۵۳]۔"

بیت المال کی مملوکہ زمینوں کے سلسلہ میں اُبوالحسن علی الماوردی نے لکھا ہے کہ:

"امام کو ان زمینوں کے بارے میں موزوں ترین طریقہ کے انتخاب کا اختیار ہے کہ وہ چاہے تو انھیں بیت المال کے صرفہ پر زیرِ کاشت لائے، جیسا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے کیا تھا، یا کسی محنتی اور صاحبِ صلاحیت فرد کو ان پر کاشت کے لیے منتخب کرے جو اس کے عوض خراج ادا کرے گا، اس خراج کی مقدار پیداوار کی قلت اور کثرت کے لحاظ سے مقرر کی جاتی رہے گی۔ جیسا کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے کیا تھا[۵۴]۔"

---

۵۱ : ابویوسف، اور بلاذری : فتوح البلدان صفحہ ۲۷۲

۵۲ : ماوردی : الاحکام السلطانیہ۔ باب ۱۷، اور ابویعلیٰ : صفحہ ۲۱۴ - ۲۱۵

۵۳ : یحییٰ ابن آدم : کتاب الخراج صفحہ ۲۲

۵۴ : ماوردی : بحوالۂ بالا، صفحہ ۱۷۰، اور ابویعلیٰ : صفحہ ۲۱۵

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان سرکاری زمینوں کی پیداوار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے ریاست کی آمدنی کا ایک مستقل ذریعہ بن گئی۔ بعد میں ریاست کو اپنی مملوکہ زمینوں پر بنے ہوئے مکانوں اور دکانوں سے کرایہ کی آمدنی بھی ہونے لگی۔ اُموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کے زمانہ میں ہمیں "دیوان المستغلات" کے نام سے ایک نئے دفتر کے قیام کا ذکر بھی ملتا ہے جو اس طرح کی املاک اور ان سے ہونے والی آمدنی کا حساب رکھنے کے لیے قائم کیا گیا تھا۔

ریاست کی زمینوں کو بٹائی پر دینا بھی ان کے پیداآور استعمال کا ایک نفع بخش طریقہ ہے۔ یہ طریقہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار کیا تھا۔ جب خیبر فتح ہوا تو اس کی زمین ریاست کی طرف سے اہل خیبر کو نصف پیداوار لینے کی شرط پر کاشت کے لیے دی گئی۔ یہی طریقہ حضرت ابوبکر اور پھر حضرت عمر کی خلافت کے ابتدائی دور میں بھی زیر عمل رہا۔

یہی طریقہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ریاست کی مملوکہ دوسری زمینوں کے سلسلہ میں بھی اختیار کیا، جیسا کہ ذیل کی روایت سے معلوم ہوتا ہے:

"حسن بن عمارہ نے محمد بن عبداللہ سے، انہوں نے عبد بن سابط سے اور انہوں نے یعلیٰ ابن امیہ سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ انہوں نے کہا: جب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مجھے سرزمین نجران کے ــــ یعنی اس نجران کے جو یمن کے قریب ہے ــــ خراج کی تحصیل پر مامور کر کے بھیجا تو میرے پاس یہ حکم بھیجا کہ ہر اُس زمین کا جائزہ لو جس کے مالک اسے چھوڑ کر چلے گئے ہیں، پھر ان میدانی علاقوں کا جائزہ لو جن کو آسمان سیراب کرتا ہے یا جن کو بہتے ہوئے پانی سے سیراب کیا جاتا ہے۔ ایسی زمینوں میں جو کھجور کے درخت یا اور درخت ہوں ان کو ان لوگوں کے حوالہ کر دو، وہ ان کی نگرانی اور سینچائی کریں گے،

---

۵۱ : محمد ضیاء الدین الریس : الخراج فی الدولۃ الاسلامیہ۔ صفحہ ۲۰۱

۵۲ : " " " : " " " ۔ " ۲۱۱

۵۳ : ابو یوسف : کتاب الخراج۔ صفحہ ۱۰۶

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ ان سے جو کچھ پیدا کرے گا۔ اس میں سے عمر اور مسلمانوں کا حصّہ دو تہائی ہوگا اور ان کا ایک تہائی۔ ان میں سے جن کی سینچائی ڈول سے کی جاتی ہو اس میں دو تہائی ان کا ہوگا اور ایک تہائی عمر اور مسلمانوں کا۔ میدانی علاقوں کو بھی ان کے حوالہ کرو کہ وہ ان میں کاشت کریں۔ جو علاقے بہتے ہوئے پانی سے سینچے جاتے ہوں یا جن کو آسمان سیراب کرتا ہو ان کی پیداوار میں سے ان کے لیے ایک تہائی ہوگا اور عمر اور مسلمانوں کے لیے دو تہائی۔ اور جو میدان ڈول کے ذریعہ سینچے جاتے ہوں ان کی پیداوار میں ان لوگوں کے لیے دو تہائی ہوگا اور عمر اور مسلمانوں کے لیے ایک تہائی"[1]

ایک دوسری روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات زمین کے علاوہ ہل، بیل اور بیج بھی ریاست کی طرف سے فراہم کیے جاتے تھے اور کاشت کار سے پیداوار کا ایک حصّہ وصول کیا جاتا تھا۔ اس روایت کے مطابق حضرت عمر نے یعلیٰ ابن امیہ کو یہ لکھا تھا کہ وہ:

"ان لوگوں کو پڑتی زمینیں اس شرط پر کاشت کے لیے دیں کہ اگر بیل، بیج اور لوہا (یعنی ہل) عمر کی طرف سے فراہم کیا جائے گا تو عمر کا حصّہ (پیداوار کا) دو تہائی ہوگا اور ان کا حصّہ ایک تہائی ہوگا۔ اور اگر بیل، بیج اور لوہا اُن کا ہوگا تو نصف پیداوار عمر کے لیے ہوگی اور نصف ان لوگوں کے لیے"[2]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی زمینوں کو نصف پیداوار لینے کی شرط پر کاشت کے لیے دیتے تھے[3]

بخاری کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر عام طور پر اس طریقہ پر عمل کرتے تھے:

---

[1]: ابو یوسف: کتاب الخراج۔ صفحہ ۸۹-۹۰

[2]: ابو جعفر محمد بن احمد الطحاوی: شرح معانی الآثار، جلد ۲، صفحہ ۲۶۱، مطبع مصطفائی دہلی ۱۳۰۲ھ

[3]: " " " : " " " ۲۶۲ " " " "

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"حضرت عمرؓ نے لوگوں سے اس شرط پر (مزارعت کا) معاملہ کیا کہ بیج عمرؓ کی جانب سے دیے جائیں تو آدھی پیداوار ہوگی۔ اور اگر لوگ بیج خود فراہم کریں تو ان کے لیے پیداوار کا فلاں حصہ ہوگا۔"[۵۱]

امام ابو یوسف نے لاوارث زمینوں کے بارے میں، جو ریاست کی ملکیت میں داخل ہو جاتی ہیں، خلیفہ ہارون الرشید کو یہ مشورہ دیا تھا کہ:

"میری رائے یہ ہے کہ آپ ان اراضی کو ایسے قابضوں کے ہاتھ سے نکالی لینے کا حکم جاری کریں جو اُن (کے منافع) کو خود کھاتے اور دوسروں کو کھلاتے ہیں۔ آپ کسی متدین مزاج، صاحب امانت اور معتمد علیہ فرد کو ایسی زمینوں کا نگران مقرر کر دیجیے۔ اس نگران کو یہ حکم دیجیے کہ ان زمینوں سے متعلق امور کی انجام دہی کے لیے بھروسے کے قابل افراد کا تقرر عمل میں لائے ان زمینوں کی ساری آمدنی مسلمانوں کے بیت المال میں داخل کر دی جایا کرے جب تک کہ کوئی شخص اس میں سے کسی چیز کا حق دار ہونے کا دعویٰ نہ کرے کیونکہ جو مسلمان کوئی وارث چھوڑے بغیر وفات پا جائے اس کا مال بیت المال کی ملکیت ہو جاتا ہے۔"[۵۲]

ان نظائر اور فقہاء کی ان تصریحات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ کہ اسلامی ریاست اپنی زمینوں کے پیداآور استعمال، اور ان کے ذریعہ مزید آمدنی حاصل کرنے کے لیے، ان کو ریاست کے زیر اہتمام کاشت بھی کرا سکتی ہے اور ان کو مزارعت کے اصول پر افراد کو بھی دے سکتی ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے ایک اثر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بات کی کوشش کی جاتی تھی کہ ریاست کی زمینوں میں سے کوئی زمین بیکار نہ پڑی رہے۔

"عمر بن عبدالعزیز سے مروی ہے کہ انہوں نے یہ لکھا کہ "تمہارے ہاں جو صافیہ

---

[۵۱] : بخاری : ابواب الحرث والمزارعہ۔ باب المزارعۃ بالشطر ونحوہ۔

[۵۲] : ابو یوسف : کتاب الخراج صفحہ ۲۲۰-۲۲۱

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیجئی ریاست مخصوص کی ہوئی زمینیں ہوں ان کا جائزہ لو، اور انھیں نصف پیداوار خود لینے کی شرط پر بٹائی پر دے دو۔ جو زمینیں اس شرط پر نہ اٹھیں ان کو تہائی پیداوار وصول کرنے کی شرط پر دو۔ جو زمینیں اس شرط پر بھی نہ لی جائیں ان کو اس سے کم نسبتوں پر دو۔ یہاں تک کہ پیداوار کا دسواں حصّہ خود لینے کی شرط پر بھی جو زمین کاشت کے لیے لی جائے اسے دے دو۔

جس زمین کو کوئی (اتنی کم پیداوار ریاست کو دینے کی شرط پر) بھی لینے کو تیار نہ ہو اُسے مفت کاشت کرنے کے لیے دے دو۔ اگر کوئی اس پر بھی کوئی کاشت کے لیے تیار نہ ہو تو ایسی زمینوں پر بیت المال کے صرف سے کاشت کراؤ۔ اور تم کوئی زمین کسی سے زبردستی نہ چھینو۔"[۱]

جنگلات کو، جن میں بانس اور نرکل پائے جاتے تھے۔ ٹھیکہ پر دینے کی نظیر بھی ملتی ہے:

"ہمیں علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ آپ نے بُرس کے جنگل کا معاوضہ چار ہزار درہم (سالانہ) مقرر کیا تھا اور ان (ٹھیکہ داروں) کو ایک تحریر چمڑے پر لکھ کر دی تھی درحقیقت آپ نے ان لوگوں کو یہ جنگل اس کے اندر پائے جانے والے بانس اور نرکل کے ٹھیکہ کے طور پر دیا تھا۔"[۲]

زیرِ آب جھاڑیوں اور جھیلوں میں پائی جانے والی مچھلیوں کو بھی ریاست کی طرف سے فروخت کیا جاتا تھا:

"ابوالزناد سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا میں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو خط لکھ کر عراق کی ایک جھیل کے بارے میں، جس میں مچھلیاں جمع ہوجاتی تھیں، یہ دریافت کیا کہ کیا ہم اسے کرایہ پر دیں، تو آپ نے جواب میں لکھا

---

[۱] : یحییٰ ابن آدم القرشی: کتاب الخراج۔ صفحہ ۶۲-۶۳

[۲] : ابو یوسف: کتاب الخراج۔ صفحہ ۱۰۴

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ ہاں، ایسا ہی کرو۔"[1]

"اور ہم سے ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حماد سے روایت کرتے ہوئے یہ بیان کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ میری درخواست پر عبدالحمید بن عبدالرحمٰن نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو لکھ کر جھاڑیوں میں پائے جانے والے شکار کی فروخت کے بارے میں دریافت کیا تو عمر نے ان کو لکھ بھیجا کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ اور آپ نے اسے 'حبس' کا نام دیا۔"[2]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے دور میں بیت المال کی ساری آمدنی مستحقین کی امداد اور مجاہدین کے وظائف کے طور پر تقسیم کر دی جاتی تھی، اور عام پالیسی یہ تھی کہ بیت المال میں فاضل مال نہ رکھا جائے۔ ان حالات میں اس کی مثالیں نہیں ملتیں کہ عام طور پر تاجروں کو مضاربت کے اصول پر بیت المال سے نقد سرمایہ فراہم کیا جاتا رہا ہو لیکن ذیل کی نظیر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسا کیا جا سکتا ہے:

"زید بن اسلم نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: عمر بن خطاب کے دو لڑکے عبداللہ اور عبیداللہ ایک لشکر کے ساتھ عراق گئے۔ واپسی میں یہ ابو موسیٰ اشعری کے یہاں سے گذرے جو بصرہ کے امیر تھے۔ انہوں نے ان کی بڑی آؤ بھگت کی اور کہا کہ اگر میں کسی کام کے ذریعہ تم کو کچھ نفع پہنچا سکتا تو ضرور ایسا کرتا۔ پھر انہوں نے کہا: ہاں! کیوں نہیں، یہ اللہ کے مال میں سے کچھ مال ہے جسے میں امیر المؤمنین کے پاس بھیجنا چاہتا ہوں۔ میں اسے تمہیں بطور قرض دیتا ہوں۔ اس کے ذریعہ تم عراق کی اشیاء تجارت میں سے کچھ چیزیں خرید لو اور انہیں مدینہ جا کر فروخت کر دینا۔ اصل سرمایہ امیر المؤمنین کے حوالہ کر دینا اور نفع تمہیں مل جائے گا۔ یہ سن کر دونوں نے کہا کہ ہمیں منظور ہے۔ ابو موسیٰ نے ایسا ہی کیا اور امیر المؤمنین کو لکھ بھیجا

[1]: ابو یوسف: کتاب الخراج، صفحہ ۱۰۴

[2]: 〃 〃 : 〃 〃

www.KitaboSunnat.com

کہ ان سے وہ مال لے لیں۔ جب یہ دونوں مدینہ آئے تو انھوں نے وہ چیزیں فروخت کیں اور نفع کمایا۔ جب انھوں نے یہ معاملہ عمر بن خطاب کے سامنے پیش کیا تو آپ نے پوچھا: کیا ابو موسیٰ نے جو تمہیں قرض دیا تھا وہی لشکر کے ہر فرد کو بھی قرض دیا تھا۔ انھوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ عمر بن خطاب نے کہا کہ تم دونوں امیرالمؤمنین کے بیٹے ہو اس لیے انھوں نے تم کو قرض دیا۔ تم اصل سرمایہ اور نفع دونوں ادا کرو۔ عبداللہ تو چپ رہے لیکن عبیداللہ نے کہا کہ اے امیرالمؤمنین آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ اگر (خسارہ ہوتا اور) اصل مال میں کچھ کمی ہو جاتی تو ہم اس کے دینے کے ذمّہ دار ہوتے۔ حضرت عمرؓ نے پھر بھی کہا کہ (اصل اور نفع دونوں) ادا کرو۔ عبداللہ پھر خاموش رہے اور عبیداللہ نے پھر انھیں وہی جواب دیا۔ پھر عمرؓ کے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے ایک آدمی نے کہا کہ اے امیرالمؤمنین اگر آپ اسے قراض (مضاربت) قرار دے دیں (تو مناسب رہے گا)۔ حضرت عمرؓ نے کہا اچھا، میں نے اسے قراض قرار دیا۔ چنانچہ اصل مال اور آدھا نافع حضرت عمرؓ نے لے لیا اور آدھا منافع عبداللہ اور عبیداللہ کو مل گیا۔[۱]

اگر بیت المال کے مال کو نفع میں شرکت کے اصول پر کسی تاجر کو دینے کی کوئی گنجائش نہ ہوتی تو حضرت عمرؓ یہ طریقہ اختیار نہ کرتے۔ اس نظیر سے ہمیں اس اصول کے حق میں پورا اطمینان ہو جاتا ہے کہ شریعت نے اسلامی ریاست کو اپنے سرمایہ کے ذریعہ نفع کمانے سے نہیں روکا ہے۔ ہر مالک کی طرح اسلامی ریاست کو بھی اپنے مال کے نفع آور استعمال کا حق حاصل ہے۔

بیت المال سے تجارتی اغراض کے لیے قرض دینے کی بھی مثالیں ملتی ہیں۔ اگرچہ یہ قرضے ریاست کے حق میں "نفع بخش کاروبار" کی حیثیت نہیں رکھتے لیکن ان کے ذریعہ ملک میں پیدا آور کاروبار بڑھتا ہے، اور قومی آمدنی میں اضافہ ہوتا ہے۔ ان مثالوں سے یہ معلوم

---

[۱]: امام مالک: موطا، کتاب القراض

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوتا ہے کہ قرنِ اوّل کی اسلامی ریاست معیشت کے اس سادہ دَور میں بھی اپنے فاضل نقد سرمایہ کو بیکار جمع رکھنے کے بجائے پیداآور کاموں میں لگانے کے لیے دیتی تھی۔

تجارت کے لیے سرکاری خزانہ سے قرض دینے کی ایک مثال اوپر گزر چکی ہے۔ حضرت ابُوموسیٰ اشعریؓ ایک اہم علاقہ کے گورنر ہونے کے ساتھ ایک صاحبِ تفقّہ صحابی بھی تھے۔ دُوسری مثال خود مرکزی بیت المال سے قرض دینے کی ہے:

"عتبہ کی بیٹی ہندہ نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آکر چار ہزار درہم اس لیے قرض مانگے کہ وُہ ان کے ذریعہ تجارت کریں گی۔ انھوں نے اس قرض کی واپسی کی ضمانت لی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے انہیں قرض دے دیا۔ وہ اس تجارت کے سلسلہ میں بلادِ کلب گئیں اور وہاں خرید و فروخت کی۔ پھر انہیں یہ خبر ملی کہ (ان کے سابق شوہر) ابوسفیان اور عمرو بن ابی سفیان معاویہ کے پاس (شام) آئے ہوئے ہیں تو وہ بلادِ کلب سے ان کے پاس چلی گئیں۔ وہ معاویہ کے پاس آئیں۔ ابوسفیان ان کو طلاق دے چکے تھے۔ معاویہ نے پوچھا کہ والدہ محترمہ آپ کیسے تشریف لائیں۔ انھوں نے کہا تمھیں دیکھنے کے لیے آگئی .... اور یہ سب لوگ ساتھ واپس آئے۔ ابُوسفیان نے ہندہ سے دریافت کیا کہ کیا تجھے نفع ہوا؟ انھوں نے جواب دیا کہ اللہ بہتر جانتا ہے، میرے ساتھ مدینہ کے لیے کچھ مالِ تجارت ہے۔ جب وہ مدینہ آئیں اور وُہ مال فروخت کیا تو تجارت میں گھاٹے کا شکوہ کرنے لگیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے کہا کہ اگر یہ میرا مال ہوتا تو میں چھوڑ دیتا مگر یہ مسلمانوں کا مال ہے، اور اس کام میں ابُوسفیان کا مشورہ بھی شامل رہا ہے۔ چنانچہ آپ نے ابوسفیان کو بلوا بھیجا اور انھیں اس وقت تک روکے رکھا جب تک ہندہ نے پورا قرض نہ واپس کر دیا[۱]......"

ایک روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہونے کے زمانہ

---

[۱] : طبری: تاریخ صفحہ ۲۷۶۶۔ حوادث سنہ ۲۳ھ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں تجارت بھی کرتے تھے۔ اگرچہ آپ نے تجارت کے لیے بیت المال سے قرض لینے کے بجائے ایک فرد سے قرض لیا۔ لیکن اس روایت سے یہ واضح ہے کہ بیت المال سے بھی تجارتی اغراض کے لیے قرض لیا جا سکتا ہے۔[۵۱]

اسی طرح حضرت سعد بن وقاص نے بھی بیت المال سے حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں قرض لیا تھا۔ سعد بن وقاص تجارت کرتے تھے، اور یہ قرض حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کوفہ میں دیا تھا۔[۵۲]

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے عراق کے والی عبدالحمید بن عبدالرحمٰن کو یہ لکھا تھا، کہ بیت المال میں بچے ہوئے مال میں سے غیر مسلم کاشتکاروں کو قرض دیں تاکہ وہ اپنی زمینوں کو بہتر بنا سکیں اور کاشت کر سکیں۔[۵۳]

قرنِ اول کے ان نظائر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی ریاست کو اپنی پیداآور املاک کا پورا پورا استعمال عمل میں لانا چاہیے تاکہ مسلمانوں کی اجتماعی دولت میں اضافہ ہو۔ اور خلقِ خدا کے لیے وسائلِ حیات کی فراوانی عمل میں آئے۔ یہ نظائر ایک زرعی معیشت سے تعلق رکھتے ہیں اور موجودہ دور میں صنعت کا غلبہ ہے۔ اس دور کی اسلامی ریاست نے اپنی زرعی املاک کو پیدائشِ دولت کے لیے استعمال میں لانے اور ان املاک کے ذریعہ آمدنی حاصل کرنے کا جتنا اہتمام کیا ہے، اس سے دورِ جدید میں یہ سبق حاصل کیا جا سکتا ہے کہ اسلامی ریاست کو اپنے زرعی وسائل کے ساتھ اپنے صنعتی وسائل کو بھی پوری طرح استعمال میں لانا چاہیے اسے چاہیے کہ ملک کی معاشی خوشحالی کے لیے پیداآور صنعتی کام خود کرے اور افراد سے کرائے، اور اپنے مال و املاک کو ریاست کی آمدنی میں اضافہ کا ذریعہ بنائے۔

---

۵۱ : محمد ابن سعد : طبقات جلد ۳۔ صفحہ ۲۷۸۔ عن ابراہیم

۵۲ : طبری : تاریخ۔ صفحہ ۲۸۱۱ (حوادث ۳۲ھ)

۵۳ : ابو عبید : کتاب الاموال صفحہ ۲۵۱

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دسواں باب

ریاست کے مالکانہ حقوق کے حدود

افراد کی طرح ریاست بھی اپنے مالکانہ حقوق کے استعمال میں چند حدود کی پابند ہے۔ ان حدود کا منشاء یہ ہے کہ یہ حقوق انسانی ملکیت کے شرعی مقاصد کے تابع رہیں اور ریاستی املاک عوام کے مفادات و مصالح کی خاطر استعمال کی جائیں۔

پانچویں باب میں حقِ ملکیت کے جن حدود کا مطالعہ کیا جا چکا ہے ان کا اطلاق ریاست کے مالکانہ حقوق پر بھی ہوتا ہے۔ ریاست کو اضاعتِ مال، اسراف اور تبذیر سے اجتناب کرنا چاہیے اور اپنی املاک پر تصرف، ان کے انتقال اور ان کے نفع آور استعمال میں ایسے طریقے نہیں اختیار کرنے چاہییں جو دوسروں کے لیے مضرت رساں ہوں۔ اپنے کاروباری اعمال میں ریاست بھی اُن حدود کی پابند ہے جو شریعت نے ہر کاروباری کے لیے مقرر کر دیے ہیں۔ اس اصولی بیان کے بعد یہ ضروری نہیں رہ جاتا کہ ہم تفصیل کے ساتھ ان اصولوں کا اعادہ کریں۔ ذیل میں ہم بعض ایسے حدود کا مطالعہ کریں گے جو ریاست کے لیے خصوصی اہمیت رکھتے ہیں:

۱۔ ریاست کے جملہ مالکانہ تصرفات حق پر مبنی اور شرعی مقاصد کے تابع ہونے چاہییں۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ب ۔ زکوٰۃ اور عشر سے ہونے والی آمدنی کو متعینہ شرعی غرض کے لیے اس کے مقررہ مستحقین پر صرف کیا جانا چاہیے ۔

ج ۔ ریاست ان عام مشترک املاک کو کسی فرد یا قوم کی ملکیت میں منتقل نہیں کر سکتی جن کو اس نے اپنے لیے مخصوص کر لیا ہو ۔ اسی طرح اسے ان املاک کے سلسلہ میں بھی حق انتقال نہیں حاصل ہے جو سارے مسلمانوں کے لیے وقف کی حیثیت رکھتی ہیں ، اور اس کی نگرانی میں دی گئی ہیں ۔

د ۔ قابلِ انتقال ریاستی املاک اور مال کو افراد یا اداروں کی طرف منتقل کرنے میں ریاست کو اجتماع کے مجموعی مصالح کو سامنے رکھنا چاہیے اور امتیازی سلوک ، طبقاتی تفریق اور مضرت رسانی سے اجتناب کرنا چاہیے ۔

(ل) مبنی بر حق شرعی تصرفات

ریاست کے مالکانہ حقوق کے شرعی مقاصد اسلام ، مسلمانوں اور عام خلقِ خدا سے متعلق وہ دینی اور دنیوی امور ہیں جن کی انجام دہی اس کے ذمہ ہے ۔ اس طرح کارکنانِ ریاست کے ذاتی اغراض و مصالح ، شان و شوکت اور شاہانہ انعام و اکرام وغیرہ ریاست کے دائرۂ اختیار سے باہر قرار پا جاتے ہیں ۔ ریاست پر قانونِ الٰہی کے نفاذ ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ، اسلام کی تبلیغ و اشاعت ، عوام کی تعلیم و تربیت ، دفاع اور جہاد فی سبیل اللہ ، کفالتِ عامہ اور دوسرے فرائض کفایہ کے تحت جو ذمہ داریاں عائد کی گئی ہیں انہی کی ادائیگی کے لیے اسے اپنے مال و املاک کا استعمال عمل میں لانا چاہیے ۔ کارکنانِ ریاست یا دوسرے افراد کو یہ مال اسی شکل میں دیا جا سکتا ہے جب وہ ریاست کی خدمت یا اپنی احتیاج کی بنا پر اجر یا امداد کے مستحق ہوں ۔

اس اصول کی اہمیت قرونِ وسطیٰ کی تاریخ کے پس منظر میں زیادہ اچھی طرح سمجھی جا سکتی ہے جبکہ سرکاری خزانہ بادشاہوں یا نام نہاد خلفاء کے صرف خاص کے لیے بھی کھلا ہوا تھا ۔ جسے وہ شاہانہ کر و فر ، عیش و عشرت اور داد و دہش کے لیے استعمال

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرتے تھے۔ دورِ حاضر میں بھی عمالِ حکومت کو ایسے اخراجات کرنے کا موقع ملتا رہتا ہے جن کا مفادِ عامہ یا خدمت و اشتیاج سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس طرح ریاست کے اموال کا ایک حصہ افراد کے ایک مخصوص گروہ کے لیے وقف ہو جاتا ہے اور اس کے اصل مستحق یعنی عوام اس کی فیض رسانی سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اس بارے میں اسلام کا اصول حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس اعلان سے واضح ہے:

"ایھا الناس! انہ لم یبلغ ذو حق فی حقہ ان یطاع فی معصیۃ اللہ۔ و انی لا اجد ھذا المال یصلحہ الا خصال ثلاث۔ ان یؤخذ بالحق، و یعطی فی الحق، و یمنع من الباطل و انما انا و مالکم کولی الیتیم، ان استغنیت استعففت و ان افتقرت اکلت بالمعروف"[1]

"اے لوگو! اطاعت کے مستحق کسی فرد کا مقام اتنا بلند نہیں کہ اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے اس کی اطاعت کی جائے۔ مجھے اس مال کے سلسلہ میں تین ہی باتیں مناسب نظر آتی ہیں۔ اسے حق کے ساتھ وصول کیا جائے اور حق کے مطابق تقسیم کیا جائے اور باطل سے روکا جائے۔ تمہارے مال کے سلسلہ میں میری حیثیت کسی یتیم کے سرپرست کی ہے، اگر میں اس کا ضرورت مند نہ رہا تو اس سے دست کش رہوں گا اور اگر ضرورت مند ہو گیا تو اس میں سے معروف کے مطابق کھاؤں گا۔"

قرآن و سنت کا گہرا مطالعہ اور اسلام کی مزاج شناسی اسلامی ریاست میں قانون سازی، نفاذِ قانون اور انتظامیہ کے ذمہ دار افراد، اور اس کی عدلیہ کے ارکان کو اس بات کا علم عطا کرے گی کہ شریعت کی نظر میں کون سے مقاصد معتبر ہیں اور کون سے مقاصد معتبر نہیں ہیں۔ مبنی برحق تصرفات سے مراد شرعاً معتبر مقاصد اور مصالح کے لیے

[1] : ابو یوسف: کتاب الخراج۔ صفحہ ۱۴۰

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیے جانے والے تصرفات ہیں (جن میں سے بعض مقاصد پر ہم اگلے باب میں گفتگو کریں گے) باطل تصرفات وہ ہیں جن سے فساد فی الارض، ضیاع مال، یا ترف اور عیش کوشی مقصود ہو۔ یا جن کے سبب براہِ راست یا بالواسطہ اہم مقاصد شریعت کا معطل ہو جانا لازم آتا ہو۔

(ب) عشر و زکوٰۃ کے متعینہ مصارف

شریعت نے عشر اور زکوٰۃ سے ہونے والی آمدنی کے مصارف متعین کر دیے ہیں اور اسلامی حکومت اس سلسلہ میں صرف وصول کرنے اور تقسیم کر دینے والے درمیانی ایجنٹ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس آمدنی سے مصارفِ حکمرانی (Cost of Government) نہیں پورے کیے جا سکتے۔ زکوٰۃ اور عشر کی آمدنی سے صرف اس محکمہ کے مصارف پورے کیے جا سکتے ہیں جو زکوٰۃ اور عشر کی تحصیل اور تقسیم کا ذمہ دار ہو۔ عام عمالِ حکومت اور فوج کے ملازمین کو اس مد سے معاوضے نہیں دیے جا سکتے۔

"والیوں اور قاضیوں کے مشاہرے زکوٰۃ کے مال میں سے نہ دیجیے۔ صرف اسی والی کو اس مال میں سے مشاہرہ دیجیے جو زکوٰۃ (کی تحصیل و تقسیم) پر مامور ہو۔"[1]

"صدقہ...... مسلمانوں کے اموال کی زکوٰۃ ہے، اس کے مصارف وہ آٹھ مدات ہیں جن کا ذکر اللہ تبارک و تعالیٰ نے سورہ برأت میں فرمایا ہے۔ یہ مال فوجیوں کو وظیفے دینے پر نہیں صرف کیا جا سکتا۔"[2]

زکوٰۃ اور عشر کے مال کی اصولی نوعیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں واضح کر دی ہے کہ:

"تؤخذ من اغنیاءکم فتُرَدُّ فی فقراءکم"[3]

یہ مال تمہارے مالدار لوگوں سے لیا جاتا ہے اور تمہارے اندر جو ضرورت مند لوگ

---

[1]: ابو یوسف: کتاب الخراج۔ صفحہ ۲۲۲

[2]: ابو عبید: کتاب الاموال۔ صفحہ ۲۵۸ - ۲۵۹

[3]: " " " صفحہ ۵۹۵ نیز ملاحظہ ہو بخاری، کتاب الزکوٰۃ۔ باب اخذ الصدقۃ من الاغنیاء وترد فی الفقراء حیث کانوا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوں ان کو دے دیا جاتا ہے۔[۱]

اس وضاحت کی روشنی میں زکوٰۃ و عشر کی نوعیت ایک ایسے محصول کی ہے جس سے اہلِ حاجت کی حاجت برآری اور کفالتِ عامہ کی خاطر تقسیمِ دولت کے اندر ایک گونہ ہمواری پیدا کرنا مقصود ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اموالِ زکوٰۃ کے مستحقین متعین کر دیے ہیں:

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ، وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ۔

(توبہ : ۶۰)

صدقات صرف فقیروں، مسکینوں، صدقات (کی تحصیل و تقسیم) پر مامور عمّال، اور ان لوگوں کے لیے ہیں جن کی تالیفِ قلب مقصود ہو۔ نیز یہ گردنیں چھڑانے کے لیے، مقروض افراد کے لیے، راہِ خدا میں صرف کرنے کے لیے اور مسافروں کے لیے ہیں۔

زکوٰۃ اور عشر سے ہونے والی آمدنی صرف آٹھ مدات پر صرف کی جا سکتی ہے:

۱۔ فقراء وہ لوگ جو اپنی گذر بسر کے لیے دوسروں کی مدد کے محتاج ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو نصاب سے کم مال رکھتے ہیں۔ اگر صاحبِ نصاب ہیں تو اتنے مقروض ہیں کہ قرضہ وضع کرنے کے بعد صاحبِ نصاب نہیں رہ جاتے۔

۲۔ مسکین وہ سفید پوش لوگ ہیں جو ضرورت مندی اور تنگ دستی میں مبتلا ہوتے ہیں مگر عام طور پر دوسرے ان کی حالت کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ نہ یہ خود دوسروں کے سامنے دستِ سوال دراز کرتے ہیں[۱]۔ بظاہر ان کی معاشی حالت "فقراء" سے اچھی ہوتی ہے لیکن درحقیقت یہ اس بات کے زیادہ مستحق ہوتے ہیں کہ ان کی مدد کی جائے۔ کیونکہ ان کی شرافت ان کو مانگتے پھرنے یا اپنا حال ظاہر کرنے سے باز رکھتی ہے۔

---

[۱] : بخاری: کتاب الزکوٰۃ۔ باب قول اللہ تعالیٰ لا یسئلون الناس الحافا۔۔۔۔ اور ابوداؤد: کتاب الزکوٰۃ۔ باب من یعطی من الصدقۃ۔۔۔۔، نسائی: کتاب الزکوٰۃ تفسیر المسکین

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۳۔ 'عامِلِیْنَ عَلَیْھَا' سے مراد وہ لوگ ہیں جو زکوٰۃ کے وصول کرنے، محفوظ رکھنے، تقسیم کرنے اور اس کا حساب کتاب رکھنے کا کام کرتے ہوں۔

۴۔ 'مؤلفۃ القلوب' سے مراد وہ لوگ ہیں جو نئے نئے اسلام میں داخل ہوں اور ان کو اسلام سے وابستہ رکھنے اور اس کی خدمت کرنے پر آمادہ کرنے کے لیے مال دیا جائے، اور وہ غیر مسلم جن کو اسلام سے مانوس کرنے اور اس میں داخل ہونے پر آمادہ کرنے کے لیے مال دیا جائے، یا اس لیے مال دیا جائے کہ ان کی قوم میں جو لوگ مسلمان ہوئے ہوں ان کی دشمنی نہ کریں۔ غیر مسلموں کو اسلام کی دشمنی سے باز رکھنے، دوسرے غیر مسلموں کے مقابلہ میں ان کی مدد حاصل کرنے اور فی الجملہ اسلامی ریاست کے مفاد کی ترویج کے لیے بھی مال دینا اس مد کے تحت آتا ہے۔[۱]

۵۔ 'فی الرقاب' کا مطلب یہ ہے کہ غلاموں کو مالی امداد دے کر ان کو آزاد کرایا جائے۔ مکاتب غلام بدرجہ اولی اس میں شامل ہیں جو اپنے مالکوں سے ایک متعین رقم ادا کر کے آزادی حاصل کر لینے کا معاہدہ کر لیں۔[۲] جو مسلمان قیدی دشمن کے پاس ہوں ان کا فدیہ ادا کر کے ان کو آزاد کرانا بھی اس کے تحت آتا ہے۔ اس مد سے مسلمان غلاموں کو خرید کر بھی آزاد کیا جا سکتا ہے۔[۳]

۶۔ 'غارمین' سے مراد قرض یا تاوان کے بارسے دبے ہوئے ایسے لوگ ہیں جو اگر اپنا پورا قرض ادا کریں تو صاحب نصاب نہ رہ جائیں۔

۷۔ 'فی سبیل اللہ' سے مراد جہاد فی سبیل اللہ ہے خواہ وہ تلوار سے ہو یا قلم و زبان سے، یا ہاتھ پاؤں کی محنت اور دوڑ دھوپ سے۔ سلف میں سے کسی نے بھی اس لفظ کو رفاہِ عام کے معنی میں نہیں لیا ہے۔ ان کے نزدیک بالاتفاق اس کا مفہوم

---

[۱]: ابن تیمیہ: السیاستہ الشرعیہ۔ صفحہ ۵۴ - ۵۵

[۲]: " : " " صفحہ ۳۷

[۳]: ابو عبید: کتاب الاموال صفحہ ۶۰۹۔ احناف کے نزدیک زکوٰۃ کی مد سے صرف مکاتب غلام کو دیا جا سکتا ہے۔ غلام خرید کر آزاد نہیں کیا جا سکتا۔ ملاحظہ ہو جصاص: احکام القرآن، جلد ۳ صفحہ ۱۲۴

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان ساعی تک محدود ہے جو خدا کے دین کو قائم کرنے، اس کی اشاعت کرنے اور اسلامی مملکت کا دفاع کرنے کے لیے کی جائیں۔[۵۱]

۸۔ ابن السبیل یعنی مسافر خواہ وہ اپنے گھر میں غنی ہو لیکن حالت سفر میں ہونے کی وجہ سے مدد کا محتاج ہو تاکہ اپنی ضروریات کی تکمیل کے علاوہ گھر تک پہنچنے کا انتظام کر سکے۔

صدقات کی مد سے دی جانے والی امداد صرف مسلمانوں کے لیے مخصوص ہے۔ اپنی غیر مسلم رعایا کی کفالت کے لیے اسلامی حکومت دوسری مدات کی آمدنی کو کام میں لا سکتی ہے۔ البتہ بعض روایات میں زکوٰۃ کی مد سے غیر مسلم اہل حاجت کی امداد کا بھی ذکر آتا ہے۔[۵۲]

کسی علاقہ میں وصول کیے جانے والے عشر و زکوٰۃ کے مال کو اس علاقہ سے باہر دوسرے علاقوں میں تقسیم کرنا صرف اسی صورت میں مناسب ہے جب اس علاقہ کے مستحقین کی امداد کے بعد مال فاضل بچ رہے۔[۵۳]

قرن اول کے نظائر سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ اور عشر کی آمدنی کو سال بسال اس کے مستحقین پر صرف کر دینے کا اہتمام کیا جاتا تھا، اور اسے بیت المال میں جمع رکھنا پسند نہیں کیا جاتا تھا۔[۵۴]

ان تصریحات سے یہ اصول واضح ہوتا ہے کہ اموال زکوٰۃ کے سلسلہ میں ریاست کے مالکانہ حقوق، محض برائے نام ہیں ورنہ اس کی اصل حیثیت، معاشرہ کے مال دار افراد سے ان کی زائد از ضرورت دولت کے ایک حصہ کو معاشرہ کے ضرورت مند طبقہ کی طرف منتقل کر دیے جانے والے مال کی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات بالکل واضح کر دی ہے کہ خود اسلامی ریاست بھی مصارف زکوٰۃ میں کوئی ترمیم و اضافہ نہیں کر سکتی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقررہ

۵۱: سید ابو الاعلیٰ مودودی: رسائل و مسائل۔ جلد ۲۔ صفحہ ۱۴۹

۵۲: ابو عبید: کتاب الاموال۔ صفحہ ۶۱۱ - ۶۱۲

۵۳: 〃 : 〃 〃 - ۵۹۶ - ۵۹۷

۵۴: 〃 : 〃 〃 - 〃

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر دیے گئے ہیں۔ ایک بار ایک آدمی نے آکر آپ سے زکوٰۃ کے مال میں سے کچھ مانگا تو آپ نے فرمایا :

" ان اللہ لم یرض بحکم نبیّ ولا غیرہ فی الصدقات حتی یحکم فیھا ھو فجزّأھا ثمانیۃ اجزاءٍ فان کنت من تلک الاجزاء اعطیتک حقک"[1]

"اللہ نے زکوٰۃ کے مال کی تقسیم میں کسی کا، یہاں تک کہ نبی کا دخل بھی پسند نہیں کیا بلکہ اُس نے خود اُسے آٹھ حصّوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ اب اگر تو اُن آٹھ میں سے ہو تو میں تجھے تیرا حق دے دوں گا۔"

(ج) حق انتقالِ ملکیت کے حدود

عام مشترکہ املاک مثلاً دریا، پہاڑ، جنگلات اور سطح زمین پر پائے جانے والے معدنی ذخائر کے سلسلہ میں ریاست کے حدود و اختیارات پر ہم ساتویں اور آٹھویں باب میں کچھ گفتگو کر چکے ہیں۔ ریاست اجتماعی ضروریات کے لیے ان مشترکہ املاک کے ایک حصّہ کو اپنے لیے مخصوص کر سکتی ہے۔ لیکن ایسا کرنے کے بعد وہ نہ اسے کسی کے ہاتھ فروخت کر کے اس کی قیمت وصول کر سکتی ہے نہ بطورِ جاگیر کسی فرد یا ادارہ کو بلا معاوضہ دے سکتی ہے۔ اس کے لیے صحیح طریقہ یہ ہے کہ اگر کسی مخصوص کی ہوئی مشترکہ ملکیت سے مزید استفادہ کی ضرورت باقی نہ رہے تو اسے دوبارہ عام مشترکہ ملکیت قرار دے کر خلقِ خدا کو ان سے استفادہ کا موقع دے۔

یہی سوال ان زمینوں کے بارے میں بھی پیدا ہوتا ہے جو فتح کے ذریعہ ریاست کی ملکیت میں داخل ہوئی ہوں۔ یہ زمینیں دو قسم کی ہو سکتی ہیں۔ ایک وہ غیر مملوکہ زمینیں جن کو ریاستی ملکیت قرار دے دیا گیا ہو۔ یعنی صوافی اور دوسرے وہ خراجی زمینیں جن کی اصل مالک تو ریاست ہے لیکن ان کو ان کے غیر مسلم مالکوں کے قبضہ میں چھوڑ دیا گیا ہو۔

---

[1] : ابوداؤد : کتاب الزکوٰۃ۔ باب من یعطی من الصدقۃ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہلی قسم کی زمینوں کے بارے میں بعض فقہاء کی رائے یہ ہے کہ ریاست ان کو فروخت کرنے یا بطورِ جاگیر کسی کی طرف منتقل کرنے کا حق نہیں رکھتی۔ وہ اس کی دلیل یہ بتاتے ہیں کہ یہ زمینیں تمام مسلمانوں کے لیے وقف کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اور دوسری موقوفہ املاک کی طرح ان کو بھی دوبارہ انفرادی ملکیت میں واپس نہیں دیا جا سکتا۔[1] لیکن یہ رائے صحیح نہیں ہے اور دوسرے فقہاء کو اس سے اختلاف ہے۔ ان کے نزدیک ریاست کی ملکیت میں داخل ہو جانے کے بعد ان زمینوں کی حیثیت بھی ان دوسرے اموال و املاک کی ہو جاتی ہے جو سارے مسلمانوں کا مال ہیں لیکن ریاست ان پر جملہ تصرفات کی حقدار ہے۔ ان زمینوں میں بھی ریاست مصالح عامہ اور مفادِ عام کی خاطر وہ تمام تصرفات کر سکتی ہے جو دوسرے اموال میں کیے جا سکتے ہیں۔ قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سوادِ عراق اور دوسرے علاقوں کی ان غیر مملوکہ زمینوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہ زمینیں میرے نزدیک (ربانی) اموال کی طرح ہیں۔ چنانچہ امام کو یہ اختیار حاصل ہے کہ بیت المال میں سے ان لوگوں کو انعامات دے جنھوں نے اسلام کی کوئی نمایاں خدمت انجام دی ہو یا جو اس کے ذریعہ دشمن کے مقابلہ کی تیاری کرنے والے ہوں۔ امام اس بارے میں وہ طریقہ اختیار کرے گا جو اس کی رائے میں مسلمانوں کے لیے بہتر اور ان کے حق میں موزون ہو۔ یہی نوعیت زمینوں کی بھی ہے۔"[2]

رہیں وہ مفتوحہ زمینیں جن کے غیر مسلم کاشت کار ان پر قابض ہوں تو ریاست کو ان کے سلسلہ میں یہ اختیار نہیں حاصل ہے کہ وہ انھیں فروخت کر سکے یا بطورِ جاگیر دے۔ اگر ان زمینوں کے سابق مالک اور کاشت کار موجود ہوں تو وہ موروثی کاشتکار کی حیثیت میں ان زمینوں پر قابض رہیں گے اور خراج ادا کریں گے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ لوگ ان زمینوں

---

[1] : ماوردی : الاحکام السلطانیہ۔ صفحہ ۱۷۰ ، اور
ابو یعلیٰ : " صفحہ ۲۱۵

[2] : ابو یوسف : کتاب الخراج۔ صفحہ ۲۰

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے مالک بھی ہوں گے[۵۱]۔ لیکن جیسا کہ ابو عبید نے واضح کیا ہے، صحیح رائے یہ ہے کہ ان زمینوں کی اصل مالک تو اسلامی ریاست ہے لیکن وہ ان کے کاشتکاروں کو اس وقت تک بے دخل نہیں کرے گی جب تک وہ خراج ادا کرتے رہیں[۵۲]۔

(د) - امتیازی سلوک اور مضرت رسانی سے اجتناب

قرنِ اوّل میں عطایا کی تقسیم اور افتادہ زمینوں کو کارآمد بنانے کے لیے جاگیر کے طور پر افراد کو دینے کے سلسلہ میں جو اصُول سامنے آتے ہیں ان کا تقاضا ہے کہ ایک اسلامی ریاست اپنے اموال و املاک کو افراد کی طرف منتقل کرنے میں ملت کے مجموعی مفاد کو سامنے رکھے اور طبقاتی تفریق یا گروہی تعصب کو اپنے فیصلوں کی بنیاد نہ بنائے۔ کسی فرد کو اس کی خدمات کی بنا پر معاوضہ یا انعام دیا جا سکتا ہے۔ زمین، کان یا کارخانہ کو پیدا آور استعمال کے لیے کسی لائق فرد یا ادارہ کی طرف منتقل کیا جا سکتا ہے لیکن اگر کارکنانِ ریاست اس اختیار کو کسی مخصوص طبقہ کے مفاد کی ترویج یا اقربا پروری اور ذاتی نفع اندوزی کے لیے آلہ کے طور پر استعمال کرنے لگیں تو یہ شریعت کے منشاء کے خلاف بغاوت اور اس باب میں اسلام کے اصولوں کی خلاف ورزی ہو گی۔

اسلامی ریاست کے مالکانہ حقوق کے ان حدود کے ساتھ ہمیں یہ اہم اصول بھی سامنے رکھنا چاہیے کہ اہم اجتماعی اُمور کی بابت فیصلہ صدرِ ریاست یا کسی دُوسرے فرد کی ذاتی صواب دید پر نہیں چھوڑا گیا ہے۔ بلکہ انھیں مسلمانوں کے باہمی مشورہ سے انجام پانا چاہیے۔ وُہ امور جو مسلمانوں کی اجتماعی املاک، ریاست کے خزانہ سے بڑے بڑے مصارف، یا اس کی بنیادی معاشی پالیسی سے متعلق ہوں شورائی طریقہ سے طے پانے چاہئیں۔ اس کی عملی شکل ہر دور کے مخصوص حالات اور معاشرہ کی عملی ضروریات اور اس کے مزاج کو سامنے رکھ کر تجویز کی جائے گی۔ قرنِ اوّل میں بھی اہم مالی اُمور مشورے کے

---

۵۱ : جصاص : احکام القرآن، جلد ۳، صفحہ ۱۵۰ ، ابو یوسف : کتاب الخراج، صفحہ ۷۵
۵۲ : ابو عبید : کتاب الاموال، صفحہ ۷۳، ۷۷، ۸۰، ۷۶۹

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعد طے کیے جاتے تھے۔ عراق و شام کی مفتوحہ زمینوں کے بارے میں فیصلہ[۵۱] اہلِ حل و عقد سے مشورہ کے بعد طے کیا گیا تھا۔ حضرت عمرؓ کے سامنے جب اموالِ تجارت پر چنگی عائد کرنے کی تجویز پیش کی گئی تو آپ نے صحابہ سے مشورہ کے بعد فیصلہ کیا۔[۵۲] آپ نے نئے کے مال کی تقسیم کے بارے میں بھی مشورے کے بعد فیصلہ کیا تھا اور اسی مشورے کی روشنی میں متعلقہ رجسٹر مرتب کیے گئے تھے۔[۵۳]

اس اصول کی روشنی میں ریاست کے مالکانہ حقوق کے عملی اور واقعی حدود و بڑی حد تک اسلامی ریاست کے شہریوں کے ان شورائی فیصلوں سے متعین ہوں گے جو وہ اپنے مفادات و مصالح کے تحت کریں گے۔ اس حقیقت کو اس بات سے مزید تائید حاصل ہوتی ہے کہ اسلامی ریاست اپنے جملہ مالی تصرفات میں عام مسلمانوں کے سامنے جوابدہ ہے۔ عوام شریعت کی ہدایات کی روشنی میں ریاست کا احتساب کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ اس احتساب کی شکلیں اور اس کے طریقے ہر دور میں مختلف ہوں گے، لیکن اس کا وجود اس بات کا ضامن ہے کہ ریاست کے مالکانہ حقوق کے تفصیلی حدود رائے عامہ متعین کرے گی۔

آخر میں ہم اس حقیقت پر پھر زور دیں گے کہ ریاست سے مراد ایک مخصوص اجتماعی ادارہ ہے اور اس کے مالکانہ حقوق سے مراد اس ادارہ کے حقوق ہیں۔ صدر ریاست اور دوسرے عمال حکومت کو اپنی ذاتی حیثیتوں میں ان حقوق سے کوئی تعلق نہیں۔

اسلامی ریاست کی املاک میں صدر ریاست اور دوسرے کارکنانِ ریاست کو کوئی ایسا حق نہیں حاصل ہے جو عام شہریوں کو نہ حاصل ہو۔ وہ اپنے منصب کے لحاظ سے ان املاک کے امین ہیں، لیکن اس معاوضہ کے علاوہ جو ریاست کے خزانہ سے

۵۱: ابو عبید: کتاب الاموال۔ صفحہ ۵۹ - ابو یوسف: کتاب الخراج۔ صفحہ ۲۹-۳۱

۵۲: ابو یوسف: کتاب الخراج۔ صفحہ ۱۶۱-۱۶۲۔ نیز ملاحظہ ہو باب ۱۲ میں مزید محاصل کی بحث

۵۳: ″ : ″ ″ - ۲۹

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان کی خدمات کے صلہ میں دیا جائے گا۔ انھیں ان املاک سے کوئی اور فائدہ اٹھانے کا حق نہیں۔ وُہ امین ہیں اور ان کا فرض یہ ہے کہ امانت کو اس کے مستحقین تک پہنچا دیں۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا۔ (نساء : ۵۹)

اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہلِ امانت کے سپرد کر دو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ حقیقت خوب واضح کر دی ہے۔ ایک بار آپ نے اُونٹ کا ایک بال اپنی دو انگلیوں کے درمیان لے کر فرمایا:

"لوگو! خدا کی قسم تمہاری فئے میں سے میرے لیے یہ بال بھی نہیں۔ بجز (غنیمت کے) پانچویں حصہ کے، اور یہ پانچواں حصہ بھی تم پر ہی خرچ کر دیا جاتا ہے۔"[۱]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ماتحت حکام کو یہ اصول اچھی طرح سمجھا دیا تھا۔ فرمایا:

"میں تمہارے اور دولت کمانے کے کاموں کے درمیان حائل ہوگیا ہوں۔ لہٰذا اب جس کے پاس مال آئے گا وُہ انہی اموال میں سے آ سکتا ہے جو ہماری تحویل میں ہیں (کیونکہ تمہارا کوئی اور ذریعہ آمدنی نہیں ہے) لہٰذا دیکھو کوئی ادنیٰ (ریاست کے مال میں سے) کاٹھی، رسی، یا کھونٹی کے بارے میں بھی اس کی گنجائش نہ سمجھے کہ وہ اسے لے سکتا ہے۔ کیونکہ یہ سب مسلمانوں کا مال ہے۔ ان میں کوئی فرد نہیں جس کا اس مال میں حصہ نہ ہو۔ (آدمی کا عجب حال ہے کہ) کسی ایک آدمی کا مال ہو تو اس کے لینے کو بہت بُرا سمجھتا ہے اور مسلمانوں کی پوری جماعت کا مال ہو تو اس کے لینے کی گنجائش نکال لیتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ تو مالِ خدا ہے۔"[۲]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود بھی اس اصول کی شدت کے ساتھ پابندی کرتے تھے۔ ایک بار شہد کی ضرورت پڑی۔ بیت المال میں شہد موجود تھا، لیکن آپ نے پہلے مجمع عام

---

۱ : ابنِ ہشام : بیروت۔ جلد ۲۔ صفحہ ۱۸

۲ : ابو عبید : کتاب الاموال۔ صفحہ ۲۶۰

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں منبر پر کھڑے ہو کر مسلمانوں سے اجازت طلب کی اور فرمایا "اگر تم مجھے اس کے بارے میں اجازت نہ دو، ورنہ اس کا لینا میرے لیے حرام ہے"[۵۱]

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اتنی احتیاط برتتے کہ رات کو جب مسلمانوں کے کام سے فارغ ہو کر نوافل کے لیے کھڑے ہوتے تو وہ چراغ بجھا دیتے جو بیت المال کے صرفہ سے جلتا تھا اور اپنا ذاتی چراغ استعمال کرتے۔[۵۲] آپ سے پہلے اموی حکمران شان و شوکت اور شاہانہ کروفر پر جو کثیر مصارف ریاست کے خزانہ سے کرتے تھے ان کو آپ نے یک قلم بند کر دیا اور سواری کے دو جانور، خوبصورت منقش خیمے، فرش اور قالینیں، عطر و تیل وغیرہ اسباب زینت جو حکمران کے استعمال کے لیے فراہم کر رکھے گئے تھے، مسلمانوں کے بیت المال میں داخل کر دیئے۔[۵۳] بیت المال کے مال کے سلسلہ میں آپ کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ مال غنیمت میں آئے ہوئے مشک کی خوشبو سونگھنا یا مطبخ عام کی آگ پر وضو کے لیے پانی گرم کرا لینا بھی گوارا نہ تھا۔[۵۴]

خلفاء راشدین بیت المال کے مال کے بارے میں اتنی احتیاط برتتے تھے کہ ان میں سے جو لوگ صاحب مال تھے انہوں نے اپنا سارا وقت امور ریاست کی نذر کر دینے کے بعد بھی بیت المال سے کوئی مشاہرہ لینا پسند نہیں کیا۔

حضرت ابوبکرؓ نے اپنی وفات کے وقت یہ وصیت فرمائی کہ انہوں نے اپنے منصب خلافت کے دوران بیت المال سے مشاہرہ کے طور پر جو کچھ لیا ہے اس کا حساب لگا کر اتنی رقم ان کے ترکہ میں سے بیت المال میں داخل کر دی جائے۔[۵۵] حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

---

۵۱ : محمد ابن سعد : الطبقات الکبریٰ - جلد ۳ - صفحہ ۲۷۷

۵۲ : ابو یوسف : کتاب الخراج - صفحہ ۱۹

۵۳ : ابن عبدالحکم : سیرت عمر بن عبدالعزیز - صفحہ ۳۵ - ۳۶

۵۴ : 〃 : 〃 〃 〃 ۴۴

۵۵ : تاریخ طبری : صفحہ ۲۱۴۳

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے بھی اپنی ضروریات اپنے ذاتی مال سے ہی پوری کیں[1] اور حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اُس سالانہ وظیفہ کے علاوہ جو فئے کے مال میں سے دُوسرے مسلمانوں کی طرح ان کو بھی ملتا تھا، بیت المال سے اپنی خدمت کے عوض کوئی مشاہرہ نہیں لیا۔[2]

---

[1] : تاریخ طبری : صفحہ ۲۹۵۳

[2] : ابنِ عبدالحکم : سیرت عمر بن عبدالعزیز۔ صفحہ ۴۳

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گیارھواں باب

اسلامی ریاست کی معاشی ذمّہ داریاں

اسلامی ریاست کی ذمّہ داریوں کا ذکر اجمالاً پہلے باب میں کیا جا چکا ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، اپنے شہریوں کی اسلامی تعلیم و تربیت، دفاع، دُنیا کو حق کی طرف دعوت اور اس سلسلہ میں اگر ضرورت پڑے تو جہاد، اور ملک میں عدل و قسط اور امن و امان کے قیام کے ذریعہ جان و مال اور عزّت و آبرو کا تحفّظ کرنا اسلامی ریاست کی بنیادی ذمّہ داریاں ہیں۔ یہاں ان ذمّہ داریوں سے بحث نہیں، اس باب میں ہم اسلامی ریاست کی صرف ان ذمّہ داریوں کا قدرے تفصیلی جائزہ لیں گے جو خالصتًہ معاشی ہیں۔ یہ ذمّہ داریاں ان مالکانہ حقوق کے بالمقابل فرائض کی حیثیّت رکھتی ہیں جن کا مطالعہ گذشتہ ابواب میں کیا جا چکا ہے۔

اسلامی ریاست کی معاشی ذمّہ داریوں میں کفالتِ عامہ، معاشی ترقی کا اہتمام، اور تقسیمِ دولت کے اندر پائے جانے والے تفاوت کو کم کرنا شامل ہے۔

06265

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(د) کفالتِ عامہ

کفالتِ عامہ سے مُراد یہ ہے کہ دارُالاسلام کے حدود کے اندر بسنے والے ہر انسان کی بنیادی ضروریاتِ زندگی کی تکمیل کا اہتمام کیا جائے۔ یہ اہتمام اس درجہ تک ہونا چاہیے کہ کوئی فرد ان ضروریات سے محروم نہ رہے۔ ان بنیادی ضروریات میں غذا، لباس، مکان اور علاج لازماً شامل ہیں[۱]۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ اسلامی ریاست اس بات کی ذمّہ دار ہے کہ ہر فرد کو اِن ضروریات کی تکمیل کرنے والی اشیاء اور خدمات کی مطلوبہ یا ضروری مقداریں بہم پہنچاتی رہے، بلا لحاظ اس کے کہ وہ خود اپنے مال سے، یا اپنی محنت کے ذریعہ کسبِ مال کر کے، اِن ضروریات کو پورا کر سکتا ہے یا نہیں۔ جیسا کہ ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے عام حالات میں عام افراد ان ضروریات کو خود اپنے بل بوتے پر پورا کرتے رہیں گے۔ بقدرِ ضرورت مال نہ حاصل کر سکنے والے افراد کو اپنے خاندان[۲] یا عام افراد اجتماع[۳] سے اتنی مدد مِل سکے گی کہ وہ اپنی ضروریات پوری کر سکیں۔ صنعتی کارخانوں میں کام کرنے والے مزدوروں کو عارضی بے روزگاری۔ مرض۔ بڑھاپے یا کسی حادثہ کے سبب معذور

---

[۱]: ہر وہ ضرورت بنیادی ضرورت ہے جس کی تکمیل پر کسی انسان کی زندگی کی بقاء کا انحصار ہو۔ شریعت کی کسی نص میں ان ضرورتوں کی صراحت نہیں کی گئی۔ مگر خود یہ اصول نصوص سے ثابت ہے۔ جیسا کہ آگے بیان کیا جائے گا۔ اس فقرہ میں جن چار ضرورتوں کا ذکر کیا گیا ہے ان کی نوعیت یہ ہے کہ ان کی عدمِ تکمیل آدمی کی جان کو خطرہ میں ڈال دیتی ہے متعلقہ نصوص اور ان کے مطابق عمل کی نظیروں سے یہ استنباط کیا جا سکتا ہے کہ کم از کم ان ضرورتوں کی تکمیل اس اصول کا لازمی تقاضا ہے۔ البتہ مخصوص حالات میں مخصوص افراد کے لیے اسی اصول کے تحت بعض دوسری ضرورتیں بھی یہی نوعیت اختیار کر سکتی ہیں۔

[۲]: جیسا کہ ہم اوپر نفقات کی بحث میں واضح کر چکے ہیں۔ (چھٹا باب)

[۳]: ملاحظہ ہو چھٹا باب: مزید انفاقِ مال کی ذمّہ داری۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو جانے کی حالت میں کارخانہ یا متعلقہ صنعت سے اتنا امدادی وظیفہ دلوانے کا اصول بنایا جا سکتا ہے جو ان کی ضروریات کے لیے کافی ہو سماجی تحفظ (Social Security).

کے ان انتظامات کو سامنے رکھتے ہوئے اس اصول کا منشاء یہ ہے کہ اگر کسی وجہ سے کوئی فرد ان انتظامات کے باوجود اس حال میں پایا جائے کہ وہ اپنی بنیادی ضروریات کی تکمیل سے قاصر ہو تو بالآخر اسلامی ریاست اس بات کی ذمہ دار ہے کہ وہ فرد ان وسائل حیات سے محروم نہ رہے جو ضروریاتِ زندگی کی تکمیل کے لیے درکار ہیں۔ ریاست کو ایسا نظم قائم کرنا پڑے گا کہ محروم افراد اپنی محرومی کا ثبوت فراہم کر کے، بآسانی اور بلا تاخیر اجتماعی خزانے سے بقدرِ ضرورت مال حاصل کر سکیں اور دارالاسلام کا کوئی باشندہ بھوکا، پیاسا، ننگا، بے ٹھکانا اور مرض کی حالت میں بے علاج نہ رہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اصول واضح فرما دیا ہے کہ اصحابِ امر محروم افراد کی ضروریات کی تکمیل کے ذمہ دار ہیں:

حدثنا سلیمان بن عبد الرحمٰن الدمشقی نا یحیی بن حمزہ قال: حدثنی ابن ابی مریم ان القاسم بن مخیمرہ اخبرہ ان ابا مریم الازدی اخبرہ۔ قال: دخلت علی معاویۃ فقال انعمنا بک یا فلان ـــــ وھی کلمۃ تقولھا العرب ـــــ فقلت حدیثا سمعتہ اخبرک بہ۔ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: من ولاہ اللہ عزوجل شیئا من امر المسلمین فاحتجب دون حاجتھم وخلتھم وفقرھم احتجب اللہ تعالی عنہ دون حاجتہ وخلتہ وفقرہ۔

قال: فجعل رجلا علی حوائج الناس[1]۔

ہم سے سلیمان بن عبدالرحمٰن دمشقی نے بروایتِ یحییٰ بن حمزہ یہ حدیث بیان

---

[1] : ابوداؤد: کتاب الخراج والفیئ والامارۃ ـ باب فیما یلزم الامام من امر الرعیۃ والاحتجاب عنھم۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ مجھ سے ابن ابی مریم نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ قاسم بن مخیمرہ نے انہیں خبر دی ہے کہ ابو مریم ازدی نے ان سے کہا کہ میں معاویہ کے پاس گیا۔ انہوں نے کہا ابو فلاں، کیسے تشریف لائے؟ میں نے کہا: آپ کو ایک حدیث سے باخبر کرنے آیا ہوں جسے میں نے سُنا ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا ہے کہ "جسے اللہ عزوجل نے مسلمانوں کے بعض امور کا نگران بنایا ہے اور وہ ان کی ضروریات اور فقر سے بے پروا ہو کر بیٹھ رہا، اللہ تعالیٰ بھی اس کی ضروریات اور فقر سے بے نیاز ہو جائے گا۔"

راوی کہتا ہے کہ معاویہ نے (یہ سُن کر) ایک آدمی کو عوام کی ضروریات (پوری کرنے) پر مامور کر دیا۔

.... قال عمرو بن مرۃ لمعاویہ انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: "ما من امام یغلق بابہ دون ذوی الحاجۃ والخلۃ والمسکنۃ الا اغلق اللہ ابواب السماء دون خلتہ وحاجتہ ومسکنتہ" فجعل معاویۃ رجلاً علی حوائج الناس[1]۔

.... عمرو بن مرہ نے معاویہؓ سے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا ہے کہ جو "امام ضرورت مندوں، فقرا اور مساکین پر اپنے دروازے بند کر لیتا ہے اللہ اس کی ضروریات، فقر اور مسکینی پر آسمان کے دروازے بند کر لیتا ہے" (یہ سُن کر) معاویہ نے ایک آدمی کو عوام کی ضروریات (پوری کرنے) پر مامور کر دیا۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے اس ارشاد سے واضح ہے کہ اگر صاحبِ امر

[1] : ترمذی: کتاب الاحکام۔ باب جاء فی امام الرعیۃ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ضرورت مند افراد کی ضروریات پوری کرنے کا اہتمام نہ کرے گا تو اللہ کی سخت ناراضگی مول لے گا۔ یہ وعید اس بات کے لیے کافی ہے کہ تکمیلِ ضروریات کو اسلامی ریاست کی ذمہ داری قرار دیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس فرمانِ نبویؐ کے ذریعہ ان کی ذمہ داری یاد دلائی گئی تو انہوں نے فوراً اس کو پورا کرنے کا اہتمام کیا۔

اسلامی ریاست کی اس ذمہ داری کی اہمیت کا اندازہ 'خلافت' کی اس تعریف سے بھی کیا جا سکتا ہے جو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے کی ہے۔ جسے سن کر کعب احبار رضی اللہ عنہ نے ان کی تصویب فرمائی ہے:

عن سلمان قال: ان الخلیفۃ ھو الذی یقضی بکتاب اللہ ویشفق علی الرعیۃ شفقۃ الرجل علی اھلہ۔ فقال کعب الاحبار: صدق۔[1]

سلمان سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: خلیفہ وہ ہے جو کتاب اللہ کے مطابق فیصلے کرے اور رعایا پر اس طرح شفقت کرے جس طرح آدمی اپنے اہل وعیال پر شفقت کرتا ہے۔ یہ سن کر کعب بن احبار نے کہا: سچ کہا۔

رعایا کی ضروریاتِ زندگی کی تکمیل کا اہتمام درحقیقت اس 'خیر خواہی' کے اندر شامل ہے جو صاحبِ امر پر لازم قرار دی گئی ہے جو حکمران رعایا کے ساتھ پوری خیر خواہی نہ برتے اس کا اخروی انجام بُرا ہوگا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"ما من عبد یسترعیہ اللہ رعیۃ فلم یحطھا بنصیحۃ لم یجد رائحۃ الجنۃ"[2]

جس بندہ کو خدا نے کسی رعایا کا حکمران بنایا اور اس نے اس کے ساتھ پوری خیر خواہی نہ برتی وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پا سکے گا۔

---

[1]: ابو عبید: کتاب الاموال صفحہ ۲۔

[2]: بخاری: کتاب الاحکام۔ باب من استرعی رعیۃ فلم ینصح۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"ما من امیر یلی امر المسلمین ثم لا یجهد لهم و ینصح الّا لم یدخل معهم الجنۃ"[1]

جو امیر مسلمانوں کے امور کا نگران ہے اور پھر ان (کی بھلائی) کے لیے محنت نہ کرے، اور ان کی خیر خواہی نہ کرے۔ وہ ان کے ساتھ جنت میں نہیں داخل ہوگا۔

ظاہر ہے کہ کسی آدمی کے ساتھ خیر خواہی کا اوّلین تقاضا یہ ہے کہ جن ضروریات کی عدم تکمیل سے اس کی جان ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہو ان کو پورا کرنے کا اہتمام کیا جائے۔ شریعت نے اسلامی ریاست کو اپنے تمام شہریوں کا ولی (سرپرست) قرار دیا ہے۔ سرپرستی کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ ان افراد کی بنیادی ضروریات کی تکمیل کا اہتمام کیا جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

اللہ ورسولہ مولی من لا مولی لہٗ۔[2]

جس کا کوئی سرپرست نہ ہو اس کا سرپرست اللہ اور اس کا رسول ہے۔

السلطان ولیّ من لا ولیّ لہٗ[3]

جس کا کوئی سرپرست نہ ہو اس کی سرپرست حکومت ہے۔

یہ بات کہ یہ سرپرستی صرف نکاح کے معاملہ تک محدود نہیں ہے بلکہ ایک عمومی سرپرستی ہے جس میں رعایا کی ضروریات کی تکمیل بدرجۂ اولیٰ شامل ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خط سے صاف ظاہر ہے جو آپ نے ایک نو مسلم قبیلہ کے سردار زُرعہ بن ذی یزن کے نام لکھا تھا۔ آپؐ سردار کے توسط سے اس کے قبیلہ حمیر

---

[1] : مسند ابی عوانہ۔ جلد ۱۔ صفحہ ۳۲، دائرۃ المعارف۔ حیدرآباد ۱۳۶۲ھ

[2] : ترمذی: ابواب الفرائض۔ باب ما جاء فی میراث المال۔

[3] : ترمذی: ابواب النکاح۔ باب ما جاء لا نکاح الّا بولیّ، اور ابوداؤد: کتاب النکاح۔ باب الولی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے لوگوں کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں :

" و انی آمرکم یا حمیر خیرًا ، فلا تخونوا ولا تخاذلوا و ان رسول الله مولیٰ غنیکم و فقیرکم - و انّ الصدقۃ لا تحلّ لمحمّد ولا لاھلہٖ - انّما ھی زکوٰۃ تزکّون بھا الفقراء المؤمنین . . . ."[۱]

اہلِ حمیر میں تم کو بھلی روش اختیار کیے رہنے کی تلقین کرتا ہوں ۔ نہ خیانت کرنا اور مخالفانہ روش اختیار کرنا ۔ اللہ کا رسول تمھارے مال دار اور غریب تمام لوگوں کا سرپرست ہے ۔ صدقہ کا مال محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یا اس کے گھرانوں کے لیے جائز نہیں ہے ۔ بلکہ یہ زکوٰۃ ہے جسے تم (اپنی پاکیزگی کے لیے) غریب مسلمانوں کے لیے نکالتے ہو . . . . . .

اس خط میں اہلِ حمیر کو یہ بتایا گیا ہے کہ ان سے ان کے مال کا جو حصّہ بطورِ زکوٰۃ وصول کیا جائے گا وُہ صدرِ ریاست کے ذاتی مصرف میں نہیں آئے گا بلکہ ضرورت مند مسلمانوں کو دیا جائے گا ۔ ان کو اطاعت ترک کرکے سرکشی کی روش اختیار کرنے یا امانت ترک کرکے اداۓ عشر و زکوٰۃ میں خیانت کرنے سے منع کیا گیا ہے اور یہ اطمینان دلایا گیا ہے کہ جو شخص بھی ضرورت یا مصیبت سے پریشان ہوگا ، خواہ وہ مال دار ہو یا مفلس ، اللہ کا رسول اس کو سہارا دینے کے لیے موجود ہے ۔ ظاہر ہے کہ یہاں "رسول اللہ" سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وُہ حیثیت پیشِ نظر ہے جو اسلامی ریاست کے صدر کے طور پر آپ کو حاصل تھی ۔ یہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک اثر سے بالکل واضح ہو جاتی ہے ۔ آپ نے حضرت ابو عبیدہ بن الجرّاح کو ایک خط لکھا تھا جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد " الله و رسولہ مولی من لا مولی لہ " کا حوالہ دے کر ریاست کی ذمہ داری کی طرف اشارہ کیا گیا تھا ۔[۲]

---

[۱] : ابو عبید : کتاب الاموال ۔ صفحہ ۲۰۲

[۲] : ترمذی : ابواب الفرائض ۔ باب ما جاء فی میراث المال

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس سرپرستی میں بنیادی ضروریات کے علاوہ، بشرطِ گنجائش، افراد کی دوسری ضروریات کی تکمیل بھی داخل ہوجاتی ہے۔ فتوحات کے بعد جب بیت المال میں کافی مال آنے لگا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان فرمادیا کہ جو لوگ مقروض ہوں اور وفات پاجائیں ان کے قرضے اسلامی ریاست کے خزانے سے ادا کیے جائیں گے۔ فرمایا:

انا اولی بالمؤمنین من انفسھم فمن توفی و علیہ دین فعلی قضاؤہ۔[1]

مجھے مسلمانوں کو اپنی جانوں سے بھی زیادہ لگاؤ ہے۔ پس جو مقروض وفات پائے اس کے قرض کی ادائیگی میرے ذمہ ہوگی۔

..... فلما فتح اللہ علیہ الفتوح قال: انا اولی بالمؤمنین من انفسھم۔ فمن توفی من المؤمنین فترک دینا فعلی قضاؤہ و من ترک مالاً فلورثتہ۔[2]

...... پھر جب اللہ نے آپؐ پر فتوحات کا دروازہ کھول دیا تو آپؐ نے فرمایا: "مجھے مسلمانوں کو اپنی جانوں سے بھی زیادہ لگاؤ ہے۔ لہٰذا جو مسلمان قرض چھوڑ کر وفات پائے اس کے قرض کی ادائیگی میرے ذمہ ہوگی اور جو مال چھوڑ جائے وہ اس کے وارثوں کے لیے ہوگا۔

ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے قرض کے علاوہ مرنے والے کی چھوڑی ہوئی دُوسری ذمہ داریوں مثلاً بے سہارا اہل و اولاد کی کفالت کے سلسلہ میں بھی یہی اعلان فرمایا تھا:

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ترک

---

[1] : ابوعبید: کتاب الاموال۔ صفحہ ۲۲۰

[2] : بخاری: کتاب النفقات۔ باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من ترک کلا او ضیاعا فالیّ۔ یہی حدیث بعض الفاظ کے اختلاف کے ساتھ مسلم، ترمذی، ابوداؤد اور نسائی میں بھی آئی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مالاً فلاھلہ و من ترک ضیاعاً فالیّ۔

ھٰذا حدیث حسن صحیح .... و معنیٰ قولہ ترک ضیاعاً یعنی ضائعاً لیس لہ شیئٌ۔ فالیّ۔ یقول انا عولہ و انفق علیہ۔[1]

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
جو مال چھوڑ جائے تو وہ مال اس کے گھر والوں کے لیے ہے اور جو (کسی کو) بے سہارا چھوڑ جائے تو اس کی ذمہ داری میرے سر ہو گی۔

(امام ترمذی فرماتے ہیں کہ) یہ حدیث حسن اور صحیح ہے ....
ترک ضیاعاً کے معنی یہ ہیں کہ اس حال میں چھوڑ جائے کہ اس کے پاس کچھ بھی نہ ہو۔ فالیّ کے معنی یہ ہیں کہ میں اس کی کفالت کروں گا اور اس پر مال خرچ کر دوں گا۔

اسی مفہوم کی ایک حدیث ابو عبید نے حضرت مقدام بن معدی کرب سے روایت کی ہے جس سے یہ بات اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من ترک مالاً فلورثتہ و من ترک کلاً فالی اللہ۔ و ربما قال: فالی اللہ و رسولہ۔
قال ابو عبید: الکل عندنا کل عیّلٍ و الذریۃ منھم۔[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو متوفی مال چھوڑ جائے تو وہ اس کے وارثوں کے لیے ہے اور جو ذمہ داریاں چھوڑ کر مرے وہ اللہ کے ذمہ ہیں اور کبھی یہ فرمایا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے ذمہ ہیں۔
ابو عبید کہتا ہے کہ ہمارے نزدیک "کل" میں وہ تمام افراد شامل ہیں جن کی کفالت متوفی کے ذمہ ہو۔ اور بچے بھی اس میں شامل ہیں۔

---

[1] : ترمذی: ابواب الفرائض۔ باب ما جاء من ترک مالاً فلورثتہ۔
نیز ملاحظہ ہو ابو داؤد: کتاب الخراج و الفیئ و الامارۃ۔ باب ارزاق الذریۃ

[2] : ابو عبید: کتاب الاموال صفحہ ۲۳۷

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو افراد اسلامی ریاست کی صدارت کے منصب پر فائز ہوئے انھیں اپنی ان وسیع ذمہ داریوں کا پورا شعور تھا۔ اس حقیقت پر خلافتِ راشدہ کی پوری تاریخ گواہ ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی ذمہ داریاں گناتے ہوئے ایک عام خطبہ میں یہ فرمایا تھا:

ایها الناس ان الله قد کلفنی ان اصرف عنه الدعاء[۱]

لوگو! اللہ نے مجھ پر یہ ذمہ داری عائد کی ہے کہ میں اس کے حضور کی جانے والی دعاؤں کو رد کروں۔

اس ارشاد کی تشریح کرتے ہوئے مشہور شافعی فقیہ ابو محمد عز الدین عبد العزیز بن عبد السلام (م ۶۶۰ھ) لکھتے ہیں:

"اللہ کے حضور کی جانے والی دعاؤں کو رد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ امام ظالموں کے مقابلہ میں مظلوموں کے ساتھ انصاف کرے، اور ان کو اس بات کی ضرورت نہ پڑنے دے کہ وہ اللہ سے انصاف کے طالب ہوں۔ اسی طرح وہ لوگوں کی ضروریات اور حاجتیں پوری کرے تاکہ ان کو اس کی ضرورت باقی نہ رہے کہ رب العالمین سے ان کی تکمیل کے طالب ہوں۔ (حکمرانوں پر) مسلمانوں کے جملہ حقوق کے بیان میں یہ جملہ کتنا جامع اور واضح ہے"[۲]

اسی اصول کا اعلان حضرت عمرؓ نے اس وقت بھی فرمایا تھا جب آپ سعد بن مالک الزہریؓ کو عراق کا امیر بنا کر بھیج رہے تھے۔[۳]

---

۱ : ابو محمد عز الدین عبد العزیز بن عبد السلام : قواعد الاحکام فی مصالح الانام، جلد ۱ صفحہ ۱۴۰۔ مکتبہ حسینیہ، مصر ۱۹۳۴ء

۲ : ایضاً

۳ : طبری: تاریخ، صفحہ ۲۲۴۴ (حوادث ۱۴ھ)؛ ابن کثیر: البدایہ والنہایہ، جلد ۷، صفحہ ۳۶

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عوام کی معاشی ضروریات کی تکمیل کا امیرالمؤمنین کو کتنا خیال تھا۔ اس کا اندازہ اس خطبہ سے بھی کیا جا سکتا ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قادسیہ کی فتح کی خوشخبری سنانے کے بعد عوام کے سامنے دیا تھا۔ اس میں آپ نے فرمایا:

انّی حریصٌ علیٰ ان لا ادع حاجۃً الّا سددتہا ما اتّسع بعضنا لبعضٍ فاذا عجز ذلک عنّا تأسّینا فی عیشنا حتّی نستوی فی الکفاف۔ ولوددت انکم علمتم من نفسی مثل الّذی وقع فیہا لکم۔ ولست معلّمکم الّا بالعمل۔ انّی واللہ لستُ بملکٍ فاستعبدکم ولکنّی عبد اللہ عرض علیّ الامانۃ فان ابیتہا ورددتہا علیکم واتبعتکم حتی تشبعوا فی بیوتکم وترووا سعدت بکم وان انا حملتہا واستتبعتکم الیٰ بیتی شقیت بکم ففرحت قلیلاً وحزنت طویلاً۔ فبقیت لا أقال ولا أردّ فأستعتب[۱]۔

مجھے اس بات کی بڑی فکر رہتی ہے کہ جہاں بھی کوئی ضرورت دیکھوں اسے پورا کر دوں، جب تک ہم سب مل کر اسے پورا کرنے کی گنجائش رکھتے ہوں۔ جب ہمارے اندر اتنی گنجائش نہ رہ جائے تو ہم باہمی امداد کے ذریعہ گذر اوقات کریں گے یہاں تک کہ سب کا معیارِ زندگی ایک سا ہو جائے۔ کاش تم جان سکتے کہ میرے دل میں تمہارا کتنا خیال ہے۔ لیکن میں یہ بات تمہیں عمل کے ذریعہ ہی سمجھا سکتا ہوں۔ خدا کی قسم میں بادشاہ نہیں ہوں کہ تم کو اپنا غلام بنا کر رکھوں بلکہ خدا کا بندہ ہوں (حکمرانی کی یہ) امانت میرے سپرد کی گئی ہے۔ اب اگر میں اس کو اپنی ذاتی ملکیت نہ سمجھوں بلکہ (تمہاری چیز سمجھ کر) تمہاری طرف واپس کر دوں اور (تمہاری خدمت کے لیے) تمہارے پیچھے پیچھے چلوں یہاں تک کہ تم اپنے گھروں میں سیر ہو کر کھا پی سکو تو میں تمہارے

---

[۱] : ابن کثیر: البدایہ والنہایہ۔ جلد ۷ صفحہ ۴۶، طبری۔ صفحہ ۲۳۴۸ (حوادث ۱۴ھ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذریعہ فلاح پاؤں گا۔ اور اگر میں اسے اپنا بنا لوں اور انھیں اپنے پیچھے پیچھے چلنے اور (اپنے حقوق کے مطالبہ کے لیے) اپنے گھر آنے پر مجبور کر دوں تو نہ تو یہ میرے لیے ذریعہ راحت ہوگا اور نہ ہی ان کے لیے ذریعہ سعادت۔ کیونکہ میرا انجام خراب ہوگا (دنیا میں) کچھ عرصہ میں خوشی منا لوں گا مگر (آخرت میں) عرصۂ دراز تک غمگین رہوں گا۔ میرا حال یہ ہوگا کہ نہ کوئی مجھ سے کچھ کہنے والا ہوگا، نہ کوئی میری بات کا جواب دے گا کہ میں اپنا عذر بیان کر کے معافی حاصل کر سکوں۔

اسلامی تاریخ بتاتی ہے کہ جب بھی حکمران نے اسلامی ہدایات کو اپنا رہنما بنایا، اس نے اپنی ذمہ داری کو محسوس کیا اور اس کا اعلان کیا۔ جب عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے تو آپ کفالت عامہ کی ذمہ داری کی گراں باری محسوس کر کے رونے لگے:

قالت فاطمة امرأته : دخلت عليه وهو في مصلاه ودموعه تجري على لحيته فقلت أحدث شيئ ؟ فقال : إني تقلدت امر أمة محمد فتفكرت في الفقير الجائع والمريض الضائع، والعاري، والمظلوم المقهور، والغريب الاسير، والشيخ الكبير، وذي العيال الكثير، والمال القليل واشباههم في اقطار الارض فعلمت ان ربي سيسألني عنهم يوم القيامة وان خصمي دونهم محمد صلى الله عليه وسلم الى الله فخشيت ان لا تثبت حجتي عند الخصومة فرحمت نفسي فبكيت[1]۔

ان کی بیوی فاطمہ کہتی ہیں کہ میں ایک بار آپ کے پاس گئی۔ آپ بیٹھے نماز

---

[1] ابوالحسن عزالدین ابن الاثیر: تاریخ الکامل۔ جلد ۵ صفحہ ۲۴ مطبع شیخ احمد حلبی مصر ۱۳۰۲ھ نیز ملاحظہ ابویوسف: کتاب الخراج۔ صفحہ ۱۰؛ ابن جوزی: سیرت عمر بن عبدالعزیز صفحہ ۱۸۹۔ مطبعۃ المؤید۔ مصر ۱۳۳۱ھ، اور ابومحمد عبداللہ بن عبدالحکم: سیرت عمر بن عبدالعزیز۔ صفحہ ۱۲۸-۱۲۹۔ مطبع رحمانیہ۔ مصر ۱۹۲۷ء

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پڑھتے اور آنسوؤں سے آپ کی داڑھی تر تھی۔ میں نے پوچھا کیا کوئی نئی بات ہو گئی ہے۔ آپ نے فرمایا: میں نے پوری اُمّت محمدیہ کی ذمہ داری لے لی ہے، ان میں بھوکے فقیروں، بے سہارا مریضوں، مجاہدین، مظلوم اور ستم رسیدہ افراد، غریب الدیار قیدیوں، بہت بوڑھے افراد اور ان لوگوں کے بارے میں سوچ رہا تھا جو بکثرت اہل و عیال والے ہیں مگر مالدار نہیں ہیں، اور مختلف علاقوں میں بسنے والے اسی قسم کے دوسرے افراد کے بارے میں متفکر تھا۔ مجھے احساس ہوا کہ عنقریب قیامت کے دن اللہ مجھ سے ان کے بارے میں پوچھے گا اور اللہ کے حضور میرے مقابلہ میں ان لوگوں کے وکیل محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے۔ مجھے ڈر لگا کہ جرح میں میری بات نہ ثابت ہو سکے گی۔ تو میں اپنی جان پر ترس کھا کر رونے لگا۔

نہ صرف یہ کہ آپ کو اپنی ان وسیع ذمہ داریوں کا پورا شعور تھا بلکہ آپ نے واضح طور پر اعلان کر دیا تھا کہ:

وما احد منکم تبلغنی حاجتہ لا حرصت ان اسد من حاجتہ ما قدرت علیہ[۵۱]۔

تم میں سے جس کسی کی بھی کسی ضرورت کا علم مجھے ہو گا اس کی ضرورت پوری کرنے کی میں حتی الامکان پوری کوشش کروں گا۔

یہی اعلان آپ سے پہلے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی کر چکے تھے۔ فرمایا:

ومن اراد ان یسأل عن المال فلیأتنی فان اللہ جعلنی خازنا وقاسما[۵۲]

اور جو مال مانگنا چاہے وہ میرے پاس آئے کیونکہ اللہ نے مجھے اپنے مال کا خزانچی اور تقسیم کنندہ بنا دیا ہے۔

---

[۵۱]: ابن عبد الحکم: سیرت عمر بن عبد العزیز۔ صفحہ ۱۴۱

[۵۲]: ابن جوزی: سیرت عمر بن الخطاب۔ صفحہ ۱۰۱۔ مطبعۃ السعادۃ مصر ۱۹۲۴ء

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلامی ریاست کے شہری اپنے حکمرانوں کی اس ذمہ داری سے واقف تھے ۔ اور وقت آنے پر ان کو اس ذمہ داری کی ادائیگی کی طرف متوجہ بھی کرتے ۔ اوپر ہم نے امیر معاویہ کے عہد کا ایک واقعہ نقل کیا ہے ۔ ذیل کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہد میں بھی اسی قسم کا واقعہ پیش آیا تھا :

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہد میں ایک زبردست قحط پڑا تو عرب سے کچھ لوگ ایک وفد کی شکل میں آپ کے پاس آئے ۔ انہوں نے آپ سے گفتگو کرنے کے لیے ایک آدمی کو منتخب کر لیا ۔ اس شخص نے کہا : "اے امیر المؤمنین ہم ایک شدید ضرورت کے تحت آپ کے پاس آئے ہیں ہمارے جسم کی چمڑی سوکھ گئی کیونکہ اب ہڈیاں بھی میسر نہیں آتیں اور ہماری مشکل کا حل بیت المال کے ذریعہ ممکن ہے ۔ اس مال کی حیثیت تین میں سے ایک ہو سکتی ہے ۔ یا تو یہ خدا کے لیے ہے یا بندگانِ خدا کے لیے یا آپ کے لیے ۔ اگر یہ خدا کے لیے ہے تو خدا کو اس کی ضرورت نہیں ۔ اگر بندگانِ خدا کے لیے ہے تو اسے انہیں دے دیجیے ، اور اگر آپ کا ہے تو صدقہ کے طور پر ہمیں دے دیجیے ۔ اللہ صدقہ کرنے والوں کو جزائے خیر دے گا ۔"

یہ سن کر عمر بن عبدالعزیز کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں اور آپ نے فرمایا کہ اس کی حیثیت وہی ہے جس کا تم نے ذکر کیا ہے ۔ اور حکم دے دیا کہ ان لوگوں کی ضروریات بیت المال سے پوری کی جائیں۔[۱]

متعدد دوسرے مواقع پر یہ ہوا کہ کوئی ضرورت مند آپ کے پاس آیا ، اور آپ نے اس کی ضرورت معلوم کرنے کے بعد اسے پورا کرنے کا اہتمام کیا ۔[۲]

---

[۱] : امام غزالی : التبر المسبوک فی نصائح الملوک ۔ علی ہامش سراج الملوک ۔ لابی بکر محمد بن محمد ابن الولید الفہری الطرطوشی المالکی صفحہ ۶۱ - ۶۲ مطبع خیریہ مصر ۱۳۰۶ھ

[۲] : ابن جوزی : سیرت عمر بن عبدالعزیز صفحات ۷۵، ۹۵، ۵۰ ، ۱۰۵، ۵۴

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کو اس کی بڑی فکر تھی کہ رعایا فقر و فاقہ سے نجات پا جائے۔ ایک بار ایک صاحب مدینہ سے آپکے پاس آئے تو آپ نے اُن سے وہاں کے حالات دریافت کرتے ہوئے پوچھا کہ فلاں مقام پر جو فقیر بیٹھا کرتے تھے اُن کا کیا حال ہے۔ انھوں نے بتایا کہ وہ لوگ اب وہاں نہیں بیٹھتے، اللہ نے ان کو ایسا کرنے سے بے نیاز کر دیا ہے۔[۵۱]

کفالت عامہ کے فریضہ کی عملاً انجام دہی کی متعدد مثالیں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ملتی ہیں۔ جب آپ شام تشریف لے گئے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے بڑے مؤثر انداز میں آپ کو یہ بتایا کہ عوام بھوک سے پریشان ہیں۔ آپ نے فوراً مقامی حکام کو حکم دیا کہ ہر مسلمان کے لیے بقدرِ کفایت غذائی اجناس فراہم کریں۔[۵۲]

"کلبی روایت کرتے ہیں کہ ایک بار حضرت عمرؓ اپنی چادر میں کنکریاں بھر کر اسے سر کے نیچے رکھے ہوئے مسجد میں سو رہے تھے کہ ایک پکارنے والے نے یا عمر، یا عمر پکارنا شروع کیا۔ آپ چونک کر اُٹھے اور آواز کی سمت میں دوڑ پڑے۔ دیکھا کہ ایک اعرابی اپنے اونٹ کی نکیل تھامے کھڑا ہے اور اس کے گرد لوگ جمع ہو گئے ہیں۔ جب اس نے حضرت عمر کو دیکھا تو لوگوں نے اسے بتایا کہ یہی امیرالمؤمنین ہیں۔ حضرت عمر نے دریافت کیا کہ تجھے کس نے ستایا آپ نے سمجھا کہ وہ کوئی ستم رسیدہ ہے۔ وہ اُٹھ کر اپنا حال بیان کرنے لگا۔ چند اشعار پیش کیے جن میں قحط کی شکایت کی۔ حضرت عمر اپنا ہاتھ سر پر رکھ کر چیخے ؟ ہائے عمر! ہائے عمر! لوگو تم سمجھے یہ کیا کہہ رہا ہے ؟ یہ قحط اور خشک سالی کا ذکر کر رہا ہے۔ عمر شکم سیر ہو کر کھاتا اور پیتا ہے اور مسلمان قحط و مصیبت میں گرفتار ہیں! کون ہے جو ان لوگوں کو رسد اور کھجوریں اور ان کی ضرورت کی دوسری چیزیں پہنچائے ؟ چنانچہ آپ نے دو انصاری افراد

---

[۵۱] : ابن جوزی : سیرت عمر بن عبدالعزیز۔ صفحہ ۷۶

[۵۲] : ابو عبید : کتاب الاموال صفحہ ۲۶۳ نیز ملاحظہ ہو صفحہ ۲۴۷ - ۲۴۸

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو بہت سے اونٹوں کے ساتھ جن پر اجناس اور کھجوریں لدی ہوئی تھیں روانہ کیا۔ وہ یمن گئے اور اپنے ساتھ جو کچھ لے گئے تھے اسے وہاں تقسیم کر دیا۔[۵]

۱۸ھ کا مشہور قحط — جس کی وجہ سے اسلامی تاریخ میں اس سال کا نام "عام الرمادہ" پڑ گیا ہے — قرنِ اوّل کی اسلامی ریاست کے لیے ایک آزمائشی موقع تھا۔ اس موقع پر سربراہِ ریاست، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جس احساسِ ذمہ داری، چستی اور تندہی اور حسنِ انتظام کے ساتھ اپنی ذمہ داریاں ادا کیں وہ ہمیشہ مسلمان حکمرانوں کے لیے ایک نمونہ رہے گا۔ اس قحط کی تفصیلی روداد تاریخ کی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔ یہاں اتنا بتانا کافی ہوگا کہ قحط اتنا شدید تھا کہ نو ماہ تک پورے حجاز میں قحط و فاقہ کا دور دورہ تھا۔ خشک سالی کے سبب پیداوار نہیں ہوئی تھی اور دیہات کی آبادی کا ایک بڑا حصہ شہروں اور بالخصوص مدینہ میں آ بسا تھا کہ شاید وہاں سدِ رزق کا اہتمام ہو سکے اور فاقہ کشی کی موت سے بچ سکیں۔ باوجود ہر طرح کے اہتمام کے فاقہ کی وجہ سے بکثرت موتیں ہوئیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں غذائی اجناس کی عام تقسیم اور سرکاری طور پر ہزاروں افراد کے لیے کھانا پکوا کر دونوں وقت کھلانے کا انتظام کیا۔ دوسرے علاقوں اور مصر و شام جیسے دور دراز ممالک سے غلہ، آٹا، چربی، تیل وغیرہ اشیاء ضرورت کو اونٹوں کے لمبے لمبے قافلوں پر بار کرا کے منگوایا۔ ہزاروں کی تعداد میں مویشی اور اونٹ باہر سے منگوا کر ذبح کرائے۔ اور پورے قحط زدہ علاقہ میں لوگوں کو اذنِ عام دے دیا کہ باہر سے آنے والے ان سرکاری قافلوں سے ضرورت کے مطابق چیزیں لے لیں۔ آپ نے قحط اور فاقہ کی بلا کا مقابلہ اُسی اہتمام کے ساتھ کیا جس طرح بڑی بڑی جنگیں لڑی جاتی ہیں۔ آپ شخصی طور پر ان انتظامات کی نگرانی کرتے تھے۔ اور کام کرتے کرتے آپ کی حالت ایسی ہو گئی تھی کہ بعد میں لوگ یہ کہہ اٹھے کہ :

لو لم یرفع اللہ المحل عام الرمادہ لظننا ان عمر یموت

---

۵ : ابن جوزی : سیرت عمر بن الخطاب۔ صفحہ ۳۷

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

هٰذا بامر المسلمین ۔

اگر اللہ عام الرمادہ میں قحط دُور نہ کر دیتا تو ہمیں اندیشہ تھا کہ عمر مسلمانوں کے اس مسئلہ کی فکر کرتے کرتے مر جائیں گے ۔

دن بھر آپ ان کاموں میں مصروف اور پریشان رہتے ۔ پھر راتوں میں رزاقِ مطلق اور رب العالمین کے حضور سجدہ ریز ہو کر دعائیں کرتے ۔ آپ نے عام مسلمانوں کی مصیبت میں پوری طرح شریک ہونے کی خاطر گھی اور گوشت کا استعمال ترک کر دیا تھا جس کی وجہ سے صحت خراب ہو گئی اور رنگ سیاہ پڑ گیا[1] ۔

کفالتِ عامہ کی ذمہ داری کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تصور اتنا وسیع اور ہمہ گیر تھا کہ آپ فرماتے تھے کہ اگر دارالاسلام کے حدود کے اندر کوئی جانور بھی بھوک سے مر گیا تو مجھے اندیشہ ہے کہ اللہ کے حضور مجھے اس کے لیے جواب دہ ہونا پڑے گا ۔

لو مات جمل ضیاعًا علی شط الفرات لخشیت ان یسئلنی اللہ عنہ[2] ۔

اگر ساحلِ فرات پر کوئی اونٹ بے سہارا مر جائے تو مجھے ڈر ہے کہ اللہ مجھ سے اس کے بارے میں جواب طلب کرے گا ۔

لو ماتت شاۃ علی شط الفرات ضائعۃ لظننت ان اللہ سائلی عنھا یوم القیامۃ[3] ۔

اگر دریائے فرات کے کنارے کوئی بکری بھی بے سہارا ہونے کی وجہ سے مر جائے تو میرا خیال ہے کہ اللہ قیامت کے دن مجھ سے اس کے بارے میں جواب طلب کرے گا ۔

---

[1] : مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو محمد ابن سعد : الطبقات الکبریٰ جلد ۳ صفحات ۳۱۰ تا ۳۲۲ ۔ طبری : تاریخ ۔ حوادث ۱۸ھ اور ابن کثیر : البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۹۰-۹۲

[2] : محمد ابن سعد : بحوالہ بالا صفحہ ۳۰۵ ۔ تاریخ طبری ۔ صفحہ ۲۷۴۰ (حوادث ۲۳ھ)

[3] : ابن جوزی : سیرت عمر بن الخطاب ۔ صفحہ ۱۶۱

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وکان یقول : لو ترکت عنز جرباء الی جانب ساقیۃ لم تدھن لخشیت ان اُسأل عنھا یوم القیامۃ[1]

اور آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر کسی نہر کے کنارے کوئی خارشتی بکری اس حال میں چھوڑ دی جائے کہ اُسے دعلاج کے طور پر، تیل کی مالش نہ کی جا سکے تو مجھے اندیشہ ہے کہ قیامت کے دن مجھ سے اس کے بارے میں جواب طلب کیا جائے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے واضح ہے کہ آپ کفالتِ عامہ کی ذمہ داری میں دوا علاج کو بھی داخل سمجھتے تھے۔ جو حکمران جانوروں کے علاج کو اپنی ذمہ داری سمجھتا ہو وہ انسانوں کے علاج کو بدرجہ اولیٰ اپنی ذمہ داری میں داخل سمجھے گا۔

کفالتِ عامہ اور قیامِ عدل کی ذمہ داریوں کو تمام و کمال ادا کرنے کے لیے آپ نے یہ پروگرام بنایا تھا کہ ایک سال تک پوری اسلامی مملکت کا دورہ کر کے حالات کا جائزہ لیں۔ چنانچہ آپ نے فرمایا تھا کہ :

"اگر میں زندہ رہا، انشاء اللہ، تو ایک سال تک اپنی رعایا کے درمیان دورہ کروں گا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ عوام کی بعض ضروریات ایسی ہیں جن کی خبر مجھ تک نہیں پہنچ پاتی۔ ان کے مقامی حاکم مجھے ان کی ضروریات سے باخبر نہیں رکھتے اور خود وہ لوگ مجھ تک نہیں پہنچ سکتے۔ میں پہلے شام جاؤں گا اور دو ماہ وہاں ٹھہروں گا۔ پھر الجزیرہ جاؤں گا اور وہاں دو مہینہ قیام کروں گا۔ پھر مصر جاؤں گا اور وہاں بھی دو مہینہ تک رہوں گا۔ پھر بحرین جاؤں گا اور دو مہینہ وہاں رہوں گا۔ پھر کوفہ جاؤں گا اور وہاں دو مہینہ قیام کروں گا۔ پھر بصرہ جاؤں گا اور دو ماہ وہاں ٹھہروں گا۔ خدا کی قسم! یہ سال کتنا اچھا ہوگا!"[2]

---

[1] امام غزالی : التبر المسبوک ۔ صفحہ ۱۷

[2] طبری : تاریخ ۔ صفحہ ۲۷۳۸ (حوادث ۲۳ھ) نیز ابن جوزی : سیرت عمر ۔ صفحہ ۱۲۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مگر شہادت نے آپ کو اس پروگرام کے مطابق عمل کرنے کا موقع نہ دیا۔

خود مدینہ میں آپ اہلِ حاجت کا پتہ لگانے اور ان کی حاجت روائی کا اہتمام کرنے کے لیے راتوں میں گشت لگاتے تھے۔ کئی بار ایسا ہوا کہ آپ کو کسی کی کسی ضرورت کا پتہ اسی گشت کے دوران لگا اور آپ نے فوراً وہ ضرورت پوری کی۔[1]

آپ اپنے ماتحت حکام کو بھی اس ذمہ داری کی طرف متوجہ کرتے رہتے تھے۔ بصرہ کے والی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ جب ایک وفد کے ساتھ آپ سے ملاقات کے لیے آئے تو آپ نے ان لوگوں کو ہدایت فرمائی کہ:

الا وادسعوا الناس فی بیوتھم واطعموا عیالھم۔[2]

سنو! لوگوں کے گھروں میں ان کے لیے فراخی کا سامان فراہم کرو اور ان کے متعلقین کو کھلانے کا سامان کرو۔

کفالتِ عامہ کی ذمہ داری صرف مسلمان شہریوں تک محدود نہیں سمجھی جاتی تھی بلکہ غیر مسلم رعایا کو بھی اس سلسلہ میں وہی حیثیت حاصل تھی جو مسلمانوں کو تھی۔ حضرت عمرؓ نے بیت المال کے نگران کو ہدایت کی تھی کہ ضرورت مند اہلِ ذمہ کا پتہ لگا کر ان کی ضروریات کی تکمیل کا اہتمام کیا جائے:

"عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا گذر کسی کے دروازہ پر ہوا جہاں ایک سائل بھیک مانگ رہا تھا، ایک بوڑھا آدمی جس کی بصارت زائل ہو چکی تھی۔ آپ نے پیچھے سے اس کے بازو کو ٹھوکا اور پوچھا "تم کس مذہب کے اہلِ کتاب ہو؟" اس نے جواب دیا کہ یہودی ہوں۔ آپ نے پوچھا "تمہیں کس چیز نے ایسا کرنے پر مجبور کر دیا؟" اس نے جواب دیا کہ میں بڑھاپے، ضرورت مندی اور جزیہ کی وجہ سے بھیک مانگ رہا ہوں۔ (راوی) کہتا ہے کہ حضرت عمرؓ

---

[1] : طبری: تاریخ صفحہ ۲۷۴۳ (حوادث ۲۳ھ) اور اس کے بعد
نیز ابنِ جوزی: سیرت عمر بن الخطاب۔ صفحہ ۴۶-۴۸۔

[2] : طرطوشی: سراج الملوک۔ صفحہ ۱۰۹ مطبع خیریہ مصر ۱۳۰۶ھ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کا ہاتھ پکڑ کر اُسے اپنے گھر لے گئے اور گھر میں سے لا کر اُسے کچھ دیا۔ پھر آپ نے بیت المال کے خزانچی کو بلوایا اور ان سے کہا "اس کا اور اس جیسے دوسرے افراد کا خیال رکھو۔ کیونکہ خدا کی قسم یہ بات انصاف سے بعید ہے کہ ہم ان کی جوانی میں ان سے جزیہ وصول کر کے کھائیں اور جب بڑھاپے میں انھیں بے سہارا چھوڑ دیں"[۵۱]

شام کے سفر میں آپ کو راستہ میں کچھ عیسائی ملے جو جذام میں مبتلا تھے۔ آپ نے ان کی معذوری کے پیشِ نظر ان کے لیے روزینہ جاری کرنے کا حکم دے دیا۔[۵۲]

غیر مسلم رعایا کی ضروریات کی تکمیل کا یہ اہتمام صرف حضرت عمرؓ کی شفقت کا نتیجہ نہ تھا۔ بلکہ ابتدا ہی سے یہ اسلامی ریاست کی معاشی پالیسی کا ایک اہم اصول تھا۔ یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر نقل کیے ہوئے اس خط سے ظاہر ہے جو آپ نے قبیلہ حمیر کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جب حضرت خالد بن ولید نے اہلِ حیرہ کے ساتھ، جو عیسائی تھے معاہدہ کیا۔ تو اس میں ایک دفعہ یہ بھی رکھی کہ:

وجعلت لھم ایما شیخ ضعف عن العمل و اصابتہ آفۃ من الآفات او کان غنیًا فافتقر وصار اھل دینہ یتصدقون علیہ طرحت جزیتہ وعیل من بیت مال المسلمین وعیالہ ما اقام بدار الھجرۃ ودار الاسلام۔[۵۳]

میں نے ان کا یہ حق قرار دیا ہے کہ ایسا بوڑھا آدمی جو محنت کرنے سے معذور ہو جائے، یا جس پر کوئی مرض یا مصیبت آ پڑے، یا جو آدمی پہلے مالدار رہا ہو

---

۵۱ : ابو یوسف: کتاب الخراج۔ صفحہ ۱۵۰-۱۵۱

۵۲ : بلاذری: فتوح البلدان۔ صفحہ ۱۳۵

۵۳ : ابو یوسف: کتاب الخراج۔ صفحہ ۱۴۴

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اب ایسا غریب ہو جائے کہ اس کے ہم مذہب اسے خیرات دینے لگیں۔ اس کا جزیہ ساقط کر دیا جائے گا اور جب تک وہ دارالہجرت اور دارالاسلام میں مقیم رہے گا۔ اس کی اور اس کے اہل و عیال کی کفالت مسلمانوں کے بیت المال سے کی جائے گی۔

اوپر جو احادیث و آثار نقل کیے گئے ہیں ان کا تعلق بہت بنیادی ضروریات سے ہے۔ اگرچہ بعض احادیث میں ادائے قرض کا بھی ذکر آیا ہے اور سرپرستی (ولایت) کی احادیث کا تعلق بہ ظاہر کی بنیادی ضروریات سے ہے۔ بعض دوسرے آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ غذا، لباس، مکان اور علاج جیسی بنیادی ضرورتوں کے علاوہ دوسری ضروریات کی تکمیل کا بھی اہتمام کیا گیا تھا۔

ان دوسری ضروریات میں سے ایک اہم ضرورت عام تعلیم کی ہے۔ اسلامی ریاست اپنے شہریوں کو لکھنا اور پڑھنا سکھانے کا بھی اہتمام کرتی تھی۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کا اہتمام کرتے تھے کہ لوگ لکھنا اور پڑھنا سیکھیں۔ آپ ہی کے حکم سے حضرت زید بن ثابتؓ نے یہود کی زبان رسم عبرانی لکھنا اور پڑھنا سیکھا تھا[۱]۔ بدر کے موقع پر متعدد قیدیوں کا فدیہ یہ قرار دیا گیا کہ ان میں سے ہر ایک مدینہ کے دس بچوں کو لکھنا سکھا دے[۲]۔ صفہ کی اسلامی درسگاہ میں شریک ہونے والے قرآن کریم اور تعلیمات دین کے ساتھ لکھنا اور پڑھنا بھی سیکھتے تھے۔ چنانچہ حضرت عبادہ بن صامتؓ نے یہاں بعض لوگوں کو لکھنا بھی سکھایا تھا[۳]۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ نے حضرت سعید بن العاصؓ کو اس بات پر مامور کیا تھا کہ مدینہ کے لوگوں کو لکھنا سکھائیں[۴]۔

۱۔ ابوداؤد: کتاب العلم۔ باب روایت حدیث اہل الکتاب۔

۲۔ محمد ابن سعد: الطبقات الکبیر۔ جلد ۲۔ صفحہ ۲۲۔

۳۔ ابوداؤد: کتاب البیوع۔ باب فی کسب المعلم

۴۔ ابن عبدالبر: الاستیعاب فی معرفۃ الصحابہ۔ جلد ا صفحہ ۹۳۔ دائرۃ المعارف حیدر آباد (۱۳۱۸ھ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

متعدد روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دیہات کے علاقوں میں عوام کو اسلامی آداب زندگی سکھانے کے لیے مدینہ سے اپنے کسی صحابی کو بھیجتے تھے ایک بار عرب کے چند قبائل نے آپ سے فرمائش کی کہ ان کے عوام کو دین سکھانے کے لیے اپنے چند رفقا کو بھیجیں تو آپ نے انصار میں سے ستر آدمیوں کو جو اپنے زمانہ میں "قُرّاء" (عالم قرآن) کہلاتے تھے اور "جو دنوں میں لکڑیاں چنتے تھے مگر راتوں کو لکھتے تھے" ان کے یہاں بھیجا تھا۔[۵۱] یہ واقعہ ۴ھ کا ہے۔ جنگ بدر کے سلسلہ میں جس روایت کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے اس کا تعلق ۲ھ سے ہے اور اس میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں کہ مدینہ کے لوگ لکھنا نہیں جانتے تھے۔[۵۲] ان دونوں روایات کی روشنی میں ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے پیمانہ پر اس کا اہتمام کیا تھا کہ مسلمان دین کا علم حاصل کرنے کے ساتھ لکھنا پڑھنا بھی سیکھیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بچوں کی تعلیم کے لیے معلم مقرر کیے تھے جن کو بیت المال سے تنخواہ دی جاتی تھی:

عن الوضین بن عطاء قال ثلاثة کانوا بالمدینة یعلمون الصبیان وکان عمر بن الخطاب یرزق کل واحد منهم خمسة عشر درهما کل شهر[۵۳]

وضین بن عطاء سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ مدینہ میں تین آدمی تھے جو بچوں کو تعلیم دیا کرتے تھے اور عمر بن الخطاب ان میں سے ہر ایک کو پندرہ درہم ماہانہ دیا کرتے تھے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنروں کو لکھا کہ آپ کو ان لوگوں کی فہرست بھیجی جائے جن کو قرآن کریم حفظ ہے تاکہ ان کو اونچے وظیفے دے کر مختلف علاقوں

۵۱: بخاری: کتاب المغازی۔ باب غزوۃ الرجیع ورعل وذکوان بئر معونۃ..... عن انس بن مالک۔

۵۲: محمد ابن سعد: طبقات۔ جلد ۲۔ صفحہ ۲۲۲

۵۳: کنز العمال: جلد ۲۔ بحوالہ مسند ابن ابی شیبہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں لوگوں کو قرآن کی تعلیم دینے پر مامور کر دیا جائے۔[۵۱]

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے بھی دیہات کے مسلمانوں کو اسلامی آداب زندگی کی تعلیم دینے کے لیے با تنخواہ معلم مقرر کیے تھے۔[۵۲] آپ نے طالب علموں کے لیے، اور ایسے افراد کے لیے جو اپنے علمی مشاغل کے سبب کسب معاش سے قاصر تھے وظائف بھی مقرر کیے تھے۔[۵۳]

ان آثار سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ریاست کی طرف سے علم سکھانے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ بعض دوسرے آثار سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ معذور افراد کو خادم بھی فراہم کیے جاتے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے شام میں نابینا افراد، فالج یا کسی دوسرے مزمن مرض کے سبب معذور افراد اور بے سہارا یتیم بچوں کی خدمت کے لیے سرکاری طور پر خادم فراہم کیے تھے۔[۵۴] حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ایک اثر سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ معذور افراد کو خادم فراہم کرنا بھی اسی اصول کے تحت آتا ہے جس اصول کے تحت بھوکے کو کھانا کھلانا۔ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ ۱۸ھ کے شدید قحط کے زمانہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں سرکاری طور پر کھانا پکوا کر تمام ضرورت مند لوگوں کو کھلانے کا اہتمام کیا تھا۔ وہ اس انتظام کی نگرانی خود کرتے تھے۔ انہی دنوں ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ:

كان عمر بن الخطّاب يطعم النّاس بالمدينة وهو يطوف عليهم بيده عصًا۔ فمرّ برجلٍ يأكل بشماله۔ فقال: يا عبد الله كُل بيمينك۔ قال يا عبد الله إنّها مشغولة۔ قال فمضى ثمّ

---

۵۱ : کنز العمال: جلد ۱ صفحہ ۲۴۲۔ حدیث نمبر ۲۰۳۰ (عن کنانۃ العدوی۔ بحوالہ ابن سنجر)

۵۲ : ابوعبید: کتاب الاموال صفحہ ۲۶۲، ابن جوزی: سیرت عمر بن عبدالعزیز صفحہ ۳۷، اور ابن عبدالحکم: سیرت عمر بن عبدالعزیز۔ صفحہ ۶۷

۵۳ : ابوعبید: کتاب الاموال۔ صفحہ ۲۶۱، اور ابن جوزی: صفحہ ۹۵ اور ۱۰۳

۵۴ : ابن جوزی: سیرت عمر بن عبدالعزیز۔ صفحہ ۱۵۴ - ۱۵۵

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مرّ به وهو يأكل بشماله فقال يا عبد الله كُلْ بيمينك - قال يا عبد الله إنها مشغولة ـــــ ثلاث مرات ـــــ قال وما شغلها؟ قال: أصيبت يوم مؤتة. قال فجلس عمر عنده يبكي - فجعل يقول من يوضئك؟ من يغسل رأسك وثيابك؟ من يصنع كذا وكذا؟ فدعا له بخادم وامر له براحلة وطعام وما يصلحه وما ينبغي له حتى دفع أصحاب محمد صلى الله عليه وسلم أصواتهم يدعون الله لعمر مما رأوا رفقه بالرجل واهتمامه بأمر المسلمين [1]۔

عمر بن الخطاب مدینہ میں لوگوں کو کھانا کھلا رہے تھے۔ آپ ہاتھ میں لاٹھی لیے ان کے درمیان گشت کر رہے تھے۔ اسی دوران میں آپ کا گذر ایک ایسے آدمی کے پاس سے ہوا جو بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا تھا۔ آپ نے اس سے کہا: "بندۂ خدا، دائیں ہاتھ سے کھا" اس نے جواب دیا: "بندۂ خدا، وہ مشغول ہے" آپ آگے بڑھ گئے۔ دوبارہ وہاں سے گذرے تو پھر دیکھا کہ وہ بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا ہے۔ آپ نے اس سے پھر کہا "بندۂ خدا، دائیں ہاتھ سے کھا" اس نے کہا "بندۂ خدا وہ مشغول ہے" ـــــ اس نے تین بار یہی جواب دیا ـــــ آپ نے پوچھا کہ کس کام میں مشغول ہے؟ اس نے جواب دیا کہ دایاں ہاتھ موتہ کی لڑائی میں کام آ گیا۔ راوی کہتا ہے کہ یہ سُن کر عمر اس کے پاس بیٹھ گئے اور رونے لگے۔ اس سے پوچھنے لگے کہ تمھیں وضو کون کراتا ہے؟ تمھارا سر کون دھوتا ہے؟ کپڑے کون دھوتا ہے؟ فلاں اور فلاں کام کون کرتا ہے؟ پھر آپ نے اس کے لیے ایک ملازم منگوایا اور اسے ایک سواری دلوائی اور دوسرے سامانِ ضرورت

---

[1] : امام محمد بن الحسن الشیبانی: کتاب الآثار۔ باب فضائل الصحابہ و...... (حدیث نمبر ۸۵۲)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی دلوائے۔ یہاں تک کہ اس آدمی کے ساتھ آپ کا انتہائی مشفقانہ سلوک اور مسلمانوں کی بہبود کے لیے حضرت عمرؓ کا یہ اہتمام دیکھ کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ بلند آواز سے عمرؓ کے لیے اللہ سے دعائیں کرنے لگے۔

سواری کی شدید ضرورت ان مسافروں کو بھی پیش آتی ہے جو منزل سے پہلے تھک کر رہ جائیں۔ عالمِ مسافرت میں ان کو عارضی قیام کے لیے جگہ کی، اور اکثر اوقات سامانِ غذا کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے مکہ اور مدینہ کے درمیانی راستہ پر اس کا انتظام کر دیا تھا کہ ایسے ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کی جائے[۱]۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے بھی حکام کو ایسے مسافر خانے بنوانے کا حکم دیا تھا جہاں مسافروں کو قیام و طعام مفت فراہم کیا جائے[۲]۔

اوپر وہ حدیث گذر چکی ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرضہ چھوڑ کر مرنے والوں کے قرض کی ادائیگی کو، بیت المال میں گنجائش کے پیشِ نظر، اپنے ذمے لیا تھا۔ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے یہ حکم جاری کیا تھا کہ بیت المال سے مقروض افراد کو ادائے قرض کے لیے مالی امداد دی جائے[۳]۔

بعض آثار سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ غیر شادی شدہ افراد کو شادی کرنے کے لیے بیت المال سے مالی امداد دی جاتی تھی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے کوفہ کے والی زید بن عبدالرحمٰن بن عمر بن الخطاب کو لکھا کہ بیت المال کے فاضل مال میں سے ایسے لوگوں کی مدد کی جائے "جنہوں نے شادی کی ہو اور ان کے پاس نقد نہ ہو[۴]۔"

ان آثار و احادیث کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ اسلامی ریاست کی

---

[۱] : ابنِ سعد: طبقات۔ جلد ۳، صفحہ ۲۸۳، طبری صفحہ ۲۵۲۹، اور بلاذری: فتوح البلدان۔ صفحہ ۵۲۔

[۲] : ابنِ اثیر: الکامل۔ جلد ۶۔ صفحہ ۲۲

[۳] : ابو عبید: کتاب الاموال۔ صفحہ ۲۵۱، ابن عبدالحکم: سیرۃ عمر بن عبدالعزیز صفحہ ۶۰، ۱۶۱

[۴] : ابنِ عبدالحکم: سیرۃ عمر بن عبدالعزیز صفحہ ۶۰، ابو عبید: کتاب الاموال صفحہ ۲۵۱

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذمہ داری ہے کہ محروم اہلِ حاجت کی حاجت روائی کا اہتمام کرے۔ بعض بنیادی ضروریات کی تکمیل لازمی ہے، مگر حتی الامکان دوسری اہم ضروریات کی طرف بھی توجہ کی جانی چاہیے۔ مسلمان حکمرانوں کے فرائض پر اظہارِ خیال کرنے والے متعدد مفکرین نے اس فرض کی صراحت کی ہے۔ جن مفکرین نے اسے 'فرائضِ امیر' کی فہرست میں نہیں داخل کیا ہے۔ مثلاً ماوردی اور ابویعلیٰ، ان کے پیشِ نظر غالباً یہ مفروضہ رہا ہے کہ زکوٰۃ اور صدقاتِ واجبہ کی تحصیل و تقسیم سے یہ مقصد بتمام و کمال حاصل ہو جائے گا۔ اس سلسلہ میں بنیادی اصول کو ابنِ حزم نے واضح کر دیا ہے:

"ہر ملک کے مال دار لوگوں پر فرض ہے کہ اپنے غریب لوگوں کی کفالت کریں اگر زکوٰۃ کی آمدنی اور سارے مسلمانوں کی فئے اس کے لیے کافی نہ ہو تو سلطان ان کو ایسا کرنے پر مجبور کرے گا۔ ان (اہلِ حاجت) کے لیے اتنے مال کا انتظام کیا جائے گا جس سے کہ وہ بقدرِ ضرورت غذا حاصل کر سکیں۔ اور اسی طرح جاڑے اور گرمی کا لباس، اور ایک ایسا مکان جو انہیں بارش، گرمی، دھوپ اور راہ گیروں کی نظروں سے محفوظ رکھ سکے۔"[۵۱]

امام غزالی لکھتے ہیں:

"سلطان پر واجب ہے کہ جب اس کی رعایا تنگی میں مبتلا ہو اور فاقہ اور مفلسیت سے دوچار ہو تو ان کی مدد کرے۔ بالخصوص قحط اور گرانی کے زمانہ میں، کیونکہ ایسے حالات میں لوگ کسبِ معاش میں ناکام رہتے ہیں اور گذر اوقات کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ ایسے حالات میں سلطان کو چاہیے کہ ان کو کھانا فراہم کرے اور ان کے خزانے سے انہیں مال دے کہ ان کی حالت بہتر بنائے۔"[۵۲]

۵۱: ابنِ حزم: المحلی۔ جلد ۶۔ صفحہ ۱۵۶

۵۲: امام غزالی: التبر المسبوک۔ صفحہ ۹۴

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جصاص نے احکام القرآن میں سورۂ یوسف کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :

"اللہ تعالیٰ نے ہمیں حضرت یوسف علیہ السلام کا جو قصہ سنایا ہے اور ان کے بارے میں قحط کے زمانہ میں غذائی اشیاء کو محفوظ کر کے انسانوں میں بقدرِ ضرورت تقسیم کرنے کا جو واقعہ نقل کیا ہے وہ اس بات پر دلیل ہے کہ ہر زمانہ میں حکمرانوں پر یہ واجب ہے کہ جب اُن کو اندیشہ ہو کہ قحط کے سبب عوام ہلاک ہو جائیں گے تو یہی طریقہ اختیار کریں۔"[۱]

اس مسئلہ میں اصولی بات یہ ہے کہ ہر فرد کی بنیادی ضروریات کی تکمیل پورے اسلامی معاشرہ پر ایک فرض کفایہ ہے۔ اور فرض کفایہ کی بقدرِ کفایت تکمیل کی ذمہ داری بالآخر ریاست کے سر آتی ہے۔ جیسا کہ پہلے باب میں واضح کیا جا چکا ہے۔ یہ مقصد —— ہر فرد کی بنیادی ضروریاتِ زندگی کی تکمیل —— جس حد تک افراد کے اپنے وسائل اور محنت اور پھر معاشرہ کے رضاکارانہ تعاون سے نہ حاصل ہو سکے۔ اس حد تک ریاست کو اپنے زیرِ اہتمام حاصل کرنا ہوگا تاکہ شریعت کا منشاء پورا ہو جائے۔ بعض فقہاء نے اس اصول کی صراحت بھی کر دی ہے۔ چنانچہ امام نووی نے "منہاج الطالبین" میں لکھا ہے :

"فرض کفایہ میں شامل ہے ...... مسلمانوں کی تکالیف دُور کرنا۔ مثلاً ننگے کو کپڑا پہنانا اور بھوکے کو کھانا کھلانا جبکہ یہ ضروریات زکوٰۃ اور بیت المال کے ذریعہ نہ پوری ہو رہی ہوں ......"[۲]

منہاج کے شارح شہاب الدین احمد الرملی اس بیان پر یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ :

"کیا تکلیف دُور کرنے (دفع ضرر) سے مراد اس مقدار کی فراہمی ہے جس سے سدِّ رمق ہو جائے یا بقدرِ کفایت فراہمی مراد ہے؟"

---

[۱] : جصاص : احکام القرآن - جلد ۳ - صفحہ ۱۷۶

[۲] : ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی : منہاج الطالبین وعمدۃ المفتین - صفحہ ۱۲۵ - طبع دار الاحیاء الکتب العربی - مصر - ۱۳۴۳ھ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اس سوال کا جواب یہ دیتے ہیں کہ :

"اس بارے میں دو رائیں ہیں، جن میں صحیح رائے دوسری ہے چنانچہ ایسا لباس فراہم کرنا ضروری ہے جس سے پورا بدن ڈھک سکے اور جو جاڑے اور گرمی کے حالات کے لیے موزون ہو۔ نیز کھانے اور کپڑے کے ساتھ وہ چیزیں شامل ہیں جو اتنی ہی ضروری ہوں۔ مثلاً طبیب کا معاوضہ، دوا کی قیمت، اور معذور کے لیے ملازم، جیسا کہ ظاہر ہے"[۵]

یہ بات کہ وہ بنیادی ضروریات کیا ہیں جن کی تکمیل کا اہتمام ضروری ہے مقاصدِ شریعت کو سامنے رکھتے ہوئے مذکورہ بالا آثار و احادیث کی روشنی میں طے کی جائے گی۔ غذا، لباس اور سر چھپانے کے لیے مکان ایسی ضروریات ہیں جن کی تکمیل نہ ہو تو آدمی کی جان چلی جانے کا اندیشہ ہے۔ لباس میں اوڑھنے اور بچھانے کے اس سامان کو بھی شامل سمجھنا چاہیے جو سردی سے بچاؤ کے لیے ناگزیر ہو۔ یہی حیثیت مریض کے لیے علاج کی ہے۔ چونکہ قیامِ حیات، شریعت کے اوّلین مقاصد میں سے ہے۔ لہٰذا ان چار ضروریات کی تکمیل کو لازماً کفالتِ عامہ کے اصول میں شامل سمجھنا چاہیے۔

اِن اہم ترین ضروریات کے علاوہ بعض اور ضروریات بھی ہیں جن کو اس فہرست میں شامل کرنے پر غور کیا جاسکتا ہے۔ مذکورہ بالا آثار میں معذور افراد کے لیے خادم فراہم کرنے کا ذکر آیا ہے۔ یہ ضرورت ایسی ہے کہ اگر معذور فرد اپنے خاندان والوں کے تعاون سے یا خود اپنے مال کے ذریعہ خادم رکھ کر گذارا نہ کرسکتا ہو تو معاشرہ کو اس کی یہ ضرورت پوری کرنی چاہیے۔ کیونکہ اگر اسے پورا نہ کیا گیا تو اس کے لیے زندگی گذارنا ممکن نہیں رہے گا۔ ہاتھ پاؤں سے معذور افراد، اندھے اور مزمن امراض میں مبتلا بے سہارا افراد کے لیے ایسے ادارے قائم ہونے چاہییں جہاں ان کی خدمت اور دیکھ بھال کا اجتماعی طور پر انتظام ہو۔ ایسے ادارے معاشرہ میں افراد کے رضاکارانہ تعاون سے

---

۵ : شہاب الدین احمد الرملی : نہایۃ المحتاج الی شرح المنہاج۔ جلد ۶۔ صفحہ ۱۹۴۔ طبع مصر (سنِ طبع درج نہیں ہے)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی قائم ہو سکتے ہیں اور ریاست کے زیرِ اہتمام بھی چلائے جا سکتے ہیں۔ بالآخر یہ ذمہ داری اسلامی ریاست کی ہوگی کہ ہر معذور فرد کو کوئی مناسب سہارا مل جائے۔

اس ضرورت کو علیحدہ سے شمار کرنے کے بجائے اسے علاج کے وسیع مفہوم میں داخل سمجھا جا سکتا ہے۔

ایک اور اہم ضرورت "تعلیم" کی ضرورت ہے۔ ہر مسلمان کے لیے اسلامی تعلیمات کا علم حاصل کرنا فرضِ عین ہے اور مسلمانوں کو اسلامی طرزِ زندگی کی تعلیم دینا اسلامی ریاست کے اہم ترین فرائض میں سے ہے۔ یہاں اس فرض سے بحث نہیں بلکہ اس بات پر زور دینا مقصود ہے کہ دورِ جدید میں ریاست اس فرض کو ادا کرنے میں اُسی وقت کامیاب ہو سکتی ہے جب وُہ اپنے شہریوں کی عام تعلیم یعنی لکھنا اور پڑھنا سکھانے کا اہتمام کرے۔ اس کا اہتمام قرنِ اوّل کی اسلامی ریاست میں بھی کیا جاتا تھا جیسا کہ اوپر نقل کیے ہوئے آثار سے واضح ہے۔ لیکن اسلام کا علم حاصل کرنے کے ذریعہ کی حیثیت سے عام نوشت و خواند کو اب جو بنیادی اہمیت حاصل ہے وُہ اس زمانہ میں اسے نہیں حاصل تھی۔ عام تعلیم اب دین کا علم حاصل کرنے کا ایک اہم ذریعہ بن چکی ہے۔

ایک شعوری دینی زندگی اور کامیاب دُنیوی زندگی کے لیے ضروری ہونے کے علاوہ ہر جمہوری سماج کی طرح اسلام کے شورائی نظام کی صحت اور استحکام کے لیے بھی یہ بہُت ضروری ہے کہ عام شہری تعلیم یافتہ ہوں۔ عام شہریوں کو حکومت پر صحت مند تنقید کرنے، ملک کے مختلف مسائل میں رائے قائم کرنے اور مشاورت میں حصّہ لینے کے لیے تعلیم کے بغیر تیار نہیں کیا جا سکتا۔ ان دلائل اور مصالح کے پیشِ نظر دورِ جدید کی اسلامی ریاست کو اپنے شہریوں کی تعلیم کو بھی بنیادی ضروریات میں شامل سمجھنا چاہیے۔

مذکورہ بالا آثار میں دو اور ضرورتوں کا ذکر آیا ہے۔ مقروض افراد کے قرضوں کی ادائیگی اور شادی کے قابل غریب افراد کو شادی کرنے کے لیے مالی امداد۔

مقروض افراد کو ادائے قرض کے لیے مالی امداد دینے کے بارے میں کوئی عام

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اصول وضع کرنا مشکل ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جس بات کا ثبوت ملتا ہے۔ وہ صرف یہ ہے کہ اگر ریاست کے خزانہ میں دوسری ضروریات کی تکمیل کے بعد گنجائش ہو تو وہ ان مرنے والوں کا قرضہ ادا کرنے کی ذمہ داری لے لے جنھوں نے اتنا ترکہ نہ چھوڑا ہو جو ادائے قرض کے لیے کافی نہ ہو۔ لیکن زندہ افراد کو ادائے قرض کے لیے مالی امداد دینے کا مسئلہ اس سے مختلف ہے۔ اس سلسلہ میں اس بات کو خاص اہمیت حاصل ہے کہ قرض کن کاموں کے لیے لیا گیا۔ مقروض فرد کے موجودہ وسائل و ذرائع کیا ہیں، اور مستقبل میں اس کے لیے کسب مال کے کیا امکانات ہیں۔ قرض کے بارے پریشان ان افراد کو جو مال نہ رکھتے ہوں زکوٰۃ کے مال میں سے مالی امداد دی جانی چاہیے۔ لیکن ایک عام اصول کے طور پر ریاست پر یہ بار نہیں ڈالا جا سکتا کہ وہ ہر مقروض فرد کا قرض ادا کرے، کیونکہ اس سے گوناگوں مفاسد پیدا ہو سکتے ہیں۔ ماسوا اس بار کے جو ریاست کے خزانہ پر پڑے گا۔

قرآن کریم میں مسلمانوں کو اس بات کی ترغیب دی گئی ہے کہ معاشرہ میں جو لوگ مجرد ہوں ان کا نکاح کرنے کا اہتمام کیا جائے۔[۵۱] اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ جو شخص پاکیزہ زندگی گزارنے کی خاطر نکاح کرنا چاہے اس کا حق ہے کہ اللہ اس کی مدد کرے:

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:
ثلاثۃ کلھم حق علی اللہ عونہ الغازی فی سبیل اللہ والمکاتب الذی یرید الاداء والناکح الذی یرید التعفف[۵۲]

ابوہریرہ سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین (قسم کے آدمی) ایسے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کی مدد اللہ

---

[۵۱]: سورۂ نور: آیت ۳۲

[۵۲]: ابن ماجہ: ابواب العتق۔ باب المکاتب

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ذمّہ ہے: خدا کی راہ میں جہاد کرنے والا، وہ مکاتب غلام جو (اپنا زرِ مکاتبت) ادا کرنا چاہتا ہو، اور وہ نکاح کرنے والا جس کا مقصد (اس کے ذریعہ) پاکیزہ زندگی گذارنا ہو۔

اِن نصوص کی روشنی میں یہ بات بالکل مناسب ہے کہ اسلامی ریاست کو اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ وہ ایسے لوگوں کی مالی امداد کرے جو مالی مشکلات کی وجہ سے شادی کرنے سے قاصر ہوں۔ لیکن اسے اسلامی ریاست کی "ذمّہ داری" نہیں قرار دیا جا سکتا کہ وہ لازماً ہر غیر شادی شدہ کو شادی کرنے کے لیے ضروری مصارف کی تکمیل کے بقدر مال فراہم کرے۔ یہ ضرورت ایسی ہے جسے آدمی کچھ عرصہ مؤخر کر کے، اس دوران کسبِ معاش کر کے، پوری کر سکتا ہے۔ البتہ مخصوص حالات میں ریاست کے لیے یہ طریقہ اختیار کرنا مناسب ہو گا کہ ایسے افراد کو سرکاری خزانہ سے قرض دے جسے وہ گنجائش ہونے پر واپس کر دیں۔

غذا، لباس، مکان، علاج اور تعلیم کی جن بنیادی ضروریات کی تکمیل کو ہم نے بالآخر اسلامی ریاست کی ذمّہ داری قرار دیا ہے۔ ان کے سلسلہ میں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ ان کی وہ کم سے کم مقداریں کیا ہیں جن کی فراہمی اس ذمّہ داری کی ادائیگی کے لیے ضروری سمجھی جائے گی۔ اس سوال کا اصولی جواب یہ ہے کہ غذا، لباس اور مکان کی ضرورتیں کم سے کم اس حد تک پوری کی جانی چاہییں کہ بھوک، پیاس، سردی یا گرمی کی شدت اور بارش وغیرہ کے نتیجہ میں فرد کی جان جانے کا اندیشہ نہ باقی رہے، اور اس کے اندر اتنی طاقت بحال رہے کہ وہ کسبِ معاش کی جدّ و جہد کر سکے۔ اس اصولی بات سے آگے بڑھ کر اشیاءِ مطلوبہ کی کیفیت یا کمیت کے بارے میں کوئی صراحت کرنا دشوار ہے۔ ان کی تعیین احوال و ظروف پر مبنی ہو گی۔ جہاں تک مریض کے علاج کا تعلق ہے۔ ایسا انتظام کیا جانا چاہیے کہ محروم افرادِ ملک کی عام معاشی سطح کے مطابق ضروری طبی خدمات اور دوائیں مفت حاصل کر سکیں۔ تعلیم کم از کم اتنی ہونی چاہیے کہ ہر فرد لکھنا اور پڑھنا سیکھ لے۔ قرآن کریم کا ناظرہ پڑھنا، اسلام کی بنیادی تعلیمات سے واقفیت، جاہلیت اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلام کے درمیان تمیز کی صلاحیت، اور عبادات کے طریقوں اور عام معاملاتِ زندگی میں اسلامی حدود سے آگاہی ابتدائی اسلامی تعلیم کے لازمی معیار میں شامل ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس کم سے کم سطح سے آگے بڑھ کر دینی اور دنیوی علوم و فنون کی اچھی سے اچھی تعلیم دینا ہر ریاست کا مطمحِ نظر ہونا چاہیے۔ یہاں ہم کم سے کم اور لازمی معیار پر گفتگو کر رہے ہیں۔

یہ سوال بھی اُٹھایا جا سکتا ہے کہ ریاست یہ انتظامات عملاً کس طرح کرے گی۔ اس بات کی کیا ضمانت ہو گی کہ افراد ان انتظامات سے بے جا اور بغیر استحقاق فائدہ نہیں اُٹھائیں گے، یا کاہلی اور بے عملی کے ذریعہ خود کو محروم بنانے کی کوشش نہیں کریں گے۔ لیکن جدید متمدن ممالک اور فلاحی ریاستوں (Welfare State) کے تجربوں کی روشنی میں ان مسائل کا حل بآسانی ممکن ہے۔ ان انتظامات سے بے جا فائدہ اُٹھانے کا سدِ باب اخلاقی تربیت، رائے عامہ کے دباؤ اور تعزیری سزاؤں کے ذریعہ کیا جا سکتا ہے۔ قابلِ کار محروم افراد کو ان ضروریات کی تکمیل کے پہلو بہ پہلو کام کرنے پر بھی مجبور کیا جا سکتا ہے۔ اس بات کا لحاظ رکھا جا سکتا ہے کہ بغیر محنت کیے ہوئے محض ریاست کی مدد کے ذریعہ فرد کو جو معیارِ زندگی میسر آ سکتا ہو وہ اس معیار سے فروتر ہو جو خود کسبِ معاش کے ذریعہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ ایسی نفسیاتی، معاشی اور قانونی تدابیر ممکن ہیں جن کے ذریعہ مذکورہ بالا خرابیوں کا بڑی حد تک سدِ باب کیا جا سکتا ہے۔ خود عام انسانوں کی طبیعت ایسی نہیں ہوتی کہ وہ فقر اور امداد طلبی کی زندگی کو دیدہ و دانستہ اس بات پر ترجیح دیں کہ اپنی روزی اپنی قوتِ بازو سے حاصل کی جائے۔ لیکن اس حقیقت اور ہر طرح کی تدابیر کے باوجود اگر معاشرہ میں کچھ افراد ان انتظامات سے بے جا فائدہ اُٹھاتے رہیں تو یہ خرابی اُس عظیم خرابی کے مقابلہ میں بہت خفیف ہے جو اس طرح کا انتظام نہ کرنے کے نتیجہ میں رونما ہوتی ہے۔ یعنی بہت سے افراد کی بنیادی ضروریات کی عدم تکمیل، اس کے نتیجہ میں اموات، اور اس صورتِ حال سے پیدا ہونے والی نفسیاتی اُلجھنیں، اخلاقی مفاسد، اور روحانی اضمحلال و انحلال۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ب) معاشی ترقی کا اہتمام

کفالتِ عامہ کی طرح ملک کی معاشی تعمیر و ترقی بھی ایک اجتماعی فریضہ ہے۔ اگر کفالتِ عامہ سے افراد کی ضروریات کی تکمیل اور قیامِ حیات وابستہ ہے تو معاشی تعمیر و ترقی سے پورے اجتماع کا قیام و بقاء، اس کی قوت کا استحکام اور اس کے جملہ دُنیوی مصالح وابستہ ہیں جن کا تحفظ ریاست کو وجود میں لانے کا ایک اہم سبب ہے۔ یہ ذمہ داری اگرچہ افراد پر ان کی انفرادی حیثیتوں میں بھی عائد ہوتی ہے لیکن اجتماع کے نمائندہ صاحبِ اقتدار ادارہ ریاست پر اس کی ذمہ داری بہت زیادہ ہے۔

کسی ملک کی معاشی تعمیر و ترقی اس ملک کی فوجی طاقت اور دفاعی قوت کی بنیاد اور اس کے سیاسی استحکام کی لازمی شرط ہے۔ آج کل دفاعی قوت براہِ راست صنعتی ترقی سے وابستہ ہے۔ محفوظ دفاعی پالیسی کا ایک مسلّمہ اصول یہ ہے کہ ملک اہم دفاعی سامانوں کے لیے دوسرے ممالک، بالخصوص کسی دوسرے تہذیبی بلاک سے تعلق رکھنے والے ممالک کا محتاج نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ جدید آلاتِ حرب اور دفاعی سامان کسی ملک میں اُسی وقت تیار کیے جا سکتے ہیں جب وہ صنعتی ترقی کے ایک اُونچے معیار پر پہنچ چکا ہو۔ یہ بات محتاجِ دلیل نہیں کہ قرآن و سنّت میں دارالاسلام کی فوجی طاقت اور دفاعی قوت کے استحکام پر بہت زور دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ:

وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ ...... (انفال: ۶۱)

اور اُن (دشمنوں) کے لیے جتنی قوت تم سے ممکن ہو سکے فراہم کر رکھو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانہ کی مختلف فوجی تیاریوں، تیراندازی اور گھوڑسواری کی مشق اور اسلحہ اور گھوڑے فراہم کر رکھنے پر صحابہ کرام کو برابر اُبھارتے رہتے تھے۔ آج کی فوجی تیاریاں اور قوت کے ذرائع مختلف ہیں۔ آج اسی حکم اور الٰہی ارشاداتِ نبوی کا منشاء یہ ہے کہ زمانہ کے معیار کے مطابق فوجی تیاریاں کی جائیں اور دفاعی قوت پیدا کی جائے۔ چونکہ یہ مقصد صنعتی ترقی اور فولاد، ایٹمی توانائی اور بجلی کی طاقت جیسی بنیادی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صنعتوں کے فروغ کے بغیر نہیں حاصل کیا جاسکتا اس لیے ان چیزوں کا اہتمام بھی لازم قرار پائے گا۔ کسی شرعی فریضہ کی ادائیگی اگر کسی دوسرے کام پر موقوف ہو تو وہ کام بھی فرض ہوجاتا ہے۔[1]

معاشی تعمیر و ترقی کا اہتمام فقر و فاقہ کے انسداد اور کفالتِ عامہ کی ذمہ داری کو بخوبی ادا کرنے کے لیے بھی ضروری ہے۔ قومی پیداوار میں اضافہ کی مؤثر تدابیر نہ اختیار کی جائیں تو صرف موجودہ دولت کی از سرِ نو تقسیم کے ذریعہ ملک کے ہر فرد کو ایک معقول معیارِ زندگی کی ضمانت نہیں دی جاسکتی۔ اس نکتہ پر غور کرتے وقت یہ حقیقت بھی پیشِ نظر رہے کہ آج مسلمان ممالک، جن میں اسلامی ریاست کے قیام کا امکان ہے، معاشی طور پر پسماندہ اور کم ترقی یافتہ ہیں۔ ان کی قومی پیداوار کی موجودہ سطح ان کی بڑھتی ہوئی آبادیوں کے لیے ناکافی ہے، اور وہ صرف یہ طریقہ اختیار کر کے کفالتِ عامہ کی ذمہ داری نہیں ادا کرسکتے کہ مالدار لوگوں سے ان کی دولت کا ایک حصہ لے کر اہلِ حاجت کے درمیان تقسیم کر دیں۔

---

[1]: اتفق اصحابنا والمعتزلة علی ان مالا یتم الواجب الا به وھو مقدور للمکلف — فھو واجب۔

ہمارے رفقاء اور معتزلہ سب اس اصول پر متفق ہیں کہ جس چیز کے بغیر واجب کی پوری تعمیل ممکن نہ ہو اور وہ چیز مکلف کے بس میں ہو۔ تو وہ چیز بھی واجب ہے۔

(الآمدی: اصول الاحکام۔ جلد ۱۔ صفحہ ۱۵۸)

ان مالا یتم الواجب الا به واجب مثله۔

جس کام کے بغیر واجب کی تکمیل ممکن نہ ہو وہ کام بھی اسی کی طرح واجب ہے۔

(قرطبی: احکام القرآن۔ جلد ۶ صفحہ ۵۵)

وما لا یتم الواجب الا به فھو واجب۔

(ابن تیمیہ: السیاسۃ الشرعیۃ فی اصلاح الراعی والرعیۃ صفحہ ۱۳۷)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دورِ جدید کی ایک اسلامی ریاست اپنی تہذیبی انفرادیت کو بھی اسی وقت برقرار رکھ سکتی ہے جب وہ صنعتی طور پر غیر مسلم دنیا سے بڑی حد تک بے نیاز ہو جائے اور کم از کم ضروری سامانِ زندگی کے لیے ان ممالک کی محتاج نہ ہو جو ممالک صنعتی طور پر دوسرے ملکوں پر بہت زیادہ انحصار کرتے ہیں وہ تہذیبی طور پر بھی ان کا اثر قبول کرنے لگتے ہیں۔ اس حقیقت سے کسے انکار ہو سکتا ہے کہ آج اسلامی ممالک کی صنعتی پسماندگی اور مغرب کی محتاجی ان پر مغربی تہذیب کے اثر اور مغربی غلبہ و استیلاء کا ایک اہم سبب ہے۔ ایک اسلامی ریاست کے سامنے صرف یہی مقصد نہ ہو گا کہ وہ تہذیبی طور پر ممتاز اور اجنبی تہذیبوں کے اثرات سے محفوظ رہے۔ بلکہ اسے تہذیب اور نظریہ کے میدان میں ایک فعال و اعیانہ کردار اختیار کرنا ہے۔ داعی کی حیثیت دینے والے کی ہونی چاہیے۔ نہ کہ دستِ سوال دراز کرنے والے کی۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب دارالاسلام صنعتی ترقی کے میدان میں اگر دوسرے ملکوں سے آگے نہیں تو ان سے بہت پیچھے بھی نہ ہو۔

قرنِ اوّل کی اسلامی ریاست نے موقع پڑنے پر غیر مسلم دنیا کی تالیفِ قلب کے لیے اس کو مالی اور مادّی امداد بھی دی ہے۔ کیونکہ تالیفِ قلب اسلام کے داعیانہ پروگرام کا ایک مستقل جز ہے۔ اس طرح کے متعدد انفرادی عطیوں کے علاوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (فتح مکہ سے پہلے) مکہ میں قحط کے زمانہ میں پانچ سو اشرفی نقد اور ضروری اجناس بھیج کر اہلِ مکہ کی مدد کی تھی[1]۔ آج جبکہ تہذیبی کشمکش اور نظریاتی جنگ میں بیرونی امداد اور بین الاقوامی معاشی تعاون کو ایک اہم مقام حاصل ہو چکا ہے۔ ایک اسلامی ریاست کے پاس اتنے وسائل ہونے چاہئیں کہ وہ اپنی دعوت کے لیے راہ ہموار کرنے کی خاطر ان ذرائع کو استعمال کر سکے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب دارالاسلام معاشی طور پر ترقی یافتہ ہو۔

ان دلائل کی روشنی میں ہم اس نتیجہ تک پہنچتے ہیں کہ ایک اسلامی ریاست کی ذمہ داری

---

[1] : سرخسی : المبسوط جلد ۱۰۔ صفحہ ۹۱ - ۹۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ وہ اپنے ملک کی معاشی تعمیر و ترقی کا اہتمام کرے۔ اوپر ہم بتا چکے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صاحب امر کو مسلمانوں کے ساتھ ہر ممکن خیر خواہی کرنے کا حکم دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس خیر خواہی کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ ریاست ملک کی معاشی تعمیر و ترقی کے لیے مناسب اقدامات کرے۔ شریعت کا منشا یہی ہے۔

سورۂ ہود کی آیت هو الذی انشأکم من الارض واستعمرکم فیها (۱۱:۶۱) کی تفسیر میں جصاص نے لکھا ہے کہ "یعنی تم کو حسب ضرورت اس کے آباد کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ آیت اس بات پر دلیل ہے کہ زمین کو زراعت، باغبانی اور تعمیر مکانات کے لیے درست کرنا واجب ہے"۔[۱]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ماثور ایک حدیث قدسی سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ملک کی خوشحالی کا اہتمام اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے۔ امام سرخسی لکھتے ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک اثر منقول ہے جس میں وہ اپنے پروردگار عزوجل کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ:

عمروا بلادی فعاش فیها عبادی۔[۲]

"(انہوں نے) میرے ملکوں کو آباد کیا تو اس میں میرے بندوں نے زندگی بسر کی"۔

اسی بنا پر اسلامی مفکرین نے ملک کی خوشحالی کے اہتمام کو اسلامی ریاست کے صدر کی ذمہ داری قرار دیا ہے۔ ماوردی نے امام کے فرائض گناتے ہوئے لکھا ہے کہ:

والذی یلزم سلطان الامة سبعة اشیاء ...... والثالث عمارة البلدان باعتماد مصالحها وتهذیب سبلها ومسالکها۔[۳]

---

[۱] : جصاص : احکام القرآن۔ جلد ۳۔ صفحہ ۱۶۵

[۲] : سرخسی : المبسوط۔ جلد ۲۳۔ صفحہ ۱۵۔ ملاحظہ ہو ماوردی کی نقل کی ہوئی مذکورہ ذیل حدیث۔

[۳] : ابوالحسن علی بن محمد حبیب البصری الماوردی : ادب الدین والدنیا۔ صفحہ ۸۲ مطبعۃ دارالکتب العربیۃ الکبری۔ مصر (سن طبع درج نہیں)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امت کے حکمران پر سات ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں .... ان میں سے تیسری ذمہ داری یہ ہے کہ (اپنے زیر حکومت) ممالک کے جملہ مصالح کے تحفظ اور اس کی شاہراہوں اور دوسرے ذرائع نقل وحمل کو بہتر بنا کر ان ممالک کو آباد وخوشحال رکھے۔

ماوردی نے ایک حدیث بھی نقل کی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں ملک کو آباد وخوشحال رکھنے کی قدر وقیمت کیا تھی:

قال ابوھریرۃ سُبّت العجم بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فنھی عن ذلک وقال لا تسبوھا فانھا عمّرت بلاد اللہ تعالیٰ فعاش فیھا عباد اللہ تعالیٰ۔[۱]

ابوہریرہ نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اہل عجم کو بُرا کہا گیا تو آپ نے ایسا کرنے سے منع کیا اور فرمایا: ان کو بُرا نہ کہو کیونکہ ان لوگوں نے اللہ کے ملکوں کو آباد اور خوشحال بنایا تو ان میں اللہ کے بندوں نے زندگی گذاری۔

www.KitaboSunnat.com

نبی صلی اللہ علیہ وسلم رعایا کی خوشحالی کے لیے اللہ تعالیٰ سے دُعا بھی فرماتے تھے:

عن جابر انہ سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی المنبر نظر نحو الیمن فقال اللھم اقبل بقلوبھم۔ ونظر نحو العراق فقال مثل ذلک۔ ونظر نحو کل افق فقال مثل ذلک۔ وقال اللھم ارزقنا من ثرات الارض وبارک لنا فی مدنا وصاعنا۔[۲]

جابر سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر یہ فرماتے ہوئے سُنا۔ آپ نے یمن کی طرف نظر اٹھائی اور فرمایا یا اللہ ان کے دل اسلام کی

---

[۱]: ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب البصری الماوردی: ادب الدین والدنیا۔ صفحہ ۸۲ مطبعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ۔ مصر (سن طبع درج نہیں)

[۲]: بخاری: الادب المفرد۔ صفحہ ۷۰۔ مد اور صاع غلہ اور کھجور وغیرہ ناپنے کے پیمانے ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طرف مائل کر دے۔ آپ نے عراق کی طرف دیکھا اور یہی فرمایا۔ پھر آپ نے ہر چہار طرف دیکھا اور یہی جملہ دہرایا اور فرمایا: اے اللہ ہمیں زمین کی وراثت عطا فرما اور ہمارے مُد اور صاع میں برکت دے۔

عن ابی ھریرۃ انہ قال: کان الناس اذا راوا اول الثمر جاءوا به الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاذا اخذہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: اللھم بارک لنا فی ثمرنا، وبارک لنا فی مدینتنا، وبارک لنا فی صاعنا، وبارک لنا فی مدنا۔ اللھم ان ابراھیم عبدک وخلیلک ونبیک، وانی عبدک ونبیک وانہ دعاک لمکۃ وانی ادعوک للمدینۃ بمثل ما دعاک بہ لمکۃ ومثلہ معہ۔ ثم یدعو اصغر ولید یراہ۔ فیعطیہ ذالک الثمر[1]

ابوہریرہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: لوگ جب درختوں پر پہلے پہل پھل آتے دیکھتے تھے تو ان پھلوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آتے تھے۔ جب اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیتے تھے تو یہ فرماتے تھے کہ "اے اللہ ہمارے پھلوں میں برکت دے۔ ہمارے شہر (مدینہ) میں برکت دے اور ہمارے صاع میں برکت دے اور ہمارے مُد میں برکت دے۔ اے اللہ ابراہیم تیرے بندے اور دوست اور نبی ہیں۔ اور انہوں نے تجھ سے مکہ کے بارے میں دُعا کی تھی اور میں تجھ سے مدینہ کے لیے وہی دُعا کرتا ہوں جو انہوں نے تجھ سے مکہ کے لیے کی تھی۔ اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور مانگتا ہوں)"

پھر آپ اس سب سے چھوٹے بچے کو بلاتے جس پر آپ کی نگاہ پڑتی اور اسے وہ پھل دے دیتے۔

---

[1] : مؤطا امام مالک: کتاب الجامع۔ باب الدعاء للمدینۃ واہلھا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلامی ریاست دُنیوی اغراض کے لیے جنگ نہیں کرتی۔ لیکن اگر دین کی راہ میں جہاد کرنا پڑے تو اس سے مُسلمانوں کو معاشی فوائد بھی حاصل ہو سکتے ہیں۔ جنگ بدر کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے جو دُعا کی تھی وہ یہاں یہ واضح کرنے کے لیے نقل کی جا رہی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں کی معاشی فلاح مطلوب تھی اور اس کے لیے آپ اللہ تعالیٰ سے دعا بھی فرماتے تھے:

عن عبد اللہ بن عمرو ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرج یوم بدرٍ فی ثلاث مائۃ وخمسۃ عشر فقال رسول اللہ صلی اللہ وسلم "اللّٰھمّ انھم حفاۃٌ فاحملھم۔ اللّٰھم انھم عراۃٌ فاکسھم۔ اللّٰھم انھم جیاعٌ فاشبعھم" ففتح اللہ یوم بدرٍ فانقلبوا حین انقلبوا وما منھم رجلٌ الّا وقد رجع بجملٍ او جملین واکتسوا وشبعوا۔[1]

عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر کے موقع پر تین سو پندرہ مجاہدین کے ساتھ (جنگ کے لیے) نکلے تو رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ "اے اللہ یہ لوگ پیدل ہیں انہیں سواریاں عطا کر، اے اللہ یہ لوگ ننگے ہیں ان کو کپڑے پہنا، اے اللہ یہ لوگ بھوکے ہیں ان کے پیٹ بھر دے" چنانچہ اللہ نے بدر کی جنگ میں فتح عطا کی اور جب یہ لوگ واپس لوٹے تو ہر آدمی اپنے ساتھ ایک یا دو اُونٹ لے کر لوٹا، اور ان کو پہننے کے لیے کپڑے مل گئے اور یہ شکم سیر ہو گئے۔

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عراق میں جہاد کیے جانے والے مسلمانوں سے یہ فرمایا تھا کہ:

استقبلوا جہاد قومٍ قد تحوّزوا من فنون العیش۔ لعلّ اللہ ان

---

[1] : ابوداؤد: کتاب الجہاد۔ باب فی النفل للسریۃ تخرج مع العسکر۔ حدیث نمبر،

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یورثکم بفضلکم من ذلک فتنعیشوا مع من عاش من الناس[۵۱]

مجاہدو! ایک ایسی قوم سے جہاد کے لیے جو امورِ معاش پر حاوی اور ترقی یافتہ ہے، توقع ہے کہ اللہ تمہیں اس میں سے تمہارا حصہ عطا کرے گا اور تم بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ (اس ترقی اور خوشحالی سے فیض یاب ہوتے ہوئے) زندگی گذار سکو گے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ملک کو خوشحال رکھنے اور ترقی دینے کا اہتمام کرتے تھے۔ آپ نے والیٔ مصر حضرت عمرو بن العاص کو لکھا تھا کہ مقوقس سے دریافت کریں کہ مصر کی خوشحالی اور بربادی کا انحصار کن عوامل پر ہے[۵۲]۔ آپ نے انہیں ایسی تدابیر اختیار کرنے کی تاکید کی تھی جن سے مصر کی خوشحالی میں اضافہ ہو۔ ایک زرعی معیشت میں سب سے زیادہ اہمیت آبپاشی کے لیے نہروں کی تعمیر کو حاصل ہے۔ تجارت کے فروغ کے لیے سڑکوں اور پلوں کی تعمیر اور فی الجملہ بہتر ذرائع نقل و حمل کی فراہمی بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ ابن عبدالحکم نے لکھا ہے کہ مصر میں نہروں کی کھدائی، سڑکوں اور پلوں کی تعمیر اور دوسرے تعمیری کاموں میں ایک لاکھ چوبیس ہزار مزدور لگائے گئے تھے جو کدال اور پھاوڑے وغیرہ آلات کی مدد سے کام کرتے تھے۔ جاڑے اور گرمی ہر موسم میں یہ کام جاری رہتا تھا[۵۳]۔ مزدوروں کی اس تعداد سے تعمیری سرگرمیوں کی وسعت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ مصر اس وقت کی وسیع اسلامی مملکت کا صرف ایک صوبہ تھا۔

زمانۂ قدیم میں دریائے نیل سے شہر فسطاط کے پاس سے ایک نہر نکال کر قصبۂ قلزم کے پاس بحرِ قلزم سے ملائی گئی تھی۔ بعد میں یہ نہر اَٹ گئی اور بند ہو گئی۔ عمرو بن العاص رض نے حضرت عمر رض کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ اگر یہ نہر دوبارہ تعمیر کر دی جائے تو مصر اور حجاز

۵۱: طبری: تاریخ۔ صفحہ ۲۱۸۸ (حوادث ۱۳ھ)

۵۲: ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عبدالحکم: فتوح مصر، صفحہ ۱۶۱۔ مطبع بریل۔ لیڈن ۱۹۲۰ء

۵۳ " " " " " " : " " ۱۵۱

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے درمیان نقل وحمل میں بہت سہولت ہو جائے گی۔ مصر سے غلہ اور دیگر اشیاء جلد اور کم خرچ میں حجاز لائی جاسکیں گی اور اس طرح دارالخلافہ مدینہ اور اس کے آس پاس کے علاقہ میں اشیاء کی گرانی ختم ہو جائے گی۔ حضرت عمرؓ کو یہ تجویز بہت پسند آئی اور آپ نے انہیں تاکید کی کہ اس پر جلد از جلد عمل کیا جائے۔ حضرت عمرؓ کو عام الرمادہ میں مدینہ بلکہ پورے حجاز میں زبردست غذائی قلت کا سامنا ہو چکا تھا۔ آپ نے یہ رائے قائم کی کہ اس نہر کی تعمیر کے بعد دوبارہ ایسی صورتِ حال رونما ہو گی۔ عمرو بن العاص نے چھ ماہ مسلسل کام کرواکے وہ نہر تعمیر کرا دی اور پانی کے راستہ سے مصر کے زرخیز علاقوں اور حجاز کے درمیان آمد و رفت شروع ہو گئی۔ اس نہر کا نام نہر امیر المؤمنین پڑ گیا۔[۵۱]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اسلامی مملکت کے مختلف صوبوں میں متعدد نہریں تعمیر کی گئیں، جن کا تاریخ کی کتابوں میں تفصیلی ذکر ملتا ہے۔ بصرہ کے والی حضرت ابو موسیٰ اشعری نے آپ کے حکم سے ایک نہر کھدوائی تھی جو نہر ابلّہ کے نام سے مشہور ہوئی۔[۵۲] انبار کے زمینداروں کی فرمائش پر حضرت سعد بن وقاص کے زیرِ اہتمام ایک نہر کی تعمیر شروع ہوئی جسے بعد میں حجاج بن یوسف نے مکمل کرایا۔[۵۳] اور دجلہ سے نہر معقل نکالی گئی۔[۵۴] عمر بن عبدالعزیزؒ نے بصرہ میں نہر ابن عمر کھدوائی۔[۵۵] نہروں کی تعمیر کا جو سلسلہ دوسرے خلیفہ راشد کے دور سے شروع ہوا تھا وہ بعد میں بھی جاری رہا۔[۵۶] نہروں کی تعمیر کے علاوہ

---

۵۱ : ابن عبدالحکم: فتوح مصر صفحہ ۱۶۳-۱۶۶، اور تقی الدین احمد بن علی ابن عبدالقادر ابن محمد المقریزی: کتاب المواعظ والاعتبار فی ذکر الخطط والآثار۔ صفحہ ۳۰۲-۳۰۳۔ طبع پیرس ۱۹۱۱ء

۵۲ : بلاذری : فتوح البلدان۔ صفحہ ۳۵۱

۵۳ : ؍؍ : ؍؍ ؍؍ ۲۷۳

۵۴ : ؍؍ : ؍؍ ؍؍ ۳۵۲

۵۵ : ؍؍ : ؍؍ ؍؍ ۳۶۴

۵۶ : ؍؍ : ؍؍ ؍؍ صفحات ۲۷۳-۲۷۴ اور ۳۵۱-۳۵۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حسبِ ضرورت سیلاب کی روک تھام کے لیے بند بھی تعمیر کرائے گئے۔ چنانچہ حضرت عمر نے مکہ میں اس مقصد کے لیے ایک بند تعمیر کرایا۔ عراق میں دجلہ کے قریب ایک نشیبی علاقہ پانی کی کثرت سے دلدل میں تبدیل ہوجاتا تھا، اس کو پانی سے محفوظ کرنے کی تدابیر اختیار کی گئیں۔ امیر معاویہؓ کے زمانہ میں ایک بڑے علاقہ کو بند باندھ کر محفوظ کرلیا گیا۔ اس علاقہ سے ریاست کو پچاس لاکھ درہم بطور خراج وصول ہونے لگے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ریاست کے زیرِ اہتمام متعدد بڑے بڑے شہر بسائے گئے۔ ان کا محلِ وقوع اور ان کی آبادی کا منصوبہ مقامی حکام خلیفہ کے مشورہ سے طے کرتے تھے۔ کوفہ، بصرہ، موصل، جیزہ، اور مصر میں فسطاط جیسے شہر اسی طور پر آباد ہوئے۔ جیسا کہ ہم اوپر بتا چکے ہیں۔ قرنِ اول کی معیشت زراعت اور تجارت پر مبنی تھی۔ ایک زرعی اور تجارتی معیشت کے لیے نہروں کی تعمیر، سیلاب کی روک تھام، سڑکوں کی تعمیر اور منصوبہ بندی کے ساتھ مرکزی شہروں کی آبادکاری معاشی تعمیر و ترقی کے لیے جو اہمیت رکھتی ہے اس کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

اسلامی ریاست اپنے افراد کی پیداآور جدوجہد کی ہمت افزائی بھی کرتی تھی اور اس سلسلہ میں ان کے ساتھ تعاون کیا جاتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسے افراد کی سرگرمیوں پر مسرت کا اظہار کرتے تھے جو کوئی نیا پیداآور کام شروع کریں جس میں ملک کی بہبود مضمر ہو۔

نافع بن حارث نے بصرہ کے قریب شط العرب کے ایک میدان میں گھوڑے پالنے اور ان کی نسل کشی کا کام شروع کیا تھا۔ انہوں نے ان گھوڑوں کے لیے چارے کی کاشت شروع کی لیکن وہ زمین غالباً ریاست کی ملکیت تھی لہٰذا انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے درخواست کی وہ قطعۂ زمین ان کو عطا کردیا جائے۔ آپ نے ان

---

۵۱ : بلاذری : فتوح البلدان۔ صفحہ ۶۵

۵۲ : " " " صفحات ۲۹۰-۲۹۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی یہ درخواست منظور کر لی اور اس علاقہ کے گورنر مغیرہ بن شعبہ کو لکھا کہ :

بسم اللہ الرحمن الرحیم - من عبد اللہ عمر امیر المؤمنین الی المغیرہ بن شعبہ - سلام علیک - فانی احمد الیک اللہ الذی لا الہ الا ھو - اما بعد فان ابا عبد اللہ ذکر انہ زرع بالبصرۃ فی امارۃ ابن غزوان واختلی اولاد الخیل حین لم یفتلدھا احد من اھل البصرۃ وانہ نعم ما رای فاعنہ علی زرعہ وعلی خیلہ فانی قد اذنت لہ ان یزرع وآتہ ارضہ التی زرع الا ان تکون ارضا علیھا الجزیۃ من ارض الاعاجم او یصرف الیھا ماء ارض علیھا الجزیۃ ولا تعرض لہ الا بخیر - والسلام علیک ورحمۃ اللہ[1]-

"بسم اللہ الرحمن الرحیم - خدا کے بندہ عمر، امیر المومنین کی جانب سے مغیرہ بن شعبہ کے نام - تم پر سلامتی ہو - میں تمہارے سامنے اس اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں - جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں - بعدہ واضح ہو کہ ابو عبداللہ[2] نے بتایا ہے کہ اس نے ابن غزوان[3] کے دورِ امارت میں بصرہ کے علاقہ میں کاشت کی اور نسل کشی کے لیے گھوڑے پالے جبکہ بصرہ کے کسی دوسرے شخص نے یہ کام نہیں کیا تھا - اس نے بہت اچھا کام سوچا - لہٰذا تم اس کی کاشت اور گھوڑے پالنے میں اس کی مدد کرو - کیونکہ میں نے اس کو کاشت کرنے کی اجازت دے دی ہے - اور اُسے اس کی وہ زمین دے دو جس پر اس نے کاشت کی ہے الا یہ کہ وہ عجمی باشندوں کی زمینوں میں سے کوئی زمین ہو جس پر خراج عائد ہو یا اس کی سینچائی کے لیے کسی ایسی زمین سے پانی لایا جاتا ہو - اس

---

[1] : بلاذری : فتوح البلدان - صفحہ ۳۴۲

[2] : نافع بن حارث کی کنیت -

[3] : عتبہ بن غزوان جو مغیرہ بن شعبہ سے پہلے بصرہ کے گورنر تھے -

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ساتھ اچھا ہی سلوک کرنا۔" والسلام علیک ورحمۃ اللہ۔

آپ مسلمانوں کی خیر خواہی کا تقاضا سمجھتے تھے کہ انہیں زیادہ سے زیادہ مال دیا جائے اور انہیں مشورہ دیتے تھے کہ جو مال فوری ضروریات سے فاضل ہو اسے نفع آور کاروبار میں لگائیں تاکہ وہ آئندہ مستقل آمدنی کا ذریعہ بنے۔

"خالد بن عرفطۃ العذری عمرؓ کے پاس آئے تو عمرؓ نے ان سے دریافت کیا کہ جہاں سے آرہے ہو وہاں کے لوگوں کا کیا حال ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں انہیں اس حال میں چھوڑ کر آیا ہوں کہ وہ اللہ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ ان کی عمروں میں سے کچھ مدت کم کر کے آپ کی عمر میں اضافہ کر دے۔ جس نے بھی قادسیہ (کے میدانِ جنگ) میں قدم رکھا تھا اس کا وظیفہ دو ہزار یا پندرہ سو (درہم سالانہ) ہے۔ ہر بچہ کے لیے خواہ وہ لڑکا ہو یا لڑکی، پیدا ہونے ہی سو (درہم) اور دو جریب (غلہ) ماہانہ مقرر ہو جاتا ہے۔" عمرؓ نے کہا:

انما هو حقهم وانا اسعد باداته اليهم۔ لو كان من مال الخطاب ما اعطيتموه۔ ولكن قد علمت ان فيه فضلاً۔ فلو انه اذا اخرج عطاء احد هؤلاء ابتاع منه غنماً فجعلها بسوادهم فاذا خرج عطاءه ثانية ابتاع الرأس والرأسين فجعله فيها فان بقي احد من ولده كان لهم شئ قد اعتقدوه فاني لا ادري ما يكون بعدي۔ واني لاعم بنصيحتي من طوقني الله بامره فان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من مات غاشاً لرعيته لم يجد رائحة الجنة۔[1]

"یہ ان کا حق ہے میں اسے انہیں دے کر اپنا بھلا کر رہا ہوں۔ اگر یہ (میرے باپ) خطاب کا مال ہوتا تو تمہیں نہ دیا جاتا۔ البتہ میں یہ جانتا ہوں کہ یہ مال

---

[1] : بلاذری: فتوح البلدان۔ صفحہ ۴۲۹

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ضرورت سے زیادہ ہوتا ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا اگر لوگ ایسا کرتے کہ جب کسی کو وظیفہ ملے تو اس میں سے کچھ بھیڑ بکریاں خرید کر اپنے زرخیز زرعی) علاقہ میں چھوڑ دے۔ پھر جب دوسرے سال کا وظیفہ ملے تو ایک یا دو غلام خرید کر ان کو بھی اسی (علاقہ) میں (کام پر) لگا دے۔ اگر ان کی اولاد میں سے کوئی باقی رہا تو اس طرح اس کے لیے ایک قابلِ اعتماد سہارا فراہم ہو جائے گا کیونکہ مجھے معلوم نہیں کہ میرے بعد کیا ہو گا۔ میں تو ان لوگوں کے ساتھ پوری خیر خواہی برتتا ہوں جن کے امور کا اللہ نے مجھے نگران بنا دیا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "کہ جو اپنی رعیت کے ساتھ بدخواہی اور خیانت کرتا ہوا مرے گا وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پا سکے گا"

دوسرے خلیفۂ راشد کے ان آثار سے یہ بات واضح ہے کہ انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر معاشی ترقی کے لیے اقدام مفید اور مطلوب ہے۔ اسلامی ریاست کو ایسے اقدامات کی نہ صرف ہمت افزائی کرنی چاہیے بلکہ ان پر ابھارنا چاہیے اور ایسے کاموں میں وسائل کی فراہمی کے ذریعہ عملی تعاون بھی کرنا چاہیے۔

مذکورہ بالا اثر سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان حکمرانوں کو عامۃ المسلمین کے ساتھ جس خیر خواہی کی تاکید کی ہے اس کا تصور کتنا وسیع ہے۔ اگر صاحبِ امر رعایا کی مادی فلاح و بہبود کے اہتمام میں کوئی کسر اٹھا رکھے تو عمر فاروقؓ کے نزدیک یہ بھی "خیانت" (غش) ہوگی اور ایسا کرنے والا حکمران آخرت میں جنت سے محرومی کا خطرہ مول لے گا!

اپنی رعایا کے لیے وسائلِ زندگی میں فراوانی چاہنا حضرت عمرؓ کی مالی پالیسی کا ایک اہم اصول تھا۔ اس کا اعلان آپ نے اپنے پہلے ہی خطبہ میں فرما دیا تھا کہ مناصبِ حکومت پر تقرر کرنے میں اس بات کا لحاظ رکھا جائے گا کہ متعلقہ افراد کو رعایا کی معاشی خوشحالی کی فکر ہو:

ولیس اجعل اماناتی الی احد لیس لہا باھلٍ ولکن اجعلہا الی من

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نکون رغبتنا فی التوفیر للمسلمین اولئک احق بھم من سواھم[۵۱]

"میں اپنی امانت (یعنی حکومت کے عہدے) ایسے افراد کے سپرد نہیں کروں گا۔ جو اس کے اہل نہ ہوں۔ بلکہ ایسے افراد کے سپرد کروں گا جو مسلمانوں کے لیے فراوانی بہم پہنچانا چاہتے ہوں۔ دوسروں کی بہ نسبت ایسے افراد مسلمانوں کی حکمرانی کے زیادہ حقدار ہیں"

خلفاء کو اس بات کی بڑی فکر رہتی تھی کہ اشیاء ضرورت کے نرخ ارزاں رہیں۔ چنانچہ وہ مختلف علاقوں کے نرخ معلوم کرتے رہتے تھے اور جب انہیں یہ خبر ملتی تھی کہ نرخ ارزاں ہیں تو اطمینان کا اظہار کرتے تھے۔ سلمہ بن قیس اشجعی کا قاصد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے دریافت کیا کہ اشیاء کے نرخ کیسے ہیں۔ قاصد نے جواب دیا کہ بہت ارزاں ہیں۔ آپ نے دریافت کیا کہ گوشت کا نرخ کیا ہے کیونکہ یہی اہل عرب کا اصل سہارا ہے۔ قاصد نے آپ کو گائے اور بکری کے گوشت کے نرخ الگ الگ بتائے۔[۵۲]

یہی طریقہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا رہا:

عن موسیٰ بن طلحۃ قال: سمعت عثمان ابن عفان وھو علی المنبر والمؤذن یقیم الصلوٰۃ وھو یستخبر الناس یسئال عن اخبارھم واسعارھم۔[۵۳]

"موسیٰ بن طلحہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا ہے میں نے عثمان ابن عفان کو منبر پر بیٹھ کر۔ جبکہ مؤذن نماز کے لیے اقامت کہہ رہا تھا، لوگوں سے ان کے حالات اور اشیاء کے نرخ دریافت کرتے سنا ہے"

۵۱: امام مالک

۵۲: طبری: تاریخ۔ صفحہ ۲۷۱۹ (حوادث ۲۳ھ)

۵۳: مسند امام احمد، مسند عثمان بن عفان، جلد ۲ نمبر ۵۴۰۔ نشر کردہ استاذ احمد محمد شاکر۔ طبع مصر ۱۹۴۷ء

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت عمر بن عبدالعزیز کو بھی رعایا کی خوشحالی سے بڑی دلچسپی تھی۔ دور دراز سے ڈاک لے کر آنے والوں سے دریافت فرماتے تھے کہ کیا تم نے لوگوں کو شادی کی محفلیں اور دعوتیں منعقد کرتے دیکھا ہے۔ جس سے آپ کا مطلب ان کی خوشحالی کا اندازہ کرنا ہوتا تھا۔[۵۱]

ایک بار آپ کے پاس کسی عامل کا قاصد آیا تو آپ نے اس سے اس علاقہ کے حالات تفصیل سے دریافت کیے اور یہ بھی معلوم کیا کہ اشیاء کے نرخ کیسے ہیں۔[۵۲]

حضرت عمر بن عبدالعزیز اپنے والیوں کو تاکید کرتے تھے کہ بنجر زمینوں کو قابلِ کاشت بنانے کی تدابیر اختیار کریں۔[۵۳] آپ نے عراق کے گورنر کو یہ بھی لکھا تھا کہ بیت المال کے فاضل مال میں سے کاشت کاروں کو زرعی اغراض کے لیے قرض دیے جائیں۔[۵۴]

امام ابو یوسف نے خلیفہ ہارون الرشید (۱۷۰ھ تا ۱۹۳ھ) کو مشورہ دیا تھا کہ:

"میری رائے میں آپ خراج کے افسران کو ہدایت کر دیں کہ جب ان کی عملداری کے کچھ لوگ ان کے پاس آ کر یہ بتائیں کہ ان کے علاقہ میں بہت سی قدیمی نہریں ہیں جو اب ناکارہ ہو گئی ہیں اور بہت سی زمینیں زیرِ آب آ گئی ہیں۔ اور اگر ان نہروں کو درست کرا دیا جائے اور ان کی کھدائی کر کے ان میں پانی جاری کرا دیا جائے تو یہ ناکارہ زمینیں آباد کر لی جائیں گی اور اس طرح خراج کی آمدنی میں بھی اضافہ ہو جائے گا تو اس کی اطلاع آپ کو لکھ بھیجی جائے۔ پھر آپ کسی معتمد علیہ، امانت دار، صاحبِ صلاح و تقویٰ آدمی کو اس بارہ میں جائزہ لینے کے لیے

۵۱: ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبۃ الدینوری: عیون الاخبار۔ جلد ۳۔ صفحہ ۲۲۵۔ دار الکتب المصریہ۔ قاہرہ۔ ۱۹۳۰ء

۵۲: ابن عبدالحکم: سیرت عمر بن عبدالعزیز۔ صفحہ ۱۶۱

۵۳: ابو یوسف: کتاب الخراج۔ صفحہ ۱۰۲

۵۴: ابو عبید: کتاب الاموال۔ صفحہ ۲۵۱

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھیجیں۔ یہ آدمی اس علاقہ کے ثقہ، واقف کار اور صاحب بصیرت لوگوں سے معلومات حاصل کرے اور اس علاقہ کے باہر کے تجربہ کار اور صاحب رائے افراد سے بھی مشورہ کرے۔ یہ افراد ایسے ہوں جو خود اس کام کے ذریعہ کوئی نفع حاصل کرنے یا اپنے کسی نقصان کی تلافی کے متمنی نہ ہوں۔ اگر سب کی رائے یہی ہو کہ اس اسکیم کو زیرِ عمل لانے میں ملک کا فائدہ ہے اور خراج کی آمدنی میں اضافہ کی توقع ہے تو آپ ان نہروں کی کھدائی کا حکم دے دیجیے اور اس کے سارے مصارف کا بار بیت المال پر ڈالیے۔ اِن اخراجات کا بار اس علاقہ کے باشندوں پر نہ ڈالیے۔ ان لوگوں کا آباد و خوشحال رہنا ان کے اُجڑ جانے اور مفلس ہو کر ادائے خراج سے عاجز رہنے سے بہتر ہے۔ اپنی زمینوں اور نہروں کے سلسلہ میں اہلِ خراج کے ہر اس مطالبہ کو پورا کرنا چاہیے جس سے ان کے مفادات و مصالح کی ترویج ہوتی نظر آئے۔ بشرطیکہ اس اسکیم پر عمل کرنے سے گرد و پیش کے دوسرے گاؤں اور قصبات کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو۔ اگر ان کی تجویز پر عمل سے دوسروں کی پیداوار کم ہونے اور خراج کی آمدنی میں کمی ہونے کا اندیشہ ہو تو اس کو نہیں منظور کرنا چاہیے۔"

"باشندگانِ سواد[1] کو اگر اپنی ان بڑی نہروں کی کھدائی اور صفائی کی ضرورت پیش آئے جو دجلہ اور فرات سے نکالی گئی ہیں تو آپ ان کی کھدائی اور صفائی کروا دیا کیجیے، اور اس کے مصارف کا بار بیت المال اور اہلِ خراج دونوں پر ڈالیے۔ لیکن سارا بار اہلِ خراج پر ڈال دینا صحیح نہ ہوگا ...."

"دجلہ اور فرات اور دوسرے بڑے دریاؤں پر گھاٹ یا پانی کے نکاس کی جگہوں کی تعمیر اور مرمت پر آنے والے مصارف کا پورا بار بیت المال پر

---

[1] : دوآبہ دجلہ اور فرات کا زیریں حصّہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ڈالا جائے۔ اہلِ خراج پر اس سلسلہ میں کوئی بار نہ ڈالا جائے، کیونکہ یہ سارے مسلمانوں سے تعلق رکھنے والے کام ہیں۔ اور ان کے مصالح کا تحفظ تمام تر امام کی ذمہ داری ہے"[ف۱]

تئیس برس بعد ایک دوسرے مصنف نے خلیفہ معتصم باللہ (۲۱۸ھ تا ۲۲۷ھ) کی رہنمائی کے لیے لکھا کہ امام کے لیے ضروری ہے کہ:

"اپنے ممالک کی خوشحالی، باشندوں کے لیے اشیاء کے نرخ، اور ان کی غذائی ضرورت کی چیزوں کے حالات پر نگاہ رکھے .... اور اس کے نزدیک سب سے زیادہ اہمیت اس بات کو حاصل ہو کہ عوام کی بھلائی میں اضافہ ہو اور سب کو اس کے کرم سے فائدہ پہنچے"[ف۲]

اور یہ کہ:

"عدل کے کاموں میں سے ایک یہ ہے کہ ممالک کی خوشحالی کا اہتمام کیا جائے۔ وہ طرح کے علاقے ہیں: زرعی علاقے اور بڑی شہری آبادیاں۔ خلقِ خدا کے مصالح اور ان کی زندگی کا قیام زرعی علاقوں سے وابستہ ہے اور ان علاقوں کے سلسلہ میں امام پر تین حقوق واجب ہیں۔ پانی کے ذخیروں کو درست حالت میں رکھا جائے تاکہ دور و نزدیک کے لوگ ان سے فائدہ اٹھا سکیں۔ مزارعین کو ظلم اور مصیبت سے محفوظ رکھا جائے تاکہ وہ زراعت ترک کر کے دوسرے کاموں میں نہ الجھ جائیں اور ان سے جو محاصل وصول کیے جائیں وہ حکمِ شریعت اور اصولِ انصاف کے مطابق وصول کیے جائیں۔ تاکہ ان پر کوئی ظلم و زیادتی نہ ہو۔ اگر کسی معاملہ

ف۱: ابو یوسف: کتاب الخراج۔ صفحہ ۱۳۱-۱۳۲

ف۲: شہاب الدین احمد ابن محمد بن ابی الربیع: سلوک المالک فی تدبیر الممالک۔ صفحہ ۸۳۔ مطبعۂ کردستان۔ مصر ۱۳۲۹ھ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں ان کی حق تلفی کی گئی یا ان کے ساتھ ظلم وجور کا طریقہ اختیار کیا گیا تو خوشحالی کے بجائے اس کے برعکس صورتِ حال پیدا ہو جائے گی۔[۵]

جیسا کہ اوپر نقل کیے ہوئے نظائر سے واضح ہے ابتدائی دور کی اسلامی ریاست زراعت کی ترقی کے لیے ہر طرح کا اہتمام کرتی تھی۔ اس بات کی کوشش کی جاتی تھی کہ قابلِ کاشت زمینیں بیکار نہ پڑی رہیں۔ بنجر اور افتادہ زمینوں کو قابلِ کاشت بنایا جائے زیرِ آب زمینوں کی بازیافت کی جائے، سیلاب کی روک تھام کی جائے اور آبپاشی کے لیے نہریں تعمیر کی جائیں۔ اس دور کی معیشت ایک زرعی معیشت تھی، دورِ جدید کی طرح صنعت کو فروغ نہیں حاصل ہوا تھا۔ زراعت کے پہلو بہ پہلو ذرائع نقل وحمل کی توسیع کے ذریعہ تجارت کے فروغ کی بھی فکر کی جاتی تھی۔ عام آبادی کے فائدہ کے لیے اشیاءِ ضرورت کے نرخ ارزاں رکھنے کی بھی فکر کی جاتی تھی۔ یہ تمام کام اس صورتِ حال میں بھی کیے جاتے رہے جب ریاست کی قوت کا ایک بڑا حصہ فوجی سرگرمیوں میں صرف ہو جاتا تھا۔ ان باتوں سے اسلامی ریاست کے اس عام رجحان کا پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنی رعایا کی معاشی فلاح وبہبود کا اہتمام کرتی ہے اور ملک کی معیشت کو ترقی دینا چاہتی ہے۔

دورِ جدید کے حالات میں اس رجحان کے پیشِ نظر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلامی ریاست کو ملک کے قدرتی وسائل سے پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے ترقی کی تمام ممکن تدابیر اختیار کرنی چاہئیں۔ افراد کو ترقیاتی کاموں کی ترغیب دینے اور اس سلسلہ میں نجی کاروبار کرنے والوں کے ساتھ ہر طرح کا تعاون کرنے کے علاوہ ریاست کو اس کام میں براہ راست بھی حصہ لینا چاہیے۔ ذرائع نقل وحمل کی توسیع زراعت کی ترقی کے لیے موزون اقدامات، معدنی وسائل کو ترقی دے کر کام میں لانا، دریاؤں کے پانی سے بجلی کی طاقت حاصل کرنا اور آبپاشی کے لیے نہریں تعمیر کرنا، اور صنعتی ترقی کے لیے مثبت قدم اٹھانا دورِ جدید کی ایک اسلامی ریاست کے پروگرام میں اسی طرح شامل ہونا چاہیے

---

[۵]: احمد بن ابی الربیع: سلوک المالک فی تدبیر الممالک صفحہ ۹۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جس طرح ابتدائی اسلامی ریاستوں کے پروگرام میں زرعی ترقی کا اہتمام شامل تھا۔

(ج) تقسیمِ دولت کے اندر پائے جانے والے تفاوت کو کم کرنا

قرآن و سنت اور خلافتِ راشدہ کے نظائر سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اسلامی ریاست کی معاشی پالیسی کا ایک رہنما اصول یہ بھی ہے کہ معاشرہ میں تقسیمِ دولت کے اندر جو تفاوت پایا جاتا ہو وہ کم ہو اور سماجی دولت کسی ایک طبقہ کے اندر مرکوز ہو کر نہ رہ جائے۔

مکی دور میں ہی مسلمانوں پر یہ بات واضح کر دی گئی تھی کہ دولت مند افراد کے مال میں دولت سے محروم افراد اور ضرورت سے مجبور ہو کر دستِ سوال دراز کرنے والوں کا بھی حصّہ ہے:

وَفِیْ أَمْوَالِہِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ - (ذاریات: ۱۹)

اور ان کے اموال میں سائل اور محروم افراد کا بھی حق ہے۔

پھر مدنی دور میں جب بنو نضیر نامی یہودی قبیلہ کو ان کی بدعہدی اور اسلام دشمنی کے سبب جلا وطن کیا گیا اور ان سے حاصل ہونے والے اموال کی تقسیم کا مسئلہ سامنے آیا تو یہ حکم دیا گیا کہ یہ اموال ضرورت مندوں کے لیے ہیں۔ اس حکم کی مصلحت یہ بتائی گئی کہ سماج کے مال کو دولت مند افراد کے درمیان مرکوز نہیں ہونا چاہیے:

ما أفاء اللہ علیٰ رسولہ من اھل القریٰ فللہ وللرسول ولذی القربیٰ والیتٰمیٰ والمساکین وابن السّبیل۔ کی لا یکون دُولۃً بین الاغنیاء منکم۔ (الحشر: ۷)

ان آبادیوں کے جن اموال کو اللہ نے اپنے رسول کو عطا کیا ہے وُہ اللہ، اس کے رسول، اور رسول کے قرابت داروں، نیز یتامیٰ، مساکین اور مسافروں کے لیے مخصوص ہیں تاکہ ایسا نہ ہو کہ مال و دولت تمہارے صاحبِ ثروت لوگوں ہی کے درمیان چکّر کھاتی رہ جائے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس آیت سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہے کہ مال و دولت کو اغنیاء کے درمیان گردش کرتے رہ جانے سے روکنا اسلامی ریاست کی معاشی پالیسی کا ایک مقصد ہے۔ اسی آیت سے یہ بات بھی واضح ہے کہ اس مقصد کے حصول کے لیے قانونِ زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے مناسب اقدام بھی کیے جا سکتے ہیں۔

نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دور میں تقسیمِ دولت کے اندر پائے جانے والے تفاوت کو کم کرنے کا مقصد اسلامی ریاست نے تین طریقوں سے حاصل کیا۔ ہر سال زکوٰۃ اور عشر کے ذریعہ دولت مندوں کے مال کا ایک حصّہ غریبوں کی طرف منتقل کیا جاتا رہا۔ فئے کے مال کو غریبوں کے درمیان تقسیم کیا گیا، اور اصحابِ دولت کو ترغیب و تلقین کے ذریعہ اس بات پر ابھارا گیا کہ وہ اہلِ حاجت کی مالی امداد کریں۔

جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اور فئے کا مال آیا تو آپ نے اسے عوام کے درمیان مساوی طور پر تقسیم کیا، اور چھوٹے بڑے، آزاد و غلام، مرد اور عورت سب کو برابر حصّہ دیا۔ جب بعض لوگوں نے آپ سے یہ کہا کہ خدمتِ اسلام اور اسلام لانے میں سبقت کی بنا پر بعض افراد کو بعض سے زیادہ حصّہ دینا چاہیے تو آپ نے اس کا یہ جواب دیا کہ:

> اما ما ذکرتم من السوابق والقدم والفضل فما اعرفنی بذلک وانما ذالک شیئ ثوابه علی اللہ جل ثناءہ۔ وھذا معاش فالاسوة فیه خیر من الاثرة[1]

> تم نے جو سابقیت، اوّلیت، اور فضیلت کا ذکر کیا ہے تو میں اس سے بہت اچھی طرح واقف ہوں لیکن یہ ایسی چیزیں ہیں جن کا ثواب اللہ جلّ ثناءہ کے ذمّہ ہے۔ مگر یہ معاملہ معاش کا ہے۔ اس میں مساوات کا برتاؤ ترجیحی سلوک سے بہتر ہے۔

---

[1]: ابو یوسف: کتاب الخراج۔ صفحہ ۵۰

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک دُوسری روایت یہ ہے کہ :-

ان ابا بکرٍ کلّم فی ان یُفضّل بین النّاس فی القسم فقال :

فضائلهم عند الله فاما هٰذا المعاش فالتسوية فيه خيرٌ۔[۱]

ابوبکرؓ سے کہا گیا کہ وُہ (فئے کی) تقسیم میں بعض لوگوں کو بعض پر ترجیح دیں تو آپ نے فرمایا :" ان کے فضائل کا اعتبار اللہ کے یہاں ہوگا۔ جہاں تک اس معاشی زندگی کا سوال ہے اس میں برابر سلوک کرنا بہتر ہے۔

خلیفۂ اوّل کا یہ ارشاد اگرچہ فئے کی تقسیم سے متعلق ہے لیکن آخری جملہ میں آپ نے ایک اصُولی حقیقت کا اظہار فرمایا ہے جس سے اسلامی ریاست کی معاشی پالیسی کا عام رُجحان اخذ کیا جا سکتا ہے۔ یہ عام رجحان یہ ہے کہ وسائل معاش کی تقسیم میں تفاوت کے بجائے مساوات کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔

تقسیمِ دولت کے اندر پائے جانے والے تفاوت کو کم کرنے کے باقی دو طریقے جو عہدِ نبوی میں اختیار کیے گئے تھے عہدِ صدیقی میں بھی نافذ رہے۔ جب بعض قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تو ریاست نے ان کے خلاف فوجی کارروائی کر کے ان کو اس حق کی ادائیگی پر مجبُور کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اس اصول کے مطابق عمل کی اہم ترین وُہ پالیسی ہے جو عراق و شام کی مفتوحہ زمینوں کو فوجیوں کے درمیان تقسیم نہ کرنے کے فیصلہ کا باعث بنی۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے حضرت عمر بعض صحابہ کے اس مشورہ کی طرف مائل ہو گئے تھے کہ یہ زمینیں فوجیوں کے درمیان تقسیم کر دی جائیں لیکن بعد میں جب آپ کی توجہ اس طریقے کے بُرے نتائج کی طرف مبذول کرائی گئی تو آپ نے مزید غور کیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو آیات فئے (سورۂ حشر ۶ تا ۱۰) کا ایسا فہم عطا کیا کہ آپ نے اس تجویز کو مسترد کر دیا اور زمینوں کو سارے مسلمانوں کی ملکیت قرار دینے کا فیصلہ کیا۔

---

[۱] : ابو عبید : کتاب الاموال ۔ صفحہ ۲۶۳

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قدم عمر الجابية فاراد قسم الارض بين المسلمين فقال معاذ واللّٰہ اذن ليكونن ما تكره - انك ان قسمتها صار الريع العظيم فى ايدى القوم، ثم يبيدون فيصير ذالك الى الرجل الواحد او المرأة - ثم يأتى من بعدهم قوم يسدون من الاسلام سداً وهم لا يجدون شيئًا - فانظر امرًا يسع اولهم وآخرهم -

قال هشام: وحدثنى الوليد بن مسلم عن تميم بن عطية عن عبداللّٰہ بن ابى قيس، او ابن قيس، انه سمع عمر يكلم الناس فى قسم الارض ـــ ثم ذكر قول معاذ اياه ـــ قال فصار عمر الى قول معاذ۔[۵]

"عمرؓ جابیہ آئے تو انہوں نے زمین کو مسلمانوں کے درمیان تقسیم کرنے کا ارادہ کیا۔ معاذؓ نے آپ سے کہا: خدا کی قسم پھر تو وہی ہوگا جو آپ کو ناپسند ہے۔ اگر آپ نے ان زمینوں کو تقسیم کر دیا تو بڑے بڑے علاقے ان (موجودہ) لوگوں کو مل جائیں گے۔ پھر یہ مر جائیں گے تو یہ زمینیں (وراثت کے ذریعہ) کسی ایک آدمی یا عورت کے ہاتھ میں آ جائیں گی۔ پھر ان کے بعد دوسرے لوگ (اسلام میں داخل ہو کر) آئیں گے جو اسلام کا دفاع کریں گے مگر ان کو کچھ نہ مل سکے گا۔ آپ غور و فکر کے بعد کوئی ایسا طریقہ اختیار کیجیے جو آج کے مسلمانوں کے لیے بھی موزوں ہو اور بعد میں آنے والوں کے لیے بھی مفید ہو۔

(حدیث کے راوی) ہشام نے کہا۔ مجھ سے ولید بن مسلم نے بروایت تمیم بن عطیہ بروایت عبداللہ بن ابی قیس، یا ابن قیس، حدیث بیان کی ہے کہ

۵؎: ابو عبید: کتاب الاموال۔ صفحہ ۵۹ نیز ملاحظہ ہو بلاذری: فتوح البلدان۔ صفحہ ۱۵۶

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انہوں نے عمرؓ کو زمین کی تقسیم کے بارے میں لوگوں سے دستور (؟) گفتگو کرتے سُنا ۔۔ پھر راوی نے اس بات کا ذکر کیا جو معاذ نے عمرؓ سے کہی ۔۔۔ راوی کہتا ہے کہ پھر عمرؓ نے معاذ کی بات مان لی ۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے زمینوں کی تقسیم کے خلاف رائے دیتے وقت جو بات فرمائی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود حضرت عمرؓ کو سماج میں دولت کا مرکز ناپسند تھا ۔ وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ زمین کی ملکیت ایک محدود طبقہ میں گھر کر رہ جائے اور باقی افراد اس سے محروم ہیں ۔ حضرت معاذ کی رائے یہ تھی کہ زمین کے بڑے بڑے رقبوں کا چند افراد کے ہاتھوں میں آجانا برا ہے ۔ اس سے آئندہ آنے والوں کی حق تلفی اور حمت تنگی ہوتی ہے ۔ حضرت عثمان ، حضرت علی ، حضرت طلحہ اور حضرت عبد اللہ ابن عمر رضوان اللہ علیہم نے بھی زمین کو تقسیم نہ کرنے کی رائے دی تھی[1] ۔ حضرت عمر کا ان دلائل کو وزن دینا اور ان کی روشنی میں ایک اہم فیصلہ کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ کے نزدیک سماج کو دولت کے مرکز سے بچانا اسلام کی معاشی پالیسی کا ایک رہنما اصول ہے ۔

جب مصر فتح ہوا تو وہاں کی زمینوں اور باغوں کے بارے میں بھی حضرت عمر کے حکم سے یہی پالیسی اختیار کی گئی[2] ۔

فئے کے مال کی تقسیم کے بارے میں ابتداءً عمر رضی اللہ عنہ نے بھی مساوی تقسیم کی اسی پالیسی پر عمل کیا جو حضرت ابوبکرؓ نے اختیار کی تھی[3] ۔ لیکن ۱۶ھ میں جب عراق و شام کی فتح سے بہت سا مال خمس اور فئے کے طور پر حاصل ہوا تو آپ نے اپنی پالیسی تبدیل کر دی ۔ آپ نے اسلام لانے میں سبقت کرنے والوں کو اور اسلام کی نمایاں خدمت انجام دینے والوں کو عام افراد سے زیادہ حصے دیے ۔ جن افراد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ

---

[1] : ابو یوسف : کتاب الخراج ۔ صفحہ ۳۰ یحیٰی بن آدم القرشی : کتاب الخراج ۔ صفحہ ۴۲

[2] : ابن عبد الحکم : فتوح مصر صفحہ ۸۲ اور ۸۸ ۔ ابو عبید : صفحہ ۵۸

[3] : ابو یوسف : کتاب الخراج ۔ صفحہ ۲۹

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں طرح طرح کے مصائب برداشت کیے تھے۔ اسلام کی خاطر اپنا گھر بار چھوڑ کر ہجرت کی تھی اور مدینہ کے ابتدائی دور میں آپ کے ساتھ مل کر کفار کے ساتھ جنگیں کی تھیں ان کو آپ نے بعد میں ایمان والوں سے زیادہ حصہ کا مستحق قرار دیا۔ تقسیم فئے میں مساوی سلوک کی جگہ ترجیحی سلوک کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ آپ کو یہ کسی طرح گوارا نہیں تھا کہ جن لوگوں نے اسلام میں داخل ہونے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگیں لڑی تھیں۔ ان کو ان لوگوں کے برابر حصے دیے جائیں جنہوں نے ابتدا ہی سے رسول اللہ کے شانہ بشانہ کفار سے جنگ کی تھی۔

قال : لا اجعل من قاتل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کمن قاتل معہ[۱]

فرمایا : جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ کی تھی ان کو میں (تقسیم فئے میں) ان کے برابر نہیں کر سکتا جنہوں نے آپ کے ساتھ ہو کر جنگ کی تھی۔

اس نئے طریق کار کے حق میں جو سیاسی، معاشرتی، نفسیاتی اور دینی دلائل دیے جا سکتے ہیں وہ واضح ہیں۔ لیکن معاشی طور پر اس کا نتیجہ یہی ہو سکتا تھا کہ سماج کے اندر تقسیم دولت میں مزید ناہمواری پیدا ہو۔ چنانچہ آٹھ سال تک[۲] اس پالیسی پر عمل کے بعد اپنے دورِ خلافت کے آخری سال میں حضرت عمرؓ نے اپنی رائے پھر تبدیل کی اور آئندہ تقسیم فئے میں مساوات برتنے کا ارادہ ظاہر کیا :

حدثنا عبد الرحمن بن مھدی عن ھشام بن سعد عن زید بن اسلم عن ابیہ قال : سمعت عمر یقول لئن عشت الی ھذا العام المقبل لالحقن آخر الناس باولھم حتی یکونوا بیانا

---

۱ : ابو یوسف : کتاب الخراج۔ صفحہ ۵۰

۲ : ۱۵ھ سے ۲۳ھ تک۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

واحداً۔

(قال عبدالرحمٰن: ببّاناً واحداً شیئاً واحداً)[1]

ہم سے عبدالرحمٰن بن مہدی نے انہوں نے ہشام بن سعد سے انہوں نے زید بن اسلم سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے عمرؓ کو یہ کہتے سُنا ہے کہ "اگر میں آئندہ سال اس موقع تک زندہ رہا تو (تقسیم فئے میں) آخر کے لوگوں کو سر فہرست لوگوں سے ملا دوں گا تاکہ سب مساوی ہو جائیں۔

(عبدالرحمٰن نے کہا ہے: ببّاناً واحداً کے معنی یہ ہیں کہ ایک ہی جیسے ہو جائیں)

اسی روایت کو ابن سعد نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

سمعت عمر بن الخطّاب یقول: واللہ لئن بقیت الی ھذا العام المقبل لا لحقنّ آخر النّاس باوّلھم ولا جعلنّھم رجلاً واحداً۔[2]

میں نے عمر بن الخطّاب کو یہ کہتے سُنا ہے کہ خدا کی قسم اگر میں اگلے سال اس موقع پر زندہ رہا تو (فئے کے رجسٹر میں درج) آخر کے لوگوں کو شروع کے لوگوں سے ملا دوں گا اور ان سب کو (حصّے کے اعتبار سے) ایک آدمی جیسا کر دوں گا۔

عن زید بن اسلم عن ابیہ انّہ سمع عمر بن الخطّاب یقول: لئن بقیتُ الی الحول لالحقنّ اسفل النّاس باعلاھم۔[3]

زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے عمر بن الخطاب کو یہ کہتے سُنا ہے کہ: اگر میں ایک سال اور زندہ رہا تو فئے میں حصّے کے

---

[1]: ابو عبید: کتاب الاموال۔ صفحہ ۲۶۳۔۲۶۴۔

[2]: محمد ابن سعد: الطبقات الکبریٰ۔ جلد ۳۔ صفحہ ۳۰۱

[3]: " " : " " " " "

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اعتبار سے) سب سے نیچے کے لوگوں کو سب سے اُوپر کے لوگوں کے مساوی کر دوں گا۔

کتاب الخراج کی روایت زیادہ واضح ہے:

ولما رای المال قد کثر قال لئن عشت الی ھذہ اللیلۃ من قابلٍ لالحقن آخر الناس باولاھم حتی یکونوا فی العطاء سواءً۔
قال فتوفی رحمہ اللہ قبل ذٰلک۔[1]

(راوی کہتا ہے کہ) جب آپ نے یہ دیکھا کہ (فئے کا) مال بہت زیادہ آنے لگا ہے تو فرمایا "اگر میں آئندہ سال اس شب زندہ رہا تو (فئے کے رجسٹر میں درج) آخر کے لوگوں کو شروع کے لوگوں سے ملا دوں گا تاکہ سب کو برابر وظیفے ملنے لگیں۔

(راوی نے کہا کہ) آپ اس سے پہلے ہی انتقال فرما گئے، اللہ آپ پر رحم فرمائے۔

ان روایات سے یہ بات تو قطعی طور پر ثابت ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے تقسیم فئے میں عدم مساوات برتنے کی پالیسی سے رجوع کر کے مساوات برتنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ لیکن یہ واضح نہ ہو سکا کہ آپ نے یہ فیصلہ کس وجہ سے کیا تھا۔ کتاب الخراج کی مذکورہ بالا روایت سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ مال فئے کی کثرت اس فیصلہ کا سبب بنی تھی۔ لیکن ہمیں یہ توجیہہ کافی نہیں نظر آتی۔ سابقین اوّلین اور اسلام کی نمایاں خدمات انجام دینے والوں کا امتیاز برقرار رکھنے کا جو مقصد حضرت عمرؓ کے پیش نظر تھا وہ اسی وقت پورا ہو سکتا تھا، جب مال فئے کی کثرت کے باوجود ان افراد کے حصے دوسرے افراد سے زیادہ رکھے جاتے۔ صرف مال فئے کی کثرت اس بات کے لیے کافی وجہ نہیں بن سکتی کہ ان کے امتیازی مقام کو نظر انداز کر دیا جائے۔ یہ بھی ممکن تھا کہ سب کے حصوں میں اضافہ کر دیا جاتا اور

---

[1] : ابو یوسف: کتاب الخراج۔ صفحہ ۵۵۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ممتاز لوگوں کو پھر بھی عام افراد سے زیادہ حصے ملتے۔ مساوی تقسیم کے اس نئے فیصلہ کے لیے ضروری ہے کہ حضرت عمرؓ کے سامنے کوئی ایسی مصلحت آئی ہو جس کو وہ ان مصالح پر ترجیح دینے لگے ہوں جو امتیازی سلوک اور غیر مساوی تقسیم کے وقت ان کے سامنے تھی اور آٹھ برس تک برابر سامنے رہی۔

ہمارے نزدیک یہ نئی مصلحت ان مفاسد کے ازالہ کی ضرورت تھی جو سماج کے اندر تقسیم دولت میں بڑھتے ہوئے تفاوت سے پیدا ہو رہے تھے یا آئندہ پیدا ہو سکتے تھے۔ امتیازی حصے کچھ لوگوں کو دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ مالدار بنا رہے تھے۔ زیادہ مالدار لوگوں کے اندر معیار زندگی کو حدِ اعتدال سے زیادہ بلند کرنے، جائدادیں خریدنے اور جہاد فی سبیل اللہ میں کچھ سستی کے رجحانات پیدا ہوتے دیکھ کر آپ کی بصیرت نے یہ پہچان لیا ہو گا کہ ان رجحانات کو غیر مساوی تقسیم سے مزید تقویت حاصل ہو گی۔ دوسری طرف یہ بھی ممکن ہے کہ آٹھ سال تک امتیازی سلوک کرنے کے بعد اب آپ کے نزدیک اس طریقہ کو باقی رکھنا اتنا ضروری نہ رہ گیا ہو۔ کیونکہ جن افراد کو آپ ممتاز کرنا چاہتے تھے ان کو اس طویل عرصہ میں خاصا موقع مل چکا تھا۔

نئے فیصلہ کے مطابق جن لوگوں کو پہلے زیادہ حصہ مل رہا تھا ان کے حصہ میں کمی نہیں ہوتی بلکہ جو لوگ پہلے کم حصہ پاتے تھے ان کے حصہ میں اتنا اضافہ پیش نظر تھا کہ سب کے حصے برابر ہو جائیں۔ ایسا کرنا اسی وجہ سے ممکن ہو سکتا تھا کہ فئے کا مال اب پہلے سے زیادہ تھا۔ کتاب الخراج کی مذکورہ بالا توجیہہ ہمارے نزدیک فیصلہ کے صرف اس پہلو پر منطبق ہوتی ہے۔

ایک دوسری روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کا ارادہ تھا کہ مالدار لوگوں کی فاضل دولت ان غریبوں کے درمیان تقسیم کر دی جائے:

عن ابی وائل قال قال عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ لو استقبلت من امری ما استدبرت لاخذت فضول اموال الاغنیاء فقسمتھا علی فقراء المھاجرین۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابو وائل سے مروی ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "جو امور میں پہلے طے کر چکا اگر انہیں مجھے آئندہ بھی طے کرنے کا موقع ملتا تو میں مالداروں سے ان کی فاضل دولت لے کر اسے فقرائے مہاجرین کے درمیان تقسیم کر دیتا۔"[1]

اپنے دورِ خلافت کے آخری سال میں عمر فاروق کا یہ ارشاد واضح طور پر یہ بتاتا ہے کہ آپ سماج میں دولت کی تقسیم میں بڑھتی ہوئی ناہمواری سے پریشان رہنے لگے تھے۔ اس صورتِ حال کی روشنی میں اپنے بعض گذشتہ فیصلوں پر نظرثانی کی ضرورت محسوس کرتے تھے اور ایک راست اقدام کے ذریعہ تقسیم دولت کے اندر پائے جانے والے تفاوت کو کم کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ یہ روایت ہماری اس رائے کی بھی تائید کرتی ہے کہ تقسیم فئے کے بارے میں آپ کے نئے فیصلہ کی اصل وجہ گذشتہ پالیسی کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی ناہمواری اور بڑھتی ہوئی عدم مساوات تھی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اموال فئے کی تقسیم میں مساوات کی پالیسی پر نہیں عمل کیا۔ مزید برآں آپ نے عراق و شام کی زمینوں کو جن کا مالیہ اب تک براہِ راست کاشت کاروں سے وصول کیا جاتا تھا، متعینہ خراج پر درمیانی افراد کو دینے کا طریقہ اختیار کیا۔[2] یہ ٹھیکہ دار کاشتکاروں اور ریاست کے درمیان آ گئے۔ ریاست کو متعینہ رقم ادا کرتے اور کاشت کاروں سے مختلف شرحوں کے مطابق لگان وصول کرتے یا پیداوار میں شرکت کا معاملہ طے کر لیتے، اور اس طرح خود نفع کماتے۔ اسی چیز نے آگے چل کر زمینداری اور جاگیرداری کی شکل اختیار کر لی جس سے گوناں گوں مفاسد رونما ہوئے۔

---

[1]: طبری: تاریخ صفحہ ۲۷۷۴ (حوادث ۲۳ھ) اور ابن حزم: المحلی۔ جلد ۶۔ صفحہ ۱۵۸۔ ابن حزم نے لکھا ہے کہ اس روایت کی سند بہت صحیح اور پختہ ہے۔

[2]: ماوردی: الاحکام السلطانیہ۔ صفحہ ۱۸۳، اور ضیاء الدین الریس: الخراج فی الدولۃ الاسلامیہ۔ صفحہ ۱۴۱

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابتداً یہ طریقہ اس لیے اختیار کیا گیا تھا کہ ریاست کو مالیہ وصول کرنے میں سہولت ہو اور وہ انتظامی زحمتوں سے بچ سکے جو لاکھوں چھوٹے چھوٹے کاشتکاروں سے خراج وصول کرنے میں اسے اٹھانی پڑتی تھی۔ اس طریقہ کو اختیار کرنے سے ریاست کی آمدنی بھی بڑھ گئی تھی لیکن یہ درمیانی افراد کاشت کاروں پر زیادہ دباؤ ڈالنے لگے اور اپنا نفع بڑھانے لگے۔[۵۱]

مقررہ سالانہ وظیفوں کے علاوہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے متعدد افراد کو ان کی خدمات کی بنا پر فراخ دلی کے ساتھ مزید رقمیں بھی عطا کیں۔ پھر مروان بن حکم کے بعض تصرفات کے نتیجہ میں ایک خاص طبقہ، بنو امیہ، کو بیش از بیش مالی فوائد حاصل ہونے لگے۔

ان پالیسیوں کے نتیجہ میں اسلامی معاشرہ کے اندر تقسیمِ دولت میں پایا جانے والا تفاوت بڑھنے لگا۔ متعدد اکابر صحابہؓ کو ان میں سے بعض پالیسیوں پر اعتراض تھا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آخری دنوں میں آپ نے ان حضرات سے یہ کہا تھا کہ اگر ان کی رائے آپ کی پالیسی کے خلاف ہے تو وہ اس کو تبدیل کرنے کے لیے اور بعض سابق عطیوں کو واپس لینے کے لیے تیار ہیں۔[۵۲] ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کی ایماء سے آپ کی جانب سے یہ اعلان کیا تھا کہ آئندہ تقسیم مال میں مساوات برتی جائے گی۔[۵۳]

حضرت علی رضی اللہ عنہ تقسیم فئے کے بارے میں وہی رائے رکھتے تھے جو حضرت ابوبکرؓ کی تھی۔[۵۴] لیکن آپ کا دورِ خلافت اضطراب کے عالم میں گذرا اور اس کے بعد اموی حکمرانوں

۵۱: مقریزی: کتاب المواعظ والاعتبار فی ذکر الخطط والآثار۔ جلد ۲۔ صفحہ ۵۱-۵۲۔
ماوردی: الاحکام السلطانیہ۔ باب ۱۷۔ ابو یعلیٰ: الاحکام السلطانیہ صفحہ ۲۱۴-۲۱۵۔

۵۲: طبری: تاریخ۔ صفحہ ۲۹۴۸-۲۹۴۹ (حوادث ۳۴ھ)

۵۳: احمد بن یحییٰ بن جابر البلاذری: انساب الاشراف۔ جلد ۵۔ صفحہ ۹۳۔ طبع یروشلم ۱۹۳۶ء

۵۴: ابو عبید: کتاب الاموال۔ صفحہ ۳۶۴

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے نہ صرف یہ کہ معاشرہ میں دولت اور آمدنی کی تقسیم میں بڑھتی ہوئی ناہمواری کو کم کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ ان کی مالی پالیسی کے نتیجہ میں یہ تفاوت بڑھتا ہی گیا۔ یہاں تک کہ ۹۹ ھ میں جب عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفہ ہوئے تو خود آپ کے اندازہ کے مطابق امت کے دو تہائی یا نصف اموال امراء کے ایک محدود طبقہ کے ہاتھوں میں آچکے تھے[1] یہی وجہ ہے کہ جب آپ نے زندگی کے مختلف شعبوں کو اسلام کی اصل تعلیمات کے مطابق از سرِ نو منظم کرنے کی کوشش کی تو معاشی نظام میں بھی متعدد اصلاحات عمل میں لائی گئیں۔ بے جا طور پر دی ہوئی جاگیریں واپس لے کر ان کے اصل مالکوں کو دی گئیں۔ جن سرکاری زمینوں کو لوگوں نے ذاتی ملکیت بنا لیا تھا، ان کی سابق حیثیت بحال کی گئی۔ اور آئندہ کے لیے ایسی زمینوں کی خرید و فروخت ممنوع قرار دے دی گئی۔

بعد میں آنے والے حکمرانوں نے ان اصلاحات کو ترک کر دیا اور حکومت کی معاشی پالیسی میں دوبارہ اسلام کے اصولوں سے انحراف کی مختلف شکلیں رونما ہونے لگیں۔

ہمیں اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ قرآن و سنت کی تعلیمات کا صحیح مفہوم وہ ہے جو خلافتِ راشدہ کے عمل سے ہمارے سامنے آتا ہے۔ اسلام کسی فرد پر کسبِ دولت کے سلسلہ میں کوئی اصولی اور دائمی پابندی نہیں عائد کرتا لیکن اسے یہ بات پسند نہیں ہے کہ دولت سماج کے ایک طبقہ میں مرکوز ہو کر رہ جائے۔ قرآن، سنتِ نبوی، اور خلافتِ راشدہ کے نظائر کی روشنی میں ہم اطمینان کے ساتھ یہ رائے قائم کر سکتے ہیں کہ دولت اور آمدنی کی تقسیم کے اندر تفاوت کو کم کرنا اسلامی ریاست کی معاشی پالیسی کا ایک رہنما اصول ہے۔

اس رائے کی مزید تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اسلام کو معاشرہ میں عیش پرستوں اور مترفین کے طبقہ کا ظہور سخت ناپسند ہے۔ ہم اس کتاب کے پہلے باب میں یہ بات واضح کر چکے ہیں کہ قرآن کریم کے فلسفۂ تاریخ کی روشنی میں کسی معاشرہ

---

[1] عبدالعزیز سید الاہل: [illegible] عمر بن عبدالعزیز، صفحہ 11، دار التحریر للطبع والنشر، [illegible] ۱۹۶۲ء

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں عیش کوشی اور عیش پرستی کرنے والے طبقہ کا ظہور اور غلبہ اس معاشرہ کی ہلاکت اور بربادی کا پیش خیمہ ہے۔ تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ تقسیم دولت میں بڑھتا ہوا تفاوت اس طبقہ کے ظہور اور غلبہ کے لیے راہیں ہموار کرتا ہے۔ اس بنا پر بھی یہ ضروری ہے کہ اسلامی ریاست اس بات کا اہتمام کرے کہ دولت اور آمدنی کی تقسیم میں روز افزوں تفاوت کا رجحان نہ جڑ پکڑ سکے۔

معاشی پالیسی کے اس رہنما اصول کی روشنی میں دورِ جدید کی ایک اسلامی ریاست کی ذمہ داری ظاہر ہے۔ اس ریاست کو اس بات کی بھی فکر کرنی ہوگی کہ صدیوں کے غیر اسلامی نظامِ معیشت کی وجہ سے جو خرابیاں جڑ پکڑ چکی ہیں ان کا بتدریج ازالہ کیا جائے۔ اصلاحِ حال کے لیے پہلا قدم یہ ہوگا کہ عشر و زکوٰۃ کے شرعی محاصل کو وصول کرنے اور متعینہ مدات میں صرف کرنے کا اہتمام کیا جائے۔ عام اخلاقی تربیت کے ذریعہ ایک ایسی فضا بنانی ہوگی کہ اصحابِ دولت زکوٰۃ کے علاوہ بھی اپنے مال میں اہلِ حاجت کا حق تسلیم کریں اور اسے رضاکارانہ طور پر ادا کریں۔ اسلام کے قانونِ وراثت کا پوری طرح نفاذ بھی اس اصول کے بعض تقاضوں کو پورا کرے گا۔ پھر سود کی حرمت بھی استحصال کے ایک بڑے دروازہ کو بند کر دے گی۔ ان اقدامات کے ساتھ اس طرف بھی توجہ کی جانی چاہیے کہ غیر اسلامی زمینداری اور جاگیر دارانہ نظام کی وجہ سے زمین کی ملکیت کا ایک طبقہ میں جو تمرکز وجود میں آگیا ہے اس کو ختم کیا جائے۔[۱] پھر اس بات کا بھی اہتمام ہونا چاہیے کہ ریاست کے تعمیری اور ترقیاتی کاموں، یا رفاہِ عامہ سے متعلق امور اور تعلیم صحت و صفائی اور حمل و نقل کی سہولتوں وغیرہ خدمات کی فراہمی کا جو انتظام ریاست کی جانب سے کیا جائے، اس کے بیشتر فوائد بڑے کاروباریوں، یا مال دار لوگوں ہی تک محدود نہ ہو جائیں۔ موجودہ عدم توازن کو دور کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ان خدمات سے زیادہ تر فائدہ غریبوں اور کم آمدنی والے طبقوں کو پہنچے۔ جیسا کہ ہم آئندہ

---

۱ : ملاحظہ ہو بارھویں باب میں تحدیدِ ملکیت کی بحث

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بنائیں گے ریاست اس رہنما اصول کے تقاضوں کی تکمیل کے لیے اپنی ضرورت پر شرعی محاصل کے ماسوا مزید محاصل عائد کرنے کا طریقہ بھی اختیار کر سکتی ہے۔

واضح رہے کہ اس باب میں ہم نے اسلامی ریاست کی صرف ان معاشی ذمہ داریوں کا جائزہ لیا ہے جن کی انجام دہی شریعت کی روشنی میں اس پر لازم ہے۔ اپنے شہریوں کی فلاح و بہبود کے اہتمام کی جو جامع ذمہ داری اسلامی ریاست پر عائد ہوتی ہے اس کے تقاضے کی تکمیل اسی وقت ہو سکتی ہے جب اسلامی ریاست کے کارکن ہمیشہ اس فکر میں لگے رہیں کہ مسلمانوں کی دینی اور دنیوی بھلائی کے کیا کام ہو سکتے ہیں اور انہیں کس طرح انجام دیا جا سکتا ہے۔ دورِ جدید کی اسلامی ریاست میں اس کی ایک عملی شکل یہ ہو گی کہ منتخب نمائندوں پر مشتمل مجالس میں اس بات پر غور کیا جاتا رہے گا کہ ملک کی بھلائی کے کونسے کام حکومت کے سپرد کیے جائیں۔ عوام کی بھلائی سے متعلق جو کام بھی باہمی مشورہ سے عمالِ حکومت کے سپرد کیے جائیں وہ اسلامی حکومت کی ذمہ داری میں شامل سمجھے جائیں گے۔ بنیادی ضروریات کی تکمیل، معاشی تعمیر و ترقی اور تقسیم دولت کے اندر پائے جانے والے تفاوت کو کم کرنے کی حیثیت ان شرعی وظائف کی ہے جو اسلامی ریاست پر اصولی طور پر عائد کی گئی ہیں اور جن کو مذکورہ بالا مجالس کو اپنی ذمہ داری سمجھ کر ایسے قوانین اور ضوابط کی شکل دینا ہو گا جن کا نفاذ ان ذمہ داریوں کی بتمام و کمال ادائیگی کا ضامن ہو سکے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بارھواں باب

ریاست اور انفرادی حقوقِ ملکیت

گذشتہ چند ابواب میں ہم نے اسلامی ریاست کے مالکانہ حقوق اور اس کی معاشی ذمہ داریوں کا مطالعہ کیا ہے۔ اس باب میں ہم انفرادی حقوقِ ملکیت کے استعمال میں ریاست کی مداخلت کے اسباب، مقاصد اور حدود کا مطالعہ کریں گے۔ انفرادی حقوقِ ملکیت میں مداخلت کے یہ اختیارات اسلامی ریاست کو اجتماع کے نمائندہ ادارہ اور بندگانِ خدا پر خدا کا قانون نافذ کرنے والی ہستی کی حیثیت سے حاصل ہیں۔ البتہ یہ اختیارات مخصوص حالات میں حاصل ہوتے ہیں۔ اور انہیں چند متعین مقاصد کے لیے مقررہ حدود کے اندر ہی استعمال کیا جا سکتا ہے۔

اسلامی ریاست اس بات کی ذمہ دار ہے کہ اپنے مسلمان شہریوں کو دین کا پابند بنائے، اور ملک میں اسلامی شریعت کو نافذ کرے۔ یہ اس کی بنیادی اور اوّلین حیثیت ہے۔ پھر وہ افراد کا نمائندہ ادارہ ہونے کی حیثیت سے اس بات کی بھی ذمہ دار ہے کہ پورے اجتماع کے مفادات و مصالح کو افراد اجتماع کی شعوری یا غیر شعوری ضرر رسانی سے محفوظ رکھے۔ عدل و قسط کے قیام کی ذمہ داری کے تحت اسلامی ریاست کا ایک اہم فریضہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ بھی ہے کہ معاشرہ کے ہر فرد کو دوسرے افراد کی دست درازی اور ضرر رسانی سے بچائے ان تین فرائض کے پہلو بہ پہلو اسلامی ریاست کا فرض ہے کہ اللہ کی مرضی کے حصول اور افرادِ معاشرہ کی مشترکہ خواہش کی تکمیل کے لیے ایسی تدابیر اختیار کرے جو پورے اجتماع کی ترقی وخوشحالی اور امن وسکون کی ضامن ہوں تاکہ اجتماع اپنی داخلی زندگی اور خارجی تعلقات دونوں میں امتِ مسلمہ کے اس اہم مشن کو پورا کر سکے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے ذمہ کیا ہے۔ جیسا کہ اُوپر ذکر کیا جا چکا ہے یہ مشن تمام بندگانِ خدا کے سامنے دینِ حق کی شہادت ادا کرنا اور انھیں اسلام کی طرف دعوت دے کہ اللہ کی زمین پر اللہ کی حکومت قائم کرنا ہے۔

اسلامی ریاست کو اپنے شہریوں کے مالکانہ حقوق میں مداخلت کے جو اختیارات حاصل ہیں وہ اس کے مذکورہ بالا چار فرائض سے اُبھرتے ہیں۔ یہی ذمہ داریاں ان اختیارات کا منبع اور ان کی وجہ جواز ہیں اور انہی کے تقاضے ان اختیارات کے حدود متعین کرتے ہیں۔ غور سے دیکھا جائے تو انفرادی حقوق میں اس مداخلت کا منشاء بالآخر افراد ہی کے حقیقی مفادات و مصالح کی ترویج ہے۔ افراد اپنی کم علمی اور کوتہ نظری کی وجہ سے، یا جذبات اور حرص و ہوا سے مغلوب ہو کر، یا غلط فہمی کا شکار ہو کر نادانستہ طور پر اپنے حقوقِ ملکیت کا ایسا استعمال عمل میں لا سکتے ہیں جن سے بالآخر ان کے مفادات و مصالح مجروح ہوتے ہوں۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ دوسرے افراد اور اجتماع کے مجموعی مفادات کے تحفظ اور ان کی ترویج کے لیے یہ ضروری ہو کہ افراد کے جائز حقوق کو کسی دائرہ میں محدود کر دیا جائے۔ چونکہ زندگی کا اصل مقصد اُخروی ہے۔ اور اس کی دائمی موزوں بنیاد باہمی تعاون ہے۔ اس لیے ایسے حالات میں شریعت کا منشاء یہ ہے کہ افراد پر ضروری حد تک پابندیاں عائد کر دی جائیں۔

(د) اصلاح کے طریقے

پہلے باب میں یہ واضح کیا جا چکا ہے کہ اسلامی ریاست اپنے مقاصد کے حصول

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے لیے قانون اور جبر کا سہارا لینے سے پہلے اور اس کے ساتھ ساتھ، تعلیم و ترغیب ہدایت و رہنمائی، اور اخلاقی دباؤ کے ذرائع کو پوری طرح استعمال کرنی ہے۔ اسلام میں اس بات کا بہت اہتمام کیا گیا ہے کہ جب تک اور جہاں تک اخلاقی طریقوں اور تعلیم و ترغیب کے ذریعہ اجتماعی مقاصد حاصل کیے جا سکتے ہوں جبر سے نہ کام لیا جائے۔ اس اصول کے پیش نظر مذکورہ بالا چاروں ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لیے بھی ریاست کو تعلیم و تربیت اور نشر و اشاعت کے وسائل سے پوری طرح کام لینا ہوگا، اور ملک میں ایک ایسی اخلاقی فضا برپا کرنی ہوگی کہ شریعت کے یہ مقاصد جن کے حصول کے لیے ریاست کو انفرادی حقوقِ ملکیت میں مداخلت کا اختیار دیا گیا ہے۔ افراد کے رضا کارانہ عمل سے حاصل ہو جائیں۔ ہر مالک مالکانہ حقوق کے شرعی حدود کو پوری طرح ملحوظ رکھے۔ مالکانہ ذمہ داریاں پوری طرح انجام دے، اپنی ملکیت کو سماجی فلاح و بہبود کے لیے بھی استعمال کرے۔ اور تمام افراد ہر طرح کی ضرر رسانی اور ایذا دہی سے اجتناب کریں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ ہمیں بتاتا ہے کہ آپ نے بہت سے ایسے مواقع پر، جبکہ آپ قانونی طریقے اختیار کر سکتے تھے، وعظ و نصیحت اور ترغیب و تلقین کے ذریعہ افراد کو غلط طرزِ عمل ترک کر کے مطلوبہ رویہ اختیار کرنے پر آمادہ کر لیا۔ سماجی مقاصد کے حصول کے اس طریقہ میں یہ خوبی ہے کہ اس سے ایک طرف تو افراد کے اخلاقی اور روحانی ارتقاء میں مدد ملتی ہے۔ اور دوسری طرف انفرادی آزادی بھی مجروح نہیں ہوتی۔ رضامندی کے ساتھ کیے جانے والے کاموں میں جس حسن و کمال کی توقع کی جا سکتی ہے وہ جبر و قہر کے تحت انجام دیے جانے والے امور میں متوقع نہیں۔

اس اصول کی بنیادی حیثیت اور اس کی عظیم اہمیت کے پیش نظر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آگے بڑھنے سے پہلے ہم اس سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ سے بعض سبق آموز مثالوں کا مطالعہ کر لیں۔

حکیمانہ طریقہ سے رائے عامہ اور اخلاقی دباؤ کے استعمال کے ذریعہ اصلاح کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک سبق آموز مثال ذیل کا واقعہ ہے :

عن ابی ھریرۃ قال : قال رجل یا رسول اللہ ، انّ لی جارًا یؤذینی قال : انطلق فاخرج متاعك الی الطریق ۔ فانطلق فاخرج متاعہ ۔ فاجتمع الناس الیہ ، فقالوا : ما شانك ۔ قال : انّ لی جارًا یؤذینی فذکرت للنبی فقال انطلق فاخرج متاعك الی الطریق فجعلوا یقولون : اللّٰھمّ العنہ ، اللّٰھمّ اخزہ ۔ فبلغہ فاتاہ فقال ارجع الی منزلك فو اللہ لا اذیك[1] ۔

ابوہریرہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا کہ میرا ایک پڑوسی ہے جو مجھے تکلیف پہنچاتا ہے ۔ آپ نے فرمایا : جاؤ اور اپنے گھر کا سامان نکال کر سڑک پر ڈال دو ۔ وہ آدمی گیا اور اس نے اپنا سامان باہر نکال دیا ۔ پھر بہت سے لوگ اس کے پاس جمع ہو گئے اور پوچھنے لگے کہ کیا معاملہ ہے ۔ اس نے کہا کہ میرا ایک پڑوسی ہے جو مجھے تکلیف پہنچاتا ہے ، میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو انھوں نے فرمایا کہ جاؤ اور اپنا سامان نکال کر سڑک پر ڈال دو ۔ یہ سن کر وہ لوگ کہنے لگے کہ یا اللہ اس پر لعنت بھیج ، یا اللہ اس کو ذلیل وخوار کر ، اس پڑوسی تک یہ باتیں پہنچیں تو وہ اس آدمی کے پاس آیا اور اس سے یہ کہا کہ تو اپنے گھر میں واپس آجا ۔ خدا کی قسم اب میں تجھے تکلیف نہیں پہنچاؤں گا ۔

اس واقعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک فرد کی ایذادہی سے دوسرے فرد کو بچانے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بجائے کسی قانونی اقدام کے ایک نفسیاتی طریقہ اختیار کیا جس سے شریعت کا منشا پورا ہو گیا ۔ یہ طریقہ وعظ ونصیحت سے ایک

---

[1] : بخاری : الادب المفرد ۔ صفحہ ۴۱ نیز مسند امام احمد ۔ مسند ابی ہریرہ ۔ باختلاف الفاظ ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قدم آگے، اخلاقی دباؤ اور رائے عامہ کے دباؤ کو اصلاح کا ذریعہ بنانے کا طریقہ ہے لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ قانونی اقدام اور جبر کے استعمال سے بہتر ہے۔

اس قسم کی متعدد مثالیں موجود ہیں کہ جہاد کی مالی ضروریات کی تکمیل کے لیے، یا اہلِ حاجت کی حاجت روائی کے لیے جب ریاست کی آمدنی کے مستقل ذرائع کفایت نہ کرتے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم افرادِ معاشرہ پر مزید محاصل عائد کرنے کی بجائے ان سے مالی تعاون کی اپیل کرتے، اور آپ کی اپیل کے نتیجہ میں افرادِ معاشرہ راضی خوشی اتنا مال حاضر کر دیتے کہ ضرورت پوری ہو جاتی۔ ذیل کا واقعہ ان متعدد واقعات میں سے صرف ایک ہے:

...... عن المنذر بن جرير عن ابيه قال كنّا عند رسول الله صلى الله عليه وسلّم فى صدر النّهار. قال فجاءه قومٌ حفاةٌ عراةٌ مجتابى النمار او العباء[1]. متقلدى السيوف عامّتهم من مُضر فتمعّر وجه رسول الله صلى الله عليه وسلّم لما رأى بهم من الفاقة. فدخل ثمّ خرج فامر بلالاً رضى الله عنه فاذّن واقام وصلّى ثمّ خطب فقال: يا ايّها النّاس اتّقوا ربّكم الّذى خلقكم من نفسٍ واحدةٍ .... الى آخر الآية: انّ الله كان عليكم رقيبًا. والآية الّتى فى الحشر: اتّقوا الله ولتنظر نفسٌ ما قدّمت لغدٍ واتّقوا الله ...... ثمّ قال: تصدّق الرّجل من ديناره، من درهمه، من ثوبه، من صاع برّه، من صاع تمره، حتّى قال ولو بشقّ تمرةٍ ـــ قال فجاء رجلٌ من الانصار بصُرّةٍ كادت كفّه تعجز عنها بل قد عجزت. ثمّ تتابع النّاس حتّى رأيت كومين من طعامٍ وثيابٍ حتّى رأيت وجه رسول الله صلّى الله عليه وسلّم يتهلّل كانّه مذهبةٌ.

فقال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم من سنّ فى الاسلام

---

[1]: راوی کو شک ہے (کہ کیا پہنے ہوئے تھے)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سنۃً حسنۃً فلہ اجرھا واجر من عمل بھا من بعدہ من غیر ان ینقص من اجورھم شیئ۔ ومن سن فی الاسلام سنۃً سیئۃً کان علیہ وزرھا ووزر من عمل بھا من بعدہ من غیران ینقص من اوزارھم شیئ[1] ۔

۔۔۔۔۔ منذر بن جریر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا "ہم دن کے ابتدائی حصّہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس تھے کہ کچھ لوگ آئے جو کھالیں پہنے ہوئے تھے، یا عبائیں پہنے ہوئے تھے۔ ان میں اکثر لوگ، بلکہ سب کے سب قبیلہ مُضر کے تھے۔ ان پر فاقہ کے آثار دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے چہرہ کا رنگ بدل گیا۔ آپ اندر گئے، پھر باہر آ گئے۔ پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تو انہوں نے اذان دی اور اقامت کہی اور آپ نے نماز پڑھائی۔ پھر آپ نے خطبہ دیا اور یہ فرمایا کہ "یا ایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفسٍ واحدۃٍ[2] "۔۔۔۔۔ آخر آیت یعنی ان اللہ کان علیکم رقیبا تک۔ اور سورۂ حشر کی یہ آیت پڑھی "اتقوا اللہ ولتنظر نفسٌ ما قدمت لغدٍ واتقوا اللہ[3]۔۔۔۔۔۔" پھر آپ نے فرمایا کہ ہر آدمی کو یہ چاہیے کہ اپنے دینار، درہم، کپڑے میں سے کچھ صدقہ دے، یا ایک صاع گیہوں، ایک صاع جو، ایک صاع کھجور صدقہ کرے۔ یہاں تک کہ آپ نے فرمایا کہ خواہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی ہو صدقہ دے۔

---

[1] : مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب الحث علی الصدقۃ ولو بشق تمرۃ او کلمۃ طیبۃ۔۔۔"

[2] : سورۂ نساء آیت ۱۔ ترجمہ "لوگو! اپنے رب سے ڈرتے رہو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورت پھیلا دیے۔ اس خدا سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنا حق مانگتے ہو۔ اور رشتہ داری و قرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو۔ یقینا اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے"

[3] : سورۂ حشر: آیت ۱۸ "اللہ سے ڈرتے رہو۔ اور ہر ایک کو چاہیے کہ اس کا جائزہ لیتا ہے کہ اس نے کل کے لیے کیا آگے بھیجا اور اللہ سے ڈرتے رہو۔۔۔۔۔۔۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

راوی کہتا ہے کہ پھر انصار میں سے ایک آدمی ایک تھیلی لے کر آیا جس کو ہاتھوں سے اُٹھانے نہ بنتا تھا۔ پھر لوگ پے در پے (چیزیں) لانے لگے۔ یہاں تک کہ میں نے غلے اور کپڑے کے دو بڑے ڈھیر دیکھے۔ یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ دمک اٹھا جیسے سنہرا ہو گیا۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے اسلام میں کسی اچھے کام کی بنیاد ڈالی اس کو اس کا اجر ملے گا اور ان لوگوں کا بھی جو اس کے بعد اس طریقہ پر عمل کریں، بغیر اس کے کہ خود ان لوگوں کے اجر میں کوئی کمی ہو۔ اور جس نے اسلام میں کسی بُرے طریقہ کی بنیاد ڈالی اس کا گناہ اس کے سر ہوگا اور ان لوگوں کا گناہ بھی جو اس کے بعد اس طریقہ پہ عمل کریں، بغیر اس کے کہ خود ان لوگوں کے گناہ میں کوئی کمی ہو"

فاقہ سے نڈھال، لباس سے محروم ان ضرورت مند لوگوں کی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اُس وقت کچھ نہیں موجود تھا، جیسا کہ آپ کے گھر میں تشریف لے جانے اور پھر خالی ہاتھ واپس آنے سے ظاہر ہے۔ پھر آپ نے قرآن کی تلاوت کر کے لوگوں کو یہ یاد دلایا کہ وُہ سب ایک خاندان کے افراد ہیں اور ان میں سے صاحبِ مال لوگوں کا فرض ہے کہ وہ محتاجوں کی ضرورت پوری کریں۔ پھر آپ نے ایک دوسری آیت پڑھ کر یہ یاد دلایا کہ ہر شخص کو اس بات کی فکر کرنی چاہیے کہ وہ آخرت کے لیے کیا زادِ راہ جمع کر رہا ہے۔ آخرت کے لیے زادِ راہ جمع کرنے کی ایک شکل یہ ہے کہ اپنے مال میں سے کچھ ضرورت مند لوگوں کو دے دیا جائے۔ پھر آپ نے اشیاء ضرورت کا نام لے کر لوگوں سے اپیل کی کہ وہ فوری طور پر کچھ امداد کریں۔ جب لوگوں نے اس اپیل پر لبیک کہتے ہوئے مال اور اشیاء ضرورت کے ڈھیر لگا دیے تو آپ نے ان کے حسنِ عمل کا اعتراف کرتے ہوئے ان کی ہمت افزائی کی اور اجرِ عظیم کی بشارت دی

اوپر ہم واضح نصوص کی روشنی میں یہ ثابت کر چکے ہیں اور آئندہ صفحات میں اس کے مزید دلائل پیش کریں گے کہ ایسے حالات میں صاحبِ استطاعت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

افراد سے بقدرِ ضرورت مال کا قانونی مطالبہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا کر سکتے تھے۔ مگر آپ نے ایسا کرنے کی بجائے وُہ طریقہ اختیار کیا جس کا ہم نے ابھی مطالعہ کیا ہے۔

اسلام کی تاریخ اس زرّیں اصول پر عمل کی مثالوں سے بھری پڑی ہے، کہ اجتماعی مقاصد کو جہاں تک ممکن ہو تعلیم و ترغیب اور اخلاقی تربیت کے ذریعہ حاصل کیا جائے اور قانون اور جبر کا استعمال صرف وہاں کیا جائے جہاں ایسا کرنا ناگزیر ہو۔ اسلام میں خلیفہ کی اوّلین حیثیت معلّم اور رہنما کی ہے۔ خلیفہ جو اہلِ حلّ و عقد کے مشورہ سے قانون بنانا اور اسے نافذ کرتا تھا، وہی منبر پر خطبہ دینے والا اور نماز کے بعد اہم امُور کے سلسلہ میں اخلاقی ہدایات دینے والا بھی تھا۔ دورِ جدید میں بھی اسلامی ریاست کے کارکنوں میں یہی رُوح کارفرما ہونی چاہیے۔

اس اہم اصول پر جتنا بھی زور دیا جائے کم ہے، اور آج اس کی اہمیت پہلے سے کہیں زیادہ ہے، کیونکہ اس معاملہ میں رُوحِ عصر اسلامی اسپرٹ سے بہت مختلف ہے آج کا غالب رجحان یہ ہے کہ اجتماعی مصالح کی ترویج اور اجتماعی مفادات کے تحفّظ کے لیے زیادہ ضابطہ بندی سے کام لیا جائے۔ افراد کو قانون کے شکنجہ میں بُری طرح کس دیا گیا ہے۔ نظامِ تعلیم معلومات فراہم کرنے کی مشین بن چکا ہے اور حکومتیں عوام کی تعلیم و تربیت سے غافل ہیں۔ اسلام کے مذکورہ بالا اصول کو دورِ جدید کی ریاستی پالیسی کے رہنما اصولوں میں کوئی جگہ نہیں دی گئی ہے۔ ضروری ہے کہ اسلامی زندگی کی نشاۃِ ثانیہ اور اسلامی ریاست کے از سرِ نو قیام میں اس اصول کو پوری طرح ملحوظ رکھا جائے۔

دورِ جدید کی ایک اسلامی ریاست کو اصلاحی تدابیر اختیار کرتے وقت اس حقیقت کو بھی سامنے رکھنا ہوگا کہ صدیوں تک ایک غیر اسلامی نظامِ معیشت کے خوگر ہونے کے سبب عوام کو اسلامی نظام کے تقاضوں کی تکمیل میں کچھ وقت لگے گا۔ اس سلسلہ میں بعض نفسیاتی موانع سے سابقہ پڑے گا جن سے حکمت کے ساتھ عہدہ برآ ہونا چاہیے۔ بعض

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

افراد اور طبقے جن کے مفادات غیر اسلامی طور طریقوں سے وابستہ رہے ہوں گے۔ ان اسلامی اصلاحات میں رکاوٹ بنیں گے۔ ان کی خاطر ان اصلاحات کو ترک نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن حکمت، اور خود مطلوبہ مقاصد کو پائیدار طریقہ پر حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس سلسلہ میں تدریج کی پالیسی اختیار کی جائے، اور اگر ممکن ہو تو ایسی تدابیر بھی اختیار کی جائیں کہ جن افراد اور طبقوں کے مفادات تقاضائے عدل کی تکمیل سے مجروح ہو رہے ہوں ان کے لیے تلافی کا کچھ سامان بھی مہیا ہو جائے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کو کچھ ایسی ہی صورتِ حال سے سابقہ پڑا تھا۔ حالانکہ ابھی عہد فاروقی کو گزرے ایک صدی بھی پوری نہیں ہوئی تھی اور عام مسلمانوں کا معیارِ اخلاق اس سے کہیں زیادہ بلند تھا جو ہمیں آج میسر آئے گا۔ لیکن آپ نے بھی عدل کے تقاضوں کی تکمیل میں تدریجی طریقہ کار اختیار کرنا ضروری سمجھا۔

عن میمون بن مهران ان عبدالملك بن عبد العزيز قال: يا ابة ما يمنعك ان تمضى لما تريد من العدل فوالله ما كنت ابالي لو غلت بي وبك القدور في ذلك. قال يا بني انما اروض الناس رياضة الصعب - اني لاريد ان احيي امرًا من العدل فاؤخر ذلك حتى اخرج معه طمعًا من طمع الدنيا فينفروا لهذه ويسكنوا لهذه۔[۵]

میمون بن مہران روایت کرتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز کے لڑکے عبدالملک نے کہا، ابا جان! جو عدل و انصاف ہم برپا کرنا چاہتے ہیں اسے پورا پورا نافذ کر دینے سے آپ کو کیا چیز روکتی ہے؟ کیونکہ خدا کی قسم مجھے اس کی پروا نہیں کہ ایسا کرنے کے نتیجہ میں میں اور آپ باہر نکال پھینکے جائیں۔
آپ نے فرمایا کہ بیٹے! میں آدمیوں کو اسی طرح تربیت دیتا ہوں جس طرح سرکش اونٹ کو سدھایا جاتا ہے۔ میں عدل و انصاف کے بعض کاموں

---

۵ : ابن جوزی: سیرۃ عمر بن عبدالعزیز صفحہ ۱۰۷، نیز ملاحظہ ہو ابن تیمیہ: السیاسۃ الشرعیہ صفحہ ۱۳۵

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو از سرِ نو کرنا چاہتا ہوں تو بھی اس کام کو مؤخر رکھتا ہوں تا آنکہ اُسی کے ساتھ دُنیا کی مرغوب چیزوں میں سے کوئی کام کرنا ممکن ہو جائے تاکہ لوگ اس (عدل کے کام) سے بھڑکیں مگر اس (دُنیوی مفاد) سے ٹھنڈے پڑ جائیں۔

اِسی گفتگو کو ایک دُوسری روایت میں اِن الفاظ میں نقل کیا گیا ہے:

ولما ولی عمر بن عبد العزیز قال له ابنه عبد الملک۔ انی لاراک یا ابتاه قد اخرت اموراً کثیرةً کنت احسبك لو ولیت ساعةً من النهار عجلتها ولوددت انك قد فعلت ذالك لوفادت بی و بك القدور۔ قال له عمر: ای بنیّ انك علی حسن قسم الله لك۔ وفیك بعض رای اهل الحداثة۔ والله ما استطیع ان اخرج لهم شیئاً من الدین الا ومعه طرف من الدنیا استلین به قلوبهم خوفاً ان ینخرق علیّ منهم مالا طاقة لی به[1]۔

جب عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہُوئے تو ان کے بیٹے عبدالملک نے ان سے کہا ابّا جان! میں دیکھتا ہوں کہ آپ نے بہت سے ایسے کاموں کو مؤخر کر رکھا ہے جن کے بارے میں میرا خیال یہ تھا کہ اگر آپ گھڑی بھر کے لیے بھی حکمران ہوں گے تو پہلے اُن کاموں کو کریں گے۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ آپ ان کاموں کو کر گذرتے خواہ مجھے اور آپ کو (اس کے نتیجہ میں) نکال پھینکا جائے۔

حضرت عمر نے ان سے کہا: میرے بیٹے! اللہ نے تجھے بھلی توفیق دی ہے اگرچہ تو بعض رائیں لڑکوں جیسی بھی رکھتا ہے۔ خدا کی قسم میرے لیے اِن لوگوں کے لیے دین کا کوئی کام کرنا اُسی وقت ممکن ہوتا ہے جب اس کے ساتھ کچھ فائدہ دُنیا کا بھی ہو جس کے ذریعہ ان کے دل نرم کر سکوں۔ یہ اس اندیشہ کے باعث کہ ان کی جانب سے میرے اُوپر کوئی ایسی (مخالفانہ یا باغیانہ) بات نہ آ پڑے جس کا مقابلہ کرنے کی مجھ میں طاقت نہیں۔

---

[1]: ابنِ عبدالحکم: سیرۃ عمر بن عبدالعزیز۔ صفحہ ۵۹

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس احتیاط کے باوجود یہ بات تاریخِ اسلامی کے طالب علموں کے لیے قابلِ توجہ اور گہرے تجزیاتی مطالعہ کی مستحق ہے کہ اصلاح کی جو رفتار حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے مختصر عہدِ خلافت میں اختیار کی وہ کس حد تک معتدل اور موزوں تھی۔ بہر حال اتنی بات تو بالکل واضح ہے کہ جب عمر بن عبدالعزیز جیسا خلیفہ اصلاح میں تدریج اور اصلاح سے متاثر طبقوں کے لیے تلافی کے اہتمام کی ضرورت محسوس کر سکتا ہے تو دورِ جدید کی اسلامی ریاستوں کو بدرجۂ اولیٰ اس کی ضرورت ہوگی۔ تاریخ کے اس سبق کی روشنی میں اور تدریجی اصلاح کی اس سنت کی روشنی میں جو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لیے چھوڑی ہے، دورِ جدید کی ایک اسلامی ریاست کو ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہیے جو دیرپا نتائج کا حامل ہو سکے۔

تاریخ انسانی اور انسانی نفسیات کا علم ہمیں یہ بتاتا ہے کہ اجتماعی زندگی میں ضابطہ بندی اور قانون کو ایک اہم مقام حاصل ہے۔ صرف تعلیم و تربیت اور ترغیب و ہدایت پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ اجتماعی مفادات و مصالح کے لئے صرف افراد کے رضا کارانہ عمل اور ان کے اخلاق پر تکیہ کر لینا تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوگا۔ افراد کی طبیعتیں مختلف ہوتی ہیں۔ ان میں خیر پسندوں کے ساتھ شر پسند بھی ہوتے ہیں۔ پھر علم، دُور بینی، صبر و ضبط اور دوسری صفات کی کمی بھی افراد کے غلط طرزِ عمل اختیار کر لینے کا سبب بنتی ہے۔ ضروری ہے کہ ریاست ان کے اعمال کی نگران بن کر رہے۔ ضروری ہے کہ ان کو ان حدود کا پابند بنا کر رکھا جائے جو اجتماعی مفادات و مصالح کے تحفظ اور فرد کے حقیقی مفادات کی ضمانت دینے کے لیے وضع کیے گئے ہوں جن زریں اصول پر ہم نے گفتگو کی ہے۔ اس کے ساتھ ہمیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس حکیمانہ قول کی صداقت کو بھی نہ بھولنا چاہیے:

ما یزع الامام اکثر مما یزع القرآن[1]۔

جتنا کچھ امام (دبزور قوت) درست رکھتا ہے وہ اس سے زیادہ ہے جسے قرآن

---

[1]: قرطبی: احکام القرآن جلد ۲، صفحہ ۲۲۰۔ اس مفہوم کی مختلف روایات پہلے باب میں نقل کی جا چکی ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ترغیب کے ذریعہ) درست رکھتا ہے۔

انفرادی حقوقِ ملکیت میں ریاست کی مداخلت اور اس کے حدود کا مطالعہ ہم مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت کریں گے:

(ب) حجر، یعنی مالکانہ تصرفات پر پابندی۔

(ج) احتساب، یعنی منکر سے روکنے اور معروف کا پابند بنانے کے لیے ضابطہ بندی۔

(د) تسعیر، یعنی قیمتوں اور اجرتوں، کرایوں اور منافع کی شرحوں کی تعیین۔

(ھ) مزید محاصل عائد کرنا۔

(و) اموالِ فاضلہ کا مطالبہ۔

(ز) خریدنے اور عاریت یا قرض لینے میں جبر کا استعمال۔

(ح) قومی تحویل میں لے لینا۔

(ط) تحدیدِ ملکیت۔

(ی) اجتماعی معاشی منصوبہ بندی۔

(ک) مالی سزائیں۔

(ب) حجر (یعنی مالکانہ تصرفات پر پابندی)

اوپر ہم یہ بتا چکے ہیں کہ صغرسنی، جنون، غلامی اور مفرد ض ہونے کی حالت میں فرد کے مالکانہ تصرفات پر پابندی عائد کی گئی ہے[1]۔ یہاں صرف ان پابندیوں کا ذکر مقصود ہے جو تبذیر و اسراف یا مال کو غیر مفید مصارف میں ضائع کرنے کی بنا پر عائد کی جا سکتی ہیں۔ مالک اگر اپنے مال میں ایسے تصرفات کرے جو تبذیر و اسراف کے تحت آتے ہوں، یا مال کو ضائع کرنے کے مترادف ہوں تو ریاست اس کے مالکانہ تصرفات پر پابندی عائد کر سکتی ہے۔ انسان کو مال اور مالکانہ حقوق ضروریاتِ زندگی کی تکمیل اور اعلیٰ مقاصدِ حیات کے حصول کے لیے ذریعہ کے طور پر دیے گئے ہیں۔ تبذیر و اسراف اور اضاعتِ مال سے

---

[1] : باب ۵

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرد کے اپنے مصالح بھی مجروح ہوتے ہیں اور اجتماع کا بھی نقصان ہوتا ہے۔ اپنے مال میں اس طرح کے غلط اور غیر مفید تصرّفات کرنے والا فقہِ اسلامی کی نظر میں "سفیہ" اور "مفسد" قرار پاتا ہے اور اس کے خرید و فروخت اور انتقالِ ملکیّت کے حقوق پر پابندی عائد کر دی جاتی ہے۔ اس اصول پر فقہ اسلامی کے چاروں مکاتب — حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی — کا اتفاق ہے۔ حنفی مکتبِ فقہ میں اگرچہ مختار قول یہی ہے لیکن امام ابوحنیفہ کے نزدیک کسی عاقل و بالغ آزاد مالک پر تبذیر و اسراف یا اضاعتِ مال کی بنا پر حجر کرنا درست نہیں ہے[۱]۔ لیکن جمہور فقہاء اسلام تبذیر و اسراف اور مال کو ضائع کرنے کی بنا پر حجر کے قائل ہیں۔ جیسا کہ ذیل کی تصریحات سے واضح ہے:

"احناف کہتے ہیں کہ جیسا کہ اُوپر گذر چکا ہے۔ ہمارے مسلک میں مختار اور مفتی بہ رائے یہی ہے کہ سفیہ پر حجر کیا جائے گا۔ سفیہ کی تعریف یہ ہے کہ وہ فرد جو اپنے مال کا بخوبی انتظام نہ کر سکتا ہو اور اسے حرام کاموں اور لغویات میں اور گناہ کے کاموں میں صرف کرے۔ اور اپنے تصرفات میں تبذیر و اسراف سے کام لے، ایسے اسراف میں جس کے سبب حجر کرنا واجب ہو جاتا ہے، مغنیوں کو مال دینا، گراں قیمتیں دے کر کبوتر اور مرغ وغیرہ خریدنا شامل ہیں۔ اور جوئے بازی میں مال صرف کرنے یا دوسرے ایسے اخراجات کرنے پر (بھی حجر واجب ہے) جو عقل و شرع کے تقاضا کے خلاف ہوں۔ اسی طرح اگر فرد اپنا مال اچھے کاموں مثلاً مدرسہ یا مسجد یا اسپتال کی تعمیر میں صرف کر دے تو بھی وہ سفیہ قرار پائے گا۔ اور اس پر حجر کیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کارِ خیر کا مکلف اسی وقت بنایا ہے جب اس کی مالی حالت اس کی اجازت دیتی ہو۔ یعنی وہ کارہائے خیر کی وجہ سے مال خرچ کر کے نادار

www.KitaboSunnat.com

---

[۱] : امام صاحب کی رائے اور ان کے دلائل کے لیے ملاحظہ ہو مولیٰ شمس الدین احمد المعروف بقاضی زادہ: تکملہ فتح القدیر، جلد ۸، صفحہ ۱۹۴، اور سرخسی: المبسوط، جلد ۲۴، صفحہ ۱۵۵ - طبع بولاق - مصر - ۱۳۱۸ھ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہ ہو جائے۔"[1]

"مالکیہ کہتے ہیں کہ سَفہ تبذیر کا اور مال میں بخوبی تصرف نہ کرسکنے کا نام ہے۔ جب کسی شخص میں یہ بات پائی جائے تو اس پر حجر کیا جا سکتا ہے۔ خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔"[2]

"شوافع کہتے ہیں کہ سفیہ وُہ فرد ہے جو اپنے صرفِ مال میں تبذیر کا مرتکب ہو، یعنی جو ایسے اخراجات کرے جن کا اسے کوئی فوری یا اُخروی فائدہ نہ ہونے والا ہو۔ مثلاً اس سے جوا کھیلے، یا اسے مکروہ چیزوں پر صرف کرے۔ مثلاً اس کے ذریعہ تمباکو نوشی کرے، یا اس کو اپنی بدانتظامی کی وجہ سے ضائع کر دے۔ مثلاً کھلا ہوا نقصان اُٹھاتے ہوئے خرید و فروخت کرے ——

جبکہ وہ نادانستہ ایسا کرے، اگر جان بُوجھ کر اپنی خرید و فروخت میں نقصان برداشت کرے تو اسے سفیہ نہیں قرار دیا جائے گا۔ کیونکہ ایسا کرنا صدقہ کے تحت آسکتا ہے۔ اسی طرح اگر فرد اپنا مال نیکی اور رفاہِ عام کے کاموں میں خرچ کرے مثلاً مسجدوں، مدرسوں یا شفا خانوں کی تعمیر پر یا فقراء و مساکین کو صدقہ دینے میں تو اس کی وجہ سے اسے سفیہ نہیں قرار دیا جائے گا۔ بلکہ اگر وہ اپنا سارا مال مباح لذتوں کے حصول کے لیے، مثلاً لباس اور کھانے پینے میں خرچ کرے تو بھی اسے سفیہ نہیں قرار دیا جائے گا خواہ وہ اس سلسلہ میں اتنی فراخ دستی سے کام لے جس کی اس کی حالت اجازت نہ دیتی ہو، مثلاً یہ کہ شادی بیاہ وغیرہ میں اپنے مال کو ہر طرح کی حلال چیزوں پر صرف کر دے۔ ان شکلوں میں اس نے مال کو اس کے معقول مصارف میں صرف کیا ہے کیونکہ مال اسی لیے بنا ہے کہ اسے اچھے کاموں میں اللہ کی حلال کی ہوئی چیزوں سے فائدہ اٹھانے میں صرف کیا جائے۔"[3]

---

[1] : عبدالرحمٰن الجزیری : الفقہ علی المذاہب الاربعہ۔ جلد ۲۔ صفحہ ۳۷۸ (مباحث الحجر)

[2] : 〃 〃 : 〃 〃 〃 〃 ۳۷۹ 〃

[3] : 〃 〃 : 〃 〃 〃 〃 ۳۸۱ 〃

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"حنابلہ کے نزدیک سفیہ وُہ ہے جو اپنے مال میں ٹھیک طرح سے تصرف نہ کرسکتا ہو۔"[۱]

حنابلہ کے مسلک کی مزید تشریح یہ ہے:

"لغت میں حجر کے معنیٰ ہیں روکنا اور تنگی کرنا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور شریعت میں اس کے معنیٰ انسان کو اپنے مال میں تصرف کرنے سے روک دینا ہیں۔"[۲]

"اور رُشد۔ مال میں حسنِ تصرف کا نام ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ فاسق آدمی اگر اپنا مال گناہ کے کاموں میں صرف کرتا ہو مثلاً شراب یا آلاتِ لہو خریدتے ہیں، یا اس مال کو فساد پیدا کرنے کا ذریعہ بناتا ہے تو وہ رشید، نہیں ہے۔ کیونکہ وہ اپنے مال میں تبذیر اور اسے بغیر کسی فائدہ کے ضائع کرنے کا مرتکب ہوتا ہے۔"[۳]

"اور (رشد کے معنیٰ یہ ہیں کہ) مالک اپنے مال کو بے فائدہ کاموں میں صرف ہونے سے بچائے مثلاً غناء، قمار، حرام اشیاء اور آلاتِ لہو کے خریدنے سے، اور شراب خریدنے سے، اور اس مال کو فساد کا ذریعہ نہ بنائے۔ ایسے کام کرنے والا صاحبِ رُشد نہ قرار پائے گا۔ کیونکہ یہ اپنے مال کی تبذیر اور اسے غیر مفید کاموں میں ضائع کرتا ہے۔"[۴]

احناف کے مسلک کو صاحبِ ہدایہ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ اس سے پہلے وُہ یہ بتا چکے ہیں کہ خود امام ابوحنیفہ عاقل و بالغ آزاد مرد پر حجر کرنا درست نہیں سمجھتے:

"ابو یوسف اور محمد نے کہا ہے، اور یہی شافعی کا قول بھی ہے، کہ سفیہ پر حجر کیا جائے گا اور اسے اپنے مال میں تصرف سے روکا جائے گا کیونکہ وہ اپنے

---

۱ : عبدالرحمٰن الجزیری: الفقہ علی المذاہب الاربعہ۔ جلد ۲ صفحہ ۳۴۸ (مباحث الحجر)

۲ : ابنِ قدامہ: المغنی۔ جلد ۴۔ صفحہ ۵۰۵۔ مطبعۃ المنار۔ مصر ۱۳۴۷ھ

۳ : " : " " " " ۵۲۲-۲۳

۴ : ابنِ قدامہ المقدسی: الشرح الکبیر علی المغنی۔ جلد ۴ صفحہ ۵۱۷ (مغنی کے ساتھ چھپی ہے)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مال کو تقاضائے عقل کے خلاف کاموں میں صرف کرکے تبذیر کا ارتکاب کرتا ہے۔ اس کے مصالح کی نگرانی کے طور پر اس پر بھی اسی طرح حجر کیا جائے گا۔ جیسے بچے پر کیا جاتا ہے۔ بلکہ اس پر حجر کرنا زیادہ ضروری ہے۔ کیونکہ بچے سے تو تبذیر کا صرف احتمال ہوتا ہے، اور اس (عاقل و بالغ) فرد سے تبذیر عملاً صادر ہو چکی ہے[۱]۔"

ہدایہ کے ایک شارح نے 'سفہ' کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے :

"سفہ شریعت کے منشاء کے خلاف عمل، خواہشاتِ نفس کی پیروی، اور تقاضائے عقل کی خلاف ورزی کا نام ہے۔ سفیہ کو اخراجات میں تبذیر و اسراف کی عادت ہوتی ہے۔ وہ ایسے تصرفات کرتا ہے جن کا کوئی مقصد نہیں ہوتا، یا ایسا مقصد ہوتا ہے جسے دین دار اصحابِ عقل معقول مقصد نہیں قرار دیں گے۔ مثلاً مغنیوں کو مال دینا، یا اڑنے والے کبوتروں کو بھاری قیمت ادا کرکے خریدنا۔ عام تصرفات میں فراخ دستی سے کام لینا اور نیکی اور احسان کے کاموں میں فراخ دلی کا مظاہرہ شریعت کے نزدیک پسندیدہ ہے البتہ (ان کاموں میں بھی) اسراف حرام ہے، جس طرح کہ کھانے پینے میں اسراف حرام ہے[۲]۔"

ایک دوسرے شارح کی وضاحت یہ ہے :

"(ہدایہ کی شرح) عنایہ میں شارح نے لکھا ہے کہ یہاں فساد سے مراد سفہ (نادانی) ہے۔ یہ ایک خفتِ عقل ہے جو آدمی پر طاری ہو جاتی ہے تو اسے باوجود اس کے کہ اس کی عقل سلامت رہتی ہے، شریعت اور عقل کے منشاء کے خلاف عمل پر آمادہ کر دیتی ہے۔ فقہاء کے یہاں یہ اصطلاح (سفہ) صرف مال میں تبذیر اور اسے عقل و شریعت کے تقاضے کے خلاف ضائع کرنے کا

---

[۱] : برہان الدین علی ابن ابی بکر المرغینانی : ہدایہ۔ جلد ۳۔ کتاب الحجر۔ باب الحجر للفساد۔

[۲] : سید جلال الدین الخوارزمی : کفایہ شرح ہدایہ ۔ " " " "

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مفہوم رکھتی ہے[۱]"

سرخسی نے بھی تقریباً یہی بات لکھی ہے۔

"سفہ شریعت کے منشاء کے خلاف عمل کا نام ہے۔ وہ خواہشات نفس کی پیروی اور عقل و خرد کے تقاضے کی خلاف ورزی کا نام ہے۔ عام تصرفات میں فراخ دستی سے کام لینا اور نیکی اور احسان کے کاموں میں فراخ دلی کا مظاہرہ شرعاً سفہ نہیں ہے البتہ ان کاموں میں تبذیر و اسراف سے کام لینا شریعت اور عرف عام دونوں میں برا ہے[۲]"

شافعی فقہاء کے نزدیک رشد میں مالی تصرفات کی معقولیت کے پہلو بہ پہلو مالک کا صالح اور راست باز ہونا بھی ضروری ہے۔

"رشد دین اور مال دونوں کے معاملہ میں صالح ہونے کا نام ہے۔ لہذا صاحب رشد وہ ہے جو ایسے حرام کام نہ کرے جس سے اس کی استنادی (عدالت) ختم ہو جائے اور تبذیر نہ کرے۔ مثلاً (تجارتی) معاملات میں کھلا نقصان گوارا نہ کرے اور اپنے مال کو سمندر میں نہ ڈال دے یا اسے حرام کاموں میں نہ صرف کرے۔ صحیح رائے یہ ہے کہ صدقہ اور کارہائے خیر یا خوراک اور لباس میں اپنی حیثیت سے زیادہ مال خرچ کرنا تبذیر نہیں ہے[۳]"

ان اقتباسات سے واضح ہے کہ جمہور فقہا اس بات پر متفق ہیں کہ تبذیر اور اضاعتِ مال کی بناء پر فرد کے مالکانہ تصرفات پر پابندی عائد کی جانی چاہیے۔ ان کے درمیان تبذیر اور اضاعتِ مال کی شکلوں کے بارے میں بھی خاصا اتفاق رائے پایا

۱۔ : قاضی زادہ : تکملہ فتح القدیر۔ جلد ۸۔ صفحہ ۳۱۴

۲۔ : سرخسی : المبسوط۔ جلد ۲۴ صفحہ ۱۵۵۔ مطبعۃ السعادۃ۔ ۱۳۳۱ھ

۳۔ : نووی : منہاج الطالبین وعمدۃ المفتین۔ باب الحجر (صفحہ ۵۲)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جاتا ہے۔ تبذیر کیا ہے۔ اس پر ہم پانچویں باب میں گفتگو کر چکے ہیں اور مندرجہ بالا اقتباسات میں بھی اس کی بعض نمایاں مثالوں کا ذکر آ گیا ہے۔ جمہور فقہاء کی اس رائے کا ماخذ قرآن کریم کی یہ آیت ہے:

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيَامًا ......

فَإِنْ آنَسْتُم مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ۔

اور اپنے وہ مال جنہیں اللہ نے تمہارے لیے قیامِ حیات کا ذریعہ بنایا ہے۔ نادان لوگوں کے حوالے نہ کرو...... پھر اگر تم ان کے اندر اہلیت پاؤ تو ان کے مال ان کے حوالہ کر دو۔ (النساء: ۵، ۶)

اس آیت میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ مالکانہ تصرفات کے لیے رُشد ضروری ہے اور مالک سفیہ ہو تو اسے مالکانہ تصرفات کا موقع نہ دینا چاہیے۔ فقہاء نے سفہ اور رُشد کی جو تعریفیں کی ہیں ان کا مطالعہ اوپر کیا جا چکا ہے۔ مالی تصرفات پر پابندی عائد کرنے کے مختلف طریقوں اور حجر کے احکام کا تفصیلی مطالعہ مذکورہ بالا فقہی مآخذ کی مدد سے کیا جا سکتا ہے۔ ہمارا منشا صرف اس اصول کا اثبات ہے۔

حقِ ملکیت کے حدود کے بیان میں ہم اضاعتِ مال، تبذیر و اسراف اور تنعم و عیش کوشی کی ممانعت پر گفتگو کر چکے ہیں۔ جب کوئی مالک مسلسل ایسے تصرفات کرے جو ان ممنوع اقسام کے تحت آتے ہوں، خود مالک کے ذاتی مفاد کو مجروح کر رہے ہوں اور سماجی زندگی میں توازن کے لیے خطرہ بن گئے ہوں، تو ریاست کو اس کے مالکانہ تصرفات پر پابندی عائد کرنے کا اختیار حاصل ہوگا۔ اس اختیار کے استعمال کی عملی شکلیں حالات و ظروف کی مناسبت سے متعین کی جا سکتی ہیں۔ اس بات کی پوری گنجائش ہے کہ ایسے افراد کو بعض مدّات میں اپنا مال صرف کرنے سے بالکل روک دیا جائے۔ یا بعض مصارف پر مال صرف کرنے سے پہلے ان کے لیے ریاست کی اجازت حاصل کرنا ضروری قرار دیا جائے۔ یا انتقالِ ملکیت سے متعلق جملہ امور میں ان کو ریاست کی اجازت کا پابند بنا دیا جائے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دورِ جدید کی زندگی میں تبذیر و اسراف، اضاعتِ مال اور عیش کوشی کے مظاہر کی تعیین از سرِ نو کرنی ہوگی۔ کوئی وجہ نہیں کہ آج ایک فرد کو اپنے ذاتی استعمال کے لیے متعدد قیمتی کاریں رکھنے، یا بہت زیادہ دولت صرف کر کے عالیشان محلات تعمیر کرنے یا تقریبات میں آتش بازی وغیرہ پر مال ضائع کرنے سے نہ روکا جائے۔ ان شکلوں میں مذکورہ بالا اصول کے سخت پابندیاں عائد کی جانی چاہئیں۔

اس طرح کی پابندیوں کی مثال خود خلافتِ راشدہ کے زمانہ میں بھی ملتی ہے۔ جب کوفہ کا شہر بسایا گیا تو پہلے بانس اور نرکل کے مکان بنائے گئے۔ پھر آگ لگ جانے سے بہت سے مکان برباد ہو گئے تو حضرت سعد نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اینٹوں کے مکانات تعمیر کرنے کی اجازت طلب کی۔ حضرت عمرؓ نے اجازت تو دے دی۔ لیکن یہ حکم بھی دیا کہ کوئی ایک فرد تین مکانات سے زیادہ نہ تعمیر کرے۔ اور بہت اونچی اونچی عمارتیں نہ بنائی جائیں بلکہ اس بارے میں اعتدال کی روش اختیار کی جائے[۵۱]۔

ظاہر ہے کہ وسائلِ معاش کی فراوانی اور پہلے کے مقابلہ میں معیارِ زندگی میں تبدیلی کے سبب فنی ترقی کے اس دور میں تعمیر کے سلسلہ میں اعتدال کی روش کی تعیین چودہ سو برس پہلے کے پیمانوں سے ناپ کر نہیں کی جا سکتی۔ لیکن حضرت عمرؓ کے اس اثر سے یہ سبق ضرور حاصل کیا جانا چاہیے کہ ہر دور میں تعمیر، اور دوسرے مصارفِ زندگی کے بارے میں اعتدال کی روش اختیار کرنی چاہیے اور اگر افرادِ معاشرہ میں عدِ اعتدال سے تجاوز کا عام رجحان پایا جائے تو ان پر پابندیاں عائد کی جا سکتی ہیں۔

(ج) احتساب

اسلامی ریاست کا ایک اہم فریضہ یہ ہے کہ وہ معروف کا حکم دے اور منکر سے روکے۔ معروف وہ ہے جو شریعت کی نگاہ میں اچھا ہو۔ اور منکر وہ ہے جو شریعت کی نگاہ میں برا ہو۔ یہ ایک جامع فریضہ ہے جس کا تعلق زندگی کے ہر پہلو سے ہے۔ اس

۵۱: طبری: تاریخ۔ صفحہ ۲۴۸۷-۲۴۸۸۔ (۱۷ھ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فریضہ کی ادائیگی کے لیے اسلامی حکومتیں خصوصی اہتمام کرتی ہیں اور تاریخ یہ بتاتی ہے کہ ابتدائی دور میں اسلامی حکومتوں نے ایک علیحدہ شعبہ قائم کر دیا تھا جس کا نام حسبہ رکھا گیا تھا۔ اس شعبہ کا کام یہ تھا کہ اگر کسی معروف کو عملاً ترک کیا جا رہا ہو یا کسی منکر کا ارتکاب کیا جا رہا ہو اور یہ خرابیاں علانیہ نمودار ہو جائیں تو ان کو دور کیا جائے اور ان کا سدِباب کیا جائے[۵۱]۔ یہ شعبہ جہاں زندگی کے دوسرے پہلوؤں ــــ عبادات، آداب معاشرت، اور اخلاقِ عامہ ــــ کی طرف توجہ کرتا تھا وہاں مالکانہ حقوق کے استعمال تجارت اور صنعتی کاروبار کی بھی نگرانی کرتا تھا۔ اس سلسلہ میں قرآن کریم میں بعض بنیادی ہدایات دی گئی ہیں جن کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے[۵۲]۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان ہدایات کی روشنی میں اپنے زمانہ کے حالات اور اپنے معاشرہ کی ضروریات کے پیشِ نظر بعض کاروباری سرگرمیوں پر پابندی عائد کی تھی، اور کاروباری معاملات کو چند آداب و ضوابط کا پابند بنایا تھا۔ ان قوانین و ضوابط کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہے کہ ان کا دائرہ صرف دھوکا فریب اور بدعہدی کے سدِباب تک محدود نہیں تھا بلکہ ایسے ایجابی اقدامات کیے گئے تھے جن کا منشا مفادِ عامہ کا تحفظ اور مصالح کی ترویج تھا، قطع نظر اس سے کہ جن سرگرمیوں پر پابندی عائد کی گئی تھی، ان کو اخلاقی طور پر کھلی ہوئی خرابیاں قرار دیا جا سکتا تھا کہ نہیں۔

تلقی جلب، اور بیع الحاضر للبادی کی ممانعت میں یہی اصول کارفرما ہے۔ ہوشیار تاجر شہر سے باہر جا کر دیہات سے آنے والے مالِ تجارت کو یک جا خرید لیتے تھے۔ اور اسے شہر میں لا کر شہر کے نرخ پر فروخت کرتے تھے۔ دیہات سے مال لانے والے شہر کے نرخ سے ناواقفیت کی بنا پر مال کو سستے داموں ان تاجروں کے ہاتھ فروخت کر دیتے تھے۔ یہ معاملہ فریقین کی کامل رضامندی سے انجام پاتا تھا۔ لیکن اگر دیہات والوں کو شہر کے بازار میں مال لا کر خود فروخت کرنے دیا جائے تو شہر والوں کو بھی یہ چیزیں

۵۱: ماوردی: الاحکام السلطانیہ صفحہ ۲۰۸۔ اور ابو یعلیٰ: الاحکام السلطانیہ صفحہ ۲۶۰

۵۲: باب ۵ اور ۶

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نسبتاً ارزاں ملیں گی اور دیہات والوں کو بھی نسبتاً زیادہ دام ملیں گے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقی جلب کی ممانعت کر کے درمیانی تاجروں کو نفع اندوزی سے روک دیا کیونکہ شریعت کی نگاہ میں اجتماع کے مصالح چند افراد کے مصالح سے زیادہ اہم ہیں۔ اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شہر کے افراد کو دیہاتی تاجروں کا دلال بن کر ان کا مال فروخت کرنے (بیع الحاضر للبادی) سے منع کر دیا۔ یہاں بھی وہی مصلحت کارفرما ہے جس کا ہم نے اوپر مطالعہ کیا ہے۔[1]

ہمارے نزدیک یہ مثالیں انفرادی کاروباری سرگرمیوں میں مصالح عامہ کی خاطر ریاست کی مداخلت کی مثالیں ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کاروباری سرگرمیوں کی نگرانی اور کاروباری افراد کو اسلامی حدود کا پابند رکھنے کے لیے ایک خصوصی افسر مقرر کیا تھا۔[2] حضرت عمر اس کام کو بہ نفس نفیس بھی کرتے تھے اور آپ نے بازار کی نگرانی کے لیے عبداللہ بن عتبہ کو خاص طور پر مامور بھی کیا تھا۔[3] ایک بار آپ نے پانی ملے ہوئے دودھ کو زمین پر بہا دیا تھا[4] تاکہ ملاوٹ کرنے والوں کو عبرت ہو اور وہ اس سماج دشمن اور خلاف اسلام حرکت سے باز آ جائیں۔

---

[1]: تلقی جلب اور بیع الحاضر للبادی کی حرمت اور اس کے مصالح کے لیے ملاحظہ ہو:
صحیح مسلم مع شرح نووی۔ کتاب البیوع کے متعلقہ ابواب۔

[2]: بحوالہ رسالہ لواء الاسلام۔ قاہرہ۔ جون ۱۹۵۲ء۔ صفحہ ۱۰

[3]: کنز العمال: جلد ۳۔ روایات نمبر ۲۶۵۲ تا ۲۶۵۸، اور موطا امام مالک:
کتاب الزکوٰۃ۔ باب عشور اہل الذمہ۔

[4]: ابن تیمیہ: الحسبہ فی الاسلام۔ صفحہ ۴۳۔ مطبع مؤید مصر ۱۳۱۸ھ
اور محمد بن علی الشوکانی: نیل الاوطار۔ جلد ۲۔ صفحہ ۱۸۱۔ کتاب الزکوٰۃ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حسبہ کے موضوع پر جو تصانیف ہمارے سامنے ہیں[۵۱] - ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شعبہ کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ مثال کے طور پر ہم شافعی فقیہ محمد بن محمد بن احمد القرشی المعروف با بن الاخوۃ کی کتاب "معالم القربہ فی احکام الحسبہ" کا مختصر تعارف کرائیں گے۔ مصنف کا انتقال ۷۲۹ھ/ ۱۳۲۹ء میں ہوا۔ اور وہ مصر (غالباً قاہرہ) کا رہنے والا تھا۔[۵۲]

مصنف نے اپنے زمانہ کی مختلف صنعتوں، پیشوں، اور کاروباری سرگرمیوں کا جائزہ لے کر قابلِ اصلاح امور کی نشاندہی کی ہے۔ مصنوعات کے مطلوبہ معیار اور ان کی تیاری کے صحیح طریقہ پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ واضح کیا ہے کہ جہاں ان طریقوں کی خلاف ورزی نظر آئے یا اشیاء معیار مطلوب کے مطابق نہ تیار کی جاتی ہوں وہاں محتسب کو مداخلت کرنی چاہیے۔ ان تجاویز میں جہاں ظلم، بدعہدی، فریب، ملاوٹ وغیرہ کھلے ہوئے اخلاقی یا فنی مفاسد کے ازالہ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے وہاں ایسے اقدامات بھی تجویز کیے گئے ہیں جن کا منشاء مصنوعات کے معیار کو بلند کرنا اور ان کی تیاری اور فراہمی میں عمدگی اور سہولت پیدا کرنا ہے۔ کتاب میں صنعت و حرفت کی تقریباً ایک سو اصناف کا ذکر آیا ہے۔ ہر پیشہ یا کاروبار کے سلسلہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ اس کو کن حدود کا پابند ہونا چاہیے۔ اور اس کی مثبت ذمہ داریاں کیا ہیں۔ یہ تجویز پیش کی گئی ہے کہ ہر صنعت یا حرفت پر اس

۵۱: ابن الاخوۃ کی مذکورہ ذیل کتاب کے علاوہ مندرجہ ذیل مصادر کی طرف رجوع مفید رہے گا:

الماوردی : الاحکام السلطانیہ - باب ۲۰

ابو یعلی : " " - فصل فی احکام الحسبہ

امام غزالی : احیاء علوم الدین - جلد ۲ - کتاب الامر بالمعروف والنہی عن المنکر

ابن تیمیہ : الحسبہ فی الاسلام

محمد بن قیم الجوزیہ - الطرق الحکمیہ فی السیاسۃ الشرعیہ - مطبعۃ الآداب والمؤید مصر ۱۳۱۷ھ

۵۲: یہ کتاب روبن لیوی نے ایڈٹ کر کے ۱۹۳۸ء میں کیمبرج یونیورسٹی پریس سے شائع کی ہے عربی متن کے ساتھ انگریزی میں کتاب کی تلخیص بھی کی گئی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے گہری واقفیت رکھنے والے کسی دیندار اور دیانت دار فرد کو نگران مقرر کر دینا چاہیے۔ جو اس کاروبار میں حصہ لینے والے افراد کو مضرت رسانی اور غلط روی سے باز رکھے۔ اس فہرست میں مصنف معلم اور مدرس، واعظ، مؤذن، طبیب اور معالج، عطار اور دوا فروش، روٹی اور دوسری غذائی اشیاء فروخت کرنے والے، قصاب، پھل پھول فروخت کرنے والے، حلوائی، دودھ بیچنے والے، شربت فروخت کرنے والے، تیل فروش، برتن فروش، روئی دھننے والے، کپڑا بننے والے، کپڑا فروخت کرنے والے، درزی، رنگ ساز، چمڑا تیار کرنے والے، جوتا فروش، پنکھا بنانے والے، چٹائیاں فروخت کرنے والے، چھلنی فروخت کرنے والے، کنگھی بنانے والے، فولاد کی سوئیاں بنانے والے، سنار، لوہار، بڑھئی اور صرافہ والے شامل ہیں۔

ان مباحث کے علاوہ احتساب کی اہمیت، اس کے آداب، اور اس کے دوسرے متعلقات پر بھی گفتگو کی گئی ہے۔ کتاب کے آخر میں مصنف نے لکھا ہے:

"ان منکرات کے قبیل کی بہت سی اور چیزیں بھی ہیں جن پر اسی طرح بحث کی جا سکتی ہے اور جو انہی کی طرح حرام ہیں۔ آپ ان کے بارے میں اپنی قوت فیصلہ استعمال کیجیے۔ اور جن امور کی نوعیت صاف اور واضح نہ ہو ان کے بارے میں اپنے علم کی رہنمائی میں فیصلہ کیجیے۔ بدعت پر خاموشی اختیار کر لینا اس پر راضی ہو جانے کے مترادف ہے۔ اس کی ممانعت ترک کر دینا ایسا ہی ہے جیسا کہ اس کے کرنے کا حکم دینا ...... (منکرات کی) یہ بحث طویل ہے کیونکہ منکرات بے شمار ہیں۔ اور ان کا احاطہ ممکن نہیں .... [۱]"

مصنف نے چودھویں صدی میں جو بات لکھی تھی وہ آج بیسویں صدی میں اور زیادہ منطبق ہوتی ہے۔ ہر دور کے منکرات جدا گانہ ہیں اور کسی دور میں منکرات کی کوئی جامع فہرست نہیں بنائی جا سکتی۔ ذیل میں ہم اس کتاب کے بعض اقتباسات پیش کریں گے۔ ان کی عملی افادیت آج کے لیے زیادہ نہیں۔ البتہ ان کے مطالعہ سے ہمیں یہ سمجھنے میں مدد ملے گی کہ صنعت و حرفت کو اسلامی آداب کا پابند بنانے کا مطلب کیا ہے۔ اور ریاست کو اس سلسلہ میں کیا کرنا چاہیے

---

[۱] : ابن الاخوۃ : معالم القربہ۔ صفحہ ۲۴۲۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر ہم ان سفارشات میں کار فرما روح کو سمجھ لیں اور آزادی کار و بار پر مفادِ عامہ کی خاطر لگائی جانے والی پابندیوں کے سلسلہ میں اس فقیہ کے طرزِ فکر پر ہمدردانہ غور کر سکیں تو ان اقتباسات کا مطالعہ بہت مفید ثابت ہوگا۔ واضح رہے کہ یہ محض منتخب اقتباسات ہیں اور حسبہ کا پورا دائرہ عمل، مثلاً اخلاقِ عامہ کی نگرانی، یہاں غیر متعلق ہے۔

آٹا پیسنے والوں کے سلسلہ میں لکھتے ہیں :

"محتسب آٹا پیسنے والوں کو اس بات کا پابند بنائے گا کہ وہ غلہ کو پیسنے سے پہلے اسے چھان کر مٹی اور گرد و غبار سے پاک کر لیں۔ ان کو اس بات کی اجازت ہو گی کہ گیہوں پیستے وقت اس پر تھوڑا پانی چھڑک لیں کیونکہ ایسا کرنے سے آٹا زیادہ سفید ہو جاتا ہے۔ آٹا چھاننے کی چھلنیاں ہر تین ماہ میں یا اس سے بھی کم عرصہ میں تبدیل کر دی جایا کریں۔ اکثر چھلنی کے بال کمزور ہوتے ہیں۔ محتسب لٹے کا معائنہ کیا کرے گا۔ کیونکہ بسا اوقات یہ لوگ چنے یا باقلا کا آٹا ملا دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ آٹے میں رنگ آ جاتا ہے۔ یہ دھوکہ دہی ہے۔ محتسب جس کسی کو اس کا مرتکب پائے گا اس پر اعتراض کرے گا اور اس کو تادیباً کچھ سزا دے گا۔ محتسب آٹا پیسنے والوں کو اس بات سے روکے گا کہ وہ چکی کی چنائی کے فوراً بعد غلہ پیسیں کیونکہ پتھر کے ریزے آٹے میں مل جاتے ہیں اور یہ عوام کیلئے نقصان دہ ہے۔ محتسب ان لوگوں کو اس بات کا پابند بنائے گا کہ غلہ کی دُھلائی اور صفائی اچھی طرح کر لیا کریں تاکہ آٹا زیادہ سے زیادہ صاف اور عمدہ تیار ہو۔"[۵]

تنوری روٹی پکانے والوں "(Bakers)" کے سلسلہ میں لکھتے ہیں :

"محتسب کو چاہیے کہ بیکری کی چھتیں اونچی بنائیں اور اس میں دھواں نکلنے کیلئے وسیع چمنیاں بنائیں۔ وہ انھیں حکم دے گا کہ ہر بار استعمال سے پہلے تنور کو صاف کر لیا کریں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آٹا گوندھنے کی لگن دھو کر صاف کر لی جایا کرے، اور ان کے لیے ڈھکن بنائے جائیں۔ ہر ڈھکن میں دو لکڑیوں کا بنا ہوا

---

[۵] : ابن الاخوۃ : معالم القربۃ ۔ صفحہ ۸۹

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک صلیب نما دستہ لگایا جائے۔ آٹا گوندھنے والا اپنے پاؤں، گھٹنے، اور کہنیوں سے آٹا نہ گوندھے، کیونکہ اس سے کھانے کی توہین ہوتی ہے، اور بسا اوقات آٹے میں اس کی بغل یا بدن سے پسینہ ٹپک جاتا ہے۔ آٹا گوندھتے وقت اُسے ایک چست آستینوں کا لباس پہننا چاہیے اور مُنہ پر کپڑا باندھ لینا چاہیے۔ ہوسکتا ہے کہ اسے چھینک آئے یا بولنے کے دوران اس کے مُنہ سے تھوک وغیرہ آٹے میں گر جائے .... دن میں آٹا گوندھتے وقت ضروری ہے کہ ایک دوسرا آدمی پاس بیٹھ کر کسی چیز سے مکھیاں بھگائے ... . یہ لوگ روٹی کو تنور سے اس وقت تک نہ نکالیں جب تک وہ پوری طرح تیار نہ ہوجائے، البتہ جلنے نہ پائے۔ مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر دوکان کے لیے یہ مقرر کر دیا جائے کہ وہ روزانہ فلاں مقدار میں روٹیاں تیار کرے تاکہ روٹی کی کمی سے شہر کا نظام نہ معطل ہو .... محتسب کو چاہیے کہ بیکری والوں سے اس بات کا بھی مطالبہ کرے کہ وہ گھروں میں استعمال ہونے والی روٹیاں بھی تیار کریں کیونکہ عام لوگوں کو ان کی (خدمات کی) ضرورت بہت زیادہ ہے ....،[1]

سوئی بنانے والے صناعوں کے بارے میں لکھتے ہیں :

"ان لوگوں پر یہی کام کرنے والے کسی امانت دار قابلِ اعتماد فرد کو نگران مقرر کر دیا جائے جو ان لوگوں کو فولادی سوئیوں کے کچے لوہے کی سوئیوں میں ملانے سے روکے .... سب سے اچھی سوئی "درزیوں کی سوئی" ہوتی ہے جسے یہ لوگ "المستورہ" کہتے ہیں۔ ان کو تین بار تیز کیا جاتا ہے اور ان پر پالش کی جاتی ہے۔ سب سے اچھی سوئی وہ ہوتی ہے جس کا ناکہ گول ہوتا ہے ان کو اس بات کا پابند بنایا جائے کہ سوئیوں کو آگ میں تپا کر پھر ٹھنڈا کریں کیونکہ فولاد کو جب گرم کرکے بجھایا جاتا ہے تو وہ زیادہ سخت ہو جاتا ہے۔

---

[1] : ابن الاخوۃ : معالم القربہ۔ صفحہ ۹۱ - ۹۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور فولاد کے علاوہ دوسرے لوہوں کو جب گرم کر کے بجھایا جاتا ہے تو وہ اور نرم ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا ایسا کرنے والے کو آداب سکھانے ضروری ہیں۔"[۵۱]

کنگھی بنانے والوں کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ :

"ان سے مطالبہ کیا جائے کہ مردانی اور زنانی کنگھیاں صرف بقس[۵۲] (شمشاد) کی لکڑی سے بنائیں، کیونکہ یہ اس کام کے لیے بہترین لکڑی ہے۔ لکڑی سبز (تازہ اور کچی) نہیں ہونی چاہیے کیونکہ تازہ لکڑی سے کنگھی تیار کی جائے گی تو سوکھنے کے بعد ٹیڑھی ہو جائے گی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ محتسب کاریگر کو مہارت کے ساتھ اچھا کام کرنے کا حکم دے گا اور یہ کہ کنگھی کے دانے برابر اور سیدھے ہوں۔ ۔ ۔ ۔ ۔"[۵۳]

جہازرانوں اور کشتی بانوں کے لیے بھی چند مفید ضوابط کی پابندی ضروری ہے :

"جہازرانوں اور کشتی بانوں سے مطالبہ کیا جائے گا کہ ان پر معمول سے زیادہ بوجھ اور سواریاں نہ لے جائیں۔ مبادا کہ وہ ڈوب جائیں۔ محتسب ان کو تیز ہوا چلنے کے دوران اور آندھی میں سفر شروع کرنے سے بھی روکے گا۔ جب یہ لوگ مردوں کے ساتھ عورتوں کو بھی سوار کریں تو ان کے لیے ضروری ہوگا کہ ان کے درمیان ایک پردہ لٹکا دیں۔"[۵۴]

مذکورہ بالا آثار و اقوال کی روشنی میں، اور کاروبار کے سلسلہ میں اس کتاب میں اس سے پہلے جو کچھ لکھا جا چکا ہے اس کو سامنے رکھتے ہوئے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ دورِ جدید کی اسلامی ریاست کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ صنعت و حرفت، زراعت اور کاروبار کے مختلف شعبوں میں انفرادی مالکانہ حقوق کے استعمال اور نجی کاروباری سرگرمیوں پر نگرانی

---

۵۱ : ابن الاخوۃ : معالم القربہ۔ صفحہ ۲۲۴

۵۲ : شمشاد : آبنوس کی طرح سخت لکڑی والا ایک درخت

۵۳ : ابن الاخوۃ : معالم القربہ۔ صفحہ ۲۲۷۔ ۲۲۸

۵۴ : " : " " ۔ " ۲۲۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رکھے۔ افراد اور اجتماع کے مفادات کے تحفظ اور مصالح کی ترویج کے لیے اسے یہ اختیار حاصل ہے کہ اہلِ صنعت اور تاجروں پر بعض مثبت ذمّہ داریاں عائد کرے یا انہیں بعض کاموں سے روک دے۔ بازار میں جن اشیاء اور خدمات کی طلب ہوتی ہے ان کے معیار کو تمام تر بازار کی قوتوں کے عمل اور مسابقت کے بھروسہ نہیں چھوڑا جا سکتا۔ اسی طرح اگر عام ضرورت کی چیزیں کم پیدا کی جا رہی ہوں تو ریاست صرف تماشائی کی حیثیت نہیں اختیار کر سکتی۔

صنعت و حرفت کو سماج کا خادم بنا کر رکھنا اسلامی ریاست کی ایک اہم ذمّہ داری ہے۔ ماضی میں ایک منفرد تاجر یا صنّاع کے غلط طرزِ عمل سے سماج کو اتنا نقصان نہیں پہنچ سکتا جتنا آج ممکن ہو گیا ہے۔ آج بڑے بڑے کارخانوں میں لاکھوں گاہکوں کے لیے مال تیار کیا جاتا ہے اور ایک کاروباری فرد کے فیصلے خلقِ خدا کی ایک کثیر تعداد کو فراہم کی جانے والی اشیاء ضرورت کی مقدار، نرخ اور معیار پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جن امور کا تعلق افراد کی ایک کثیر تعداد، یا پورے اجتماع کے مصالح سے ہو ان کو انفرادی یا نجی (Private) نہیں قرار دیا جا سکتا۔ ایسے تمام امور میں ریاست کو شریعت کے منشاء کی تکمیل اور اجتماعی مفاد کے تحفظ کے لیے مداخلت کا اختیار ہے۔ ہر وہ پابندی جو مفادِ عامہ کے تحفظ اور مصالح عامہ کی ترویج کے لیے عائد کی جائے اصولاً درست ہے۔ کسی فرد کو یہ حق نہیں کہ وہ انفرادی آزادی، حقوقِ ملکیّت اور آزادی کاروبار کے نام پر ریاست کی مداخلت کو خلافِ اسلام قرار دے۔ البتہ کسی مخصوص پابندی یا کسی خاص مداخلت کے سلسلہ میں یہ بحث ضرور پیدا ہو سکتی ہے کہ حالات اس کے متقاضی ہیں یا نہیں، وہ شریعت کے مزاج سے ہم آہنگ ہے یا نہیں، اور اس سے کاروباری افراد کو جو نقصان ہو سکتا ہے اسے ان فوائد کے مقابلہ میں نظر انداز کیا جا سکتا ہے کہ نہیں جو پورے اجتماع کے لیے متوقع ہیں۔ ان اختلافی مسائل میں اصحابِ علم اور اربابِ حل و عقد کا اجتہاد اُمّت کو کسی نتیجہ تک پہنچائے گا۔ بہر صورت افراد کے لیے واجب التعمیل احکام وہ ہوں گے جو اسلامی ریاست صادر کرے، خواہ کسی فرد کا ذاتی اجتہاد اس کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

د تسعیر

قیمتوں، اُجرتوں، کرایوں اور منافع کی شرحوں کی تعیین

عام حالات میں تاجروں اور پیدا کنندگان کو اس بات کی پوری آزادی حاصل ہے کہ اشیاء تجارت اور پیداوار کو جس نرخ پر چاہیں فروخت کریں۔ اشیاء کے نرخ طلب و رسد کے باہمی تعامل سے متعین ہوں گے اور ریاست اس سلسلہ میں کوئی مداخلت نہیں کرے گی۔ لیکن اسلامی ریاست پر مفادِ عامہ کے تحفظ اور ضرر رسانی کے سدِ باب کی جو ذمہ داری ہے اس کا تقاضا بعض مخصوص حالات میں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اشیاء کے نرخ مقرر کر دے، اور اس آزادی کو ایک حد تک سلب کر لے جو عام حالات میں فروخت کنندگان کو دی گئی ہے۔

اس بات کو ایک مثال کے ذریعہ بآسانی سمجھا جا سکتا ہے۔ غذائی قلت کے زمانہ میں غذائی اجناس کے نرخ رسد کی کمی کے سبب چڑھ جاتے ہیں۔ لیکن بڑھتی ہوئی قیمتوں کو اور زیادہ بڑھانے، اور قلت سے پیدا ہونے والی صورت حال سے فائدہ اُٹھا کر زیادہ سے زیادہ نفع کمانے کے لیے تاجر ان اجناس کا احتکار (Hoarding) کر کے رسد میں مصنوعی طور پر مزید کمی کر دیتے ہیں جس سے نرخ اور گراں ہو جاتے ہیں۔ احتکار شرعاً ممنوع اور قابلِ تعزیر جرم ہے۔ حکومت احتکار کرنے والوں کو اپنے مال بازار میں لانے پر مجبور کر سکتی ہے۔ لیکن اس صورت حال کی اصلاح کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اگر چور بازاری کا انسداد ممکن ہو تو ان اشیاء کے نرخ متعین کر دیے جائیں۔ یہ طریقہ اس صورت میں اختیار کیا جا سکتا ہے جب کاروباریوں کے ذخیروں کی دریافت اور ان کے بازار میں لانے کے لیے راست اقدام دشوار ہوتا ہے، یا مصالح کے خلاف ہوتا ہے۔ اشیاء کے نرخ کی تعیین اور راست اقدام کے ذریعہ ذخیروں کو بازار میں لانے کے طریقے ساتھ ساتھ بھی اختیار کیے جا سکتے ہیں اور یہی اصلاحِ حال کی مؤثر ترین شکل ہے۔ ایک دوسری مثال ان اشیاء کی ہے جن کا فراہم کرنے والا ایک فرد یا افراد کی ایک محدود تعداد

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوتی ہے۔ یہ افراد اپنی اجارہ دارانہ حیثیت سے فائدہ اٹھا کر عوام سے من مانی قیمتیں وصول کر سکتے ہیں۔ اس ضرر کا ازالہ بھی اسی طرح ممکن ہے کہ ان افراد کو مجبور کیا جائے کہ وہ اپنی لاگت پر ایک معقول اور اطمینان بخش شرح نفع سے زیادہ نہ وصول کریں اور اس حساب سے ان اشیاء کی قیمتیں مقرر کردی جائیں۔

یہاں ہم اشیاء کی قیمتوں کی تعیین کے طریقہ کے معاشی تجزیہ اور اس کی افادیت پر تفصیلی گفتگو سے گریز کرتے ہوئے صرف اس مسئلہ پر بحث کریں گے کہ اگر کسی مخصوص صورت حال میں اسلامی ریاست مفادِ عامہ کے تحفظ کے لیے یہ طریقہ اختیار کرنا ضروری سمجھے تو اسے ایسا کرنے کا اختیار حاصل ہے یا نہیں۔

ہمارے نزدیک مخصوص حالات میں ریاست کو ایسا کرنے کا اختیار حاصل ہے، اور اس اختیار کی بنیاد شریعت کا یہ اصول ہے کہ ضرر کا ازالہ ضروری ہے[۵۱]۔ اور کسی بڑے ضرر کے ازالہ کے لیے اگر کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا ناگزیر ہو جائے جو خود مضرت کا حامل ہو مگر یہ مضرت کمتر اور چھوٹی ہو تو یہ طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہے[۵۲]۔ جیسا کہ ہم آگے دیکھیں گے، جن فقہاء نے تسعیر کو جائز قرار دیا ہے انہوں نے اسی اصول سے استدلال کیا ہے۔

جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے، عام حالات میں شریعت تسعیر کی اجازت نہیں دیتی کیونکہ ایسا کرنا پیداکنندگان اور تاجروں کی آزادی سلب کرنے، اور بعض حالات میں ان پر صریح ظلم کے مترادف ہے۔ اس سے بسا اوقات خود مفادِ عامہ بھی مجروح ہوتا ہے۔ ذیل کی احادیث سے یہی حقیقت سامنے آتی ہے:

عن ابی هریرة ان رجلاً جاء فقال یا رسول اللہ سعّر فقال بل ادعو

ثم جاءہ رجل فقال یا رسول اللہ سعّر فقال بل اللہ یخفض ویرفع

---

۵۱ : ابن نجیم الحنفی: الاشباہ والنظائر صفحہ ۱۲۱ - ۱۲۹۔ ابن نجیم نے ازالہ ضرر پر اس جامع بحث میں تسعیر کے جواز کا بھی ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۱۲۴۔ ازالہ ضرر سے متعلق احادیث پانچویں باب میں گذر چکی ہیں۔

۵۲ : ابن نجیم۔ صفحہ ۱۲۵

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

و انی لارجوان القی اللہ ولیس لاحدٍ عندی مظلمۃ۔[۱]

"ابوہریرہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے آکر یہ کہا کہ اے اللہ کے رسول، (اشیاء کے) نرخ مقرر کر دیجیے۔ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ میں دُعا کروں گا (کہ نرخ ارزاں ہوجائیں) پھر ایک دوسرا آدمی آیا اور اس نے بھی یہی کہا کہ اے رسول اللہ نرخ مقرر کر دیجیے۔ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ اللہ ہی نرخ گراتا اور چڑھاتا ہے۔ اور میں چاہتا ہوں کہ خدا کے حضور اس حال میں حاضر ہوں کہ میرے اوپر کسی پر ظلم کرنے کا بار نہ ہو۔"

عن انسٍ قال قال الناس یارسول اللہ غلا السعر فسعّر لنا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ ھو المسعّر القابض الباسط الرزاق وانی لارجو ان القی اللہ ولیس احدٌ منکم یطالبنی بمظلمۃٍ فی دمٍ ولا مالٍ[۲]

انس سے روایت ہے کہ لوگوں نے یہ کہا کہ اے اللہ کے رسول نرخ گراں ہو گئے ہیں لہذا آپ ہمارے لیے نرخ مقرر کر دیجیے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ "اللہ ہی نرخ مقرر کرنے والا، (اشیاء کی پیداوار میں) تنگی پیدا کرنے والا، فراخی پیدا کرنے والا، اور رزق عطا کرنے والا ہے۔ اور میں یہ چاہتا ہوں کہ خدا کے حضور اس حال میں حاضر ہوں کہ تم میں سے کوئی مجھ سے کسی ظلم کا بدلہ طلب کرنے والا نہ ہو جو جان یا مال کے سلسلہ میں کیا گیا ہو۔"

ان السعر غلا فی زمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال الناس لرسول اللہ ان السعر قد غلا فوظّف ... نقوم علیھا فقال: "ان الرخص والغلاء بید اللہ لیس لنا ... امر اللہ و

---

۱ : ابوداؤد : کتاب البیوع - باب فی التسعیر

۲ : " " " - یہی حدیث ترمذی (کتاب البیوع) میں بھی روایت کی گئی ہے، اور ابن ماجہ (ابواب التجارات) میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قتادۃ -[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نرخ گراں ہو گئے تو لوگوں نے رسول اللہ سے کہا کہ نرخ گراں ہو گئے ہیں - لہذا آپ ایک شرح مقرر کر دیجیے تاکہ ہم اسی پر جمے رہیں - تو آپ نے فرمایا "ارزانی اور گرانی اللہ کے ہاتھ میں ہے - ہمارے لیے یہ جائز نہیں کہ اللہ کے فیصلہ اور اس کے حکم سے تجاوز کریں"

عن الحسن قال غلا السعر علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال الناس - یا رسول الله صلی الله علیه وسلم الا تسعر لنا ؟ فقال صلی الله علیه وسلم : ان الله هو المسعر، ان الله هو القابض ان الله هو الباسط، وانی والله ما اعطیکم شیئا ولا امنعکموه ولکن انما انا خازن اضع هذا الامر حیث امرت، وانی لارجو ان القی الله ولیس احد یطلبنی بمظلمة ظلمتها ایاه فی نفس ولا مال ۔[2]

حسن سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نرخ گراں ہو گئے تو لوگوں نے کہا - اے رسول اللہ کیا آپ ہمارے لیے نرخ مقرر نہیں کر دیں گے ؟ آپ نے فرمایا "اللہ ہی نرخ مقرر کرنے والا ہے، اللہ ہی تنگی پیدا کرنے والا ہے، اللہ ہی فراخی پیدا کرنے والا ہے - خدا کی قسم میں خود سے نہ تو تمہیں کچھ دیتا ہوں، نہ خود سے تمہیں کسی چیز سے محروم رکھتا ہوں - بلکہ میں تو صرف ایک خازن ہوں - جس طرح مجھے حکم دیا گیا ہے اس طرح اس (حکمرانی کے) کام کو کرتا ہوں - اور میں یہ چاہتا ہوں کہ میں خدا کے حضور اس حال میں حاضر ہوں کہ کوئی آدمی مجھ سے کسی ایسے ظلم کا مواخذہ کرنے والا نہ ہو جو میں نے اس پر جان یا مال کے سلسلہ میں کیا ہو"

---

[1] : ابو یوسف : کتاب الخراج - صفحہ ٥٨

[2] : " " " "

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ پیداوار کی کمی اور زیادتی اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اور اشیاء ضرورت[1] کی ارزانی یا گرانی اسی پر منحصر ہونے کے سبب امرِ الٰہی کے تابع ہے۔ قدرتی عوامل کے نتیجہ میں اشیاء گراں ہو جائیں تو ان کے نرخ متعین کرنا ان کے پیدا کرنے والوں اور فروخت کرنے والوں پر ظلم کے ہم معنی ہے۔ اس حقیقت کی بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عوام کے مطالبہ کے باوجود اپنے زمانہ میں اشیاء کے نرخ نہیں متعین کیے۔

اِن احادیث کی روشنی میں بعض مکاتبِ فقہ کے نزدیک تسعیر مطلقاً ناجائز ہے۔ حنبلی اور شافعی مکتبِ فقہ کا مسلک یہی ہے۔ چنانچہ حنبلی فقیہ امام شمس الدین ابو الفرج عبدالرحمٰن بن ابو عمر محمد بن احمد ابن قدامہ المقدسی (م ۶۸۲ھ) لکھتے ہیں:

"امام کو یہ اختیار نہیں کہ لوگوں کے لیے اشیاء کے نرخ مقرر کرے بلکہ لوگ اپنے مال جس طرح چاہیں فروخت کر سکیں گے۔ یہی امام شافعی کا مسلک ہے۔۔۔[2]"

اس کے بعد حدیث نقل کر کے لکھتے ہیں کہ تسعیر کے بارے میں اس حدیث سے:

"استدلال کی بنیادیں دو ہیں۔ پہلی یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود مطالبہ کے نرخ نہیں مقرر کیے۔ اگر ایسا کرنا جائز ہوتا تو آپ نے ان کا مطالبہ پورا کر دیا ہوتا۔ دوسری یہ کہ آپ نے اس کی وجہ یہ بتائی کہ تسعیر ظلم ہے اور ظلم حرام ہے۔ کیونکہ وہ اشیاء جن کے نرخ مقرر کرنے تھے، اس شخص (یعنی تاجر) کا مال ہیں اور اسے اپنے مال کو اس قیمت پر فروخت کرنے سے روکنا جائز نہیں جس پر فریقین راضی ہوں۔

بظاہر نرخ مقرر کرنا گرانی کا سبب بھی بنے گا کیونکہ جب بیرونی علاقوں سے مالِ تجارت لے کر آنے والوں کو اس کی خبر ہو گی تو وہ اپنی تجارتی اشیاء لے کر ایسے علاقہ میں نہیں آئیں گے جہاں ان کو انہیں اپنی مرضی کے خلاف قیمتوں پر فروخت

---

[1] : جیسا کہ آئندہ واضح کیا جائے گا، مذکورہ بالا احادیث غلہ کی گرانی سے پیدا شدہ صورتِ حال سے متعلق ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

[2] : ابن قدامہ المقدسی: الشرح الکبیر (جو المغنی کے ساتھ چھپی ہے) جلد ۴ صفحہ ۴۵۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ اور جن مقامی تاجروں کے پاس مال ہوگا وہ اسے فروخت کرنے کے بجائے اسے چھپا دیں گے۔ ضرورت مند افراد ان چیزوں کو طلب کریں گے اور ان کو ضرورت سے بہت کم چیزیں مل سکیں گی۔ لہٰذا وہ زیادہ قیمت ادا کرنے کی پیشکش کریں گے تاکہ اسے حاصل کر سکیں۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ نرخ گراں ہو جائیں گے اور فریقین (خریدار اور فروخت کنندہ) کو نقصان پہنچے گا۔ اشیاء کے مالکوں کو اس وجہ سے کہ ان کو اپنے مملوکہ سامان کی فروخت سے روک دیا گیا اور خریداروں کو اس بنا پر کہ ان کو اپنی ضرورتوں کی تکمیل سے روک دیا گیا۔ لہٰذا یہ ناجائز اور حرام قرار پائے گا۔[51]

ابن قدامہ نے تسعیر کے اس پہلو کے علاوہ کہ وہ اشیاء تجارت کے مالکوں کو ان کے شرعی مالکانہ حقوق سے ناحق محروم کرنے کے مترادف ہے۔ معاشیاتی تجربہ کے ذریعہ اس کے ان دو مضر پہلوؤں کی بھی نشان دہی کی ہے جن پر جدید ماہرین معاشیات زور دیتے ہیں۔ جب رسد میں کمی قیمتوں میں اضافہ کا سبب ہو تو قیمتوں پر کنٹرول سے چور بازاری (Black market) رواج پاتی ہے۔ ثانیاً اس کا نتیجہ یہ بھی ہوتا ہے کہ صارفین اپنی احتیاجات کی تشفی سے محروم رہ جاتے ہیں۔

اس باب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو احادیث مروی ہیں ان کے صحیح فہم کے لیے ان حالات کی تحقیق ضروری ہے جن میں آپ سے نرخ مقرر کرنے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ مذکورہ بالا روایتیں صرف اتنا بتاتی ہیں کہ نرخ گراں ہو گئے تھے۔ اس گرانی کا سبب نہیں بتاتیں۔ لیکن ہمیں یہ معلوم ہے کہ مدینہ میں غذائی اجناس زیادہ تر باہر سے درآمد کی جاتی تھیں۔ مقامی پیداوار شہر کی ضروریات کے لیے کافی نہ تھی۔[52] بالخصوص ایسی صورت حال میں تاجروں کی آمد کے سبب شہر کی آبادی میں اضافہ بھی ہو رہا تھا۔ اگر غلہ باہر سے ہی گراں نرخ پر آ رہا ہو تو مقامی تاجروں کو کسی کمتر نرخ کا پابند بنا دینا بلاشبہ ظلم ہوتا اور اس سے وہ مضرتیں بھی نمودار ہوتیں جن کا ابن قدامہ نے ذکر کیا ہے۔ ان روایات سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ تاجروں

51: ابن قدامہ المقدسی: الشرح الکبیر (جو المغنی کے ساتھ چھپی ہے) جلد ۴۔ صفحہ ۴۴ - ۴۵

52: ابن تیمیہ: الحسبہ فی الاسلام کے وہ اقتباسات ملاحظہ ہوں جو آگے آ رہے ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے احتکار اور بے جا نفع اندوزی کے سبب نرخ گراں ہوئے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صورتِ حال میں بھی نرخ مقرر کرنے سے انکار فرما دیا۔ ظاہر ہے کہ نرخ کی گرانی کی یہ شکل اپنی نوعیت کے اعتبار سے مذکورہ بالا شکل سے بالکل مختلف ہے، اور اس مخصوص شکل کے حکم کو اس شکل پر منطبق کرنا درست نہیں قرار دیا جا سکتا۔

جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں اس بات کی طرف اشارہ موجود ہے کہ اُس وقت گرانی کے اسباب قدرتی تھے۔ ایک روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نرخ مقرر کرنے کا مطالبہ کیا گیا تھا وہ قحط کا موقع تھا۔ ظاہر ہے کہ جب قحط کے سبب اجناس کی پیداوار، اور مدینہ کے بازار میں ان کی رسد، قدرتی طور پر کم ہو گئی ہو۔ اور خود کاشت کار اور باہر سے مال لے کر مدینہ آنے والے نرخ بڑھانے پر مجبور ہوں تو مقامی تاجروں سے کم نرخ پر فروخت کرنے کا مطالبہ کسی طرح جائز نہ ہوتا۔

اصاب الناس سنۃٌ فقالوا یا رسول اللہ سعّرلنا۔ قال لا یسألنی اللہ عن سُنۃٍ احدثتھا علیکم لم یأمرنی بھا ولکن سلوا اللہ من فضلہ۔[۱]

لوگ قحط کے شکار ہوئے تو انہوں نے کہا۔ اے رسول خدا ہمارے لیے نرخ مقرر کر دیجیے۔ آپ نے فرمایا "نہیں۔ اللہ مجھ سے ایسے طریقہ کے بارے میں جواب طلب کرے گا جس کا اس نے مجھے حکم نہ دیا ہو اور میں اسے اپنی طرف سے اختراع کر لوں۔ بلکہ تم اللہ سے اس کے فضل کے لیے دعا کرو"

مذکورہ بالا حدیثوں کے ساتھ ان دو حقیقتوں کو ـــــ یہ کہ مدینہ میں غلہ باہر سے آتا تھا، اور یہ موقع قحط کا موقع تھا۔ سامنے رکھ کر غور کیجیے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نرخ مقرر کرنے سے انکار کرنے کا سبب واضح ہو جاتا ہے اور اس حکم کا تعلق جن حالات سے ہے

---

[۱] : طبرانی کبیر۔ بحوالہ کنز العمال۔ جلد ۲۔ حدیث نمبر ۱۳۴۶

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ متعین ہو جاتے ہیں۔ آپ نے جو یہ فرمایا کہ اللہ سے اس کے فضل و کرم کی دعا کرو، یا یہ کہ میں دعا کروں گا۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ رحم فرمائے۔ قحط دُور ہو اور پیداوار بڑھے، تو وہ سبب ہی دُور ہو جائے گا جس کے باعث نرخ گراں ہو گئے ہیں اور نرخ خود بخود ارزاں ہو جائیں گے۔

لیکن وہ صورتِ حال اس سے بالکل مختلف ہے جس میں قیمتیں بڑھ جانے کا سبب قدرتی عوامل کی بنا پر زرعی اجناس کی پیداوار میں کمی کے بجائے کچھ اور ہو، مثلاً تاجروں کی ذخیرہ اندوزی، یا منظم صنعت میں اجارہ داری کی صورت میں قیمتیں چڑھانے کے لیے پیداوار بازار میں دانستہ کمی۔ ان صورتوں میں مذکورہ بالا احادیث سے استدلال کرتے ہوئے قیمتوں کی تعیین کو خلافِ شریعت بتانا صحیح نہیں۔

اس موضوع پر امام ابن تیمیہ نے سیر حاصل بحث کی ہے جس کے بعض اقتباسات ہم ذیل میں درج کریں گے۔ وہ لکھتے ہیں:

> "مسلم نے اپنی صحیح میں معمر بن عبداللہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ احتکار صرف غلط کار آدمی کرتا ہے، محتکر وہ ہے جو ایسے غلے خریدتا ہے جن کے لوگ ضرورت مند ہوتے ہیں تاکہ انھیں لوگوں کی دسترس سے باہر کر کے روکے رہے اور عوام کے لیے ان کے نرخ گراں ہو جائیں۔ ایسا آدمی خریدار عوام پر ظلم کا مرتکب ہوتا ہے۔ اس وجہ سے صاحبِ امر کو یہ اختیار حاصل ہے کہ جب عوام کو ان اشیاء کی ضرورت ہو تو ایسے (تاجر) لوگوں کو اپنا مال قیمتِ مثل پر فروخت کرنے پر مجبور کرے۔ مثلاً کسی آدمی کے پاس گیہوں ہو جس کی اسے خود ضرورت نہ ہو اور عوام کو سخت احتیاج ہو تو اس آدمی کو اس بات پر مجبور کیا جائے گا کہ اسے عوام کے ہاتھوں قیمتِ مثل[1] پر فروخت کرے۔ اسی بنا پر فقہاء نے یہ کہا ہے کہ جو شخص (بقائے حیات کے لیے) دوسرے شخص کے غذائی سامان کا محتاج ہو وہ اسے قیمتِ مثل کے عوض

---

[1]: یعنی کھلے بازار میں اس چیز کی عام قیمت (صدیقی)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بغیر اس فرد کی رضامندی کے، لے سکتا ہے۔ اگر سامان کا مالک بازار کے نرخ سے زیادہ پر فروخت کرنے پر اصرار کرے تو بھی وہ صرف بازار کے نرخ کے مطابق قیمت پانے کا مستحق ہوگا۔

اس بحث سے واضح ہوا کہ بعض نرخ ظالمانہ ہوتے ہیں جو کسی طرح جائز نہیں، اور بعض عادلانہ اور جائز ہوتے ہیں۔ اگر نرخ کی تعیین سے لوگوں پر ظلم، اور انہیں ایک ایسی قیمت پر اپنا مال فروخت کرنے پر مجبور کرنا لازم آتا ہو، جس پر وہ راضی نہیں، یا ان کو کسی ایسے کام سے روکنا لازم آتا ہو جو اللہ نے ان کے لیے مباح قرار دیا ہے تو ایسا نرخ مقرر کرنا حرام ہوگا۔ اس کے برعکس جب نرخ کی تعیین سے عوام کے درمیان عدل قائم ہوتا ہو، مثلاً انہیں کسی ایسی چیز کو ثمن مثل کے عوض فروخت کرنے پر مجبور کیا جا رہا ہو جس کا فروخت کرنا ان پر واجب ہے، یا ان کو عوض مثل سے زیادہ وصول کرنے سے روکا جا رہا ہو، جبکہ یہ اضافہ ان کے لیے حرام ہے۔ تو ایسا نرخ مقرر کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ واجب ہے۔

تعیین نرخ کی پہلی قسم کی مثال انس کی روایت میں ملتی ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نرخ گراں ہو گئے تو لوگوں نے کہا کہ اے رسول خدا آپ ہمارے لیے نرخ مقرر فرما دیجئے (تو اچھا ہوتا) آپ نے جواب دیا کہ اللہ ہی تنگی پیدا کرنے والا، فراخی پیدا کرنے والا، رزق عطا کرنے والا، اور نرخ مقرر کرنے والا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ خدا کے حضور اس حال میں جاؤں کہ کوئی فرد مجھ سے کسی ایسے ظلم کا بدلہ چاہنے والا نہ ہو جو میں نے اس پر مال یا جان کے سلسلہ میں کیا ہو۔ اسے ابوداؤد نے اور ترمذی نے روایت کیا ہے[۱] اور (ترمذی نے) اسے صحیح قرار دیا ہے۔ جب لوگ معروف طریقہ کے مطابق اپنی تجارتی اشیاء

---

[۱]: یہ حدیث اوپر نقل کی جا چکی ہے۔ (صدیقی)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فروخت کر رہے ہوں، کسی طرح کا ظلم خود نہ کر رہے ہوں، مگر نرخ اس شے کی قلت یا اس کے طلب گار آدمیوں کی کثرت کی بنا پر گراں ہو جائیں تو یہ معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے، اور اس صورتِ حال میں خلقِ خدا کو اس بات کا پابند بنانا کہ وہ ان اشیاء کو مقررہ قیمتوں ہی پر فروخت کریں ناحق جبر کرنا ہے۔

(تعیینِ نرخ کی) دوسری قسم کی مثال یہ ہے کہ اشیاءِ تجارت کے مالک عوام کے ان اشیاء کے ضرورت مند ہونے کے باوجود انھیں معروف قیمتوں سے زیادہ دام لیے بغیر فروخت کرنے پر آمادہ نہ ہوں۔ اس صورت میں ان (تاجروں) پر ان اشیاء کو قیمتِ مثل کے عوض فروخت کرنا واجب ہے۔ تسعیر کے معنی صرف اتنے ہیں کہ ان تاجروں کو 'قیمتِ مثل' کا پابند بنایا جائے۔ کیونکہ ان پر اس چیز کا التزام واجب ہے جس کو اللہ نے ان کے اوپر لازم کیا ہے۔

اس سے سنگین صورتِ حال وہ ہے جبکہ رواج یہ ہو کہ گیہوں یا دوسری اشیاء صرف چند جانے بوجھے افراد ہی فروخت کر سکتے ہوں۔ یہ اجناس (جب بیرونی علاقوں سے آتی ہوں تو) صرف ان ہی لوگوں کے ہاتھ فروخت کی جاتی ہوں، پھر صرف یہی لوگ انھیں (مقامی بازار میں) فروخت کرتے ہوں۔ اگر ان کے علاوہ دوسرے افراد یہ اشیاء فروخت کرنا چاہیں تو انھیں ایسا کرنے سے روک دیا جاتا ہو۔ یہ ممانعت یا تو ظلم پر مبنی ہوتی ہے، اور اور اس وجہ سے کی جاتی ہے کہ تاجروں سے کچھ محصول وصول کیا جاتا ہے، یا ظلم پر نہیں مبنی ہوتی بلکہ انتشار اور خرابی کے ازالہ کے لیے کی جاتی ہے جو وہاں (آزادانہ خرید و فروخت سے) پیدا ہو سکتی ہے۔ ایسی صورت میں ان تاجروں کے لیے نرخ مقرر کرنا واجب ہے، تاکہ وہ اپنے مال صرف قیمتِ مثل پر فروخت کریں اور (مخصوص فروش تاجر) لوگوں سے مال قیمتِ مثل پر خریدیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس مسئلہ میں کسی عالم کو ذرا بھی اختلاف نہیں۔ کیونکہ جب ان مخصوص تاجروں کے علاوہ باقی افراد کو ان اشیاء کی خرید و فروخت سے روک دیا گیا ہو تو اگر ان تاجروں کو اس بات کی اجازت دے دی جائے کہ ان اشیاء کو اپنی مرضی کے مطابق جن قیمتوں پہ چاہیں فروخت کریں اور جن قیمتوں پہ چاہیں خریدیں تو یہ اجازت دو لحاظ سے خلقِ خدا پہ ظلم کے ہم معنی ہو گی ——— ان (باہر سے مال لانے والے) تاجروں پہ ظلم جو ان اشیاء کو فروخت کرنا چاہتے ہیں، اور ان (مقامی تاجروں) پہ جو ان اشیاء کو ان سے خریدنا چاہتے ہیں۔

جب کسی ظلم کا پوری طرح دفع کرنا ممکن نہ ہو تو فرض یہ ہے کہ اس حد تک اس کا ازالہ کر دیا جائے جس حد تک ممکن ہو۔ ایسی شکلوں میں تسعیر بلا کسی اختلاف کے واجب ہے۔ اس تسعیر کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ ان لوگوں کو اس بات کا پابند بنا دیا جائے کہ مال کی خرید و فروخت قیمتِ مثل کے مطابق کریں۔ ایسا کرنا شریعت میں بہت سے مواقع پہ واجب کیا گیا ہے۔ جس طرح بغیر کسی حق کے فروخت کرنے پہ مجبور کرنا جائز نہیں اسی طرح حق کی بنا پہ فروخت کرنا متعدد مواقع پہ درست ہے۔ مثلاً واجب الاداء قرض کی ادائیگی کے لیے (مقروض کے) مال کی فروخت میں، یا لازمی نفقہ کی ادائیگی میں۔ اس بات پہ مجبور کرنا کہ فروخت صرف قیمتِ مثل پہ کی جائے۔ صرف اس شکل میں جائز ہے جب کسی حق کی بناء پہ ایسا کیا جائے۔ ایسا کرنا متعدد شکلوں میں جائز ہے۔ مثلاً جب کوئی فرد کسی دُوسرے فرد کے سامانِ غذا کا اپنی جان بچانے کے لیے) ضرورت مند ہو، اور اس درخت یا عمارت کے سلسلہ میں جو دُوسرے کی مملوکہ زمین میں کسی فرد نے قائم کر رکھی ہو۔ چنانچہ اس شکل میں زمین کے مالک کو اختیار ہے کہ اس (درخت یا عمارت) کو قیمتِ مثل کے عوض حاصل کر لے۔ نہ کہ اس سے زیادہ پہ۔ اس کے نظائر بکثرت ملتے ہیں۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص کسی غلام

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں سے اپنا مملوکہ حصّہ آزاد کرے، اور اس کے پاس پورے غلام کی قیمت کے مساوی مال ہو، تو اس غلام کی ٹھیک ٹھیک قیمت لگا کر اس کے شرکاء کو ان کے حصّوں کی قیمت ادا کر دی جائے گی (اور دیوے) غلام کو اس شخص کی طرف سے آزاد کر دیا جائے گا۔ بصورتِ دیگر (یعنی اگر خود اس شخص کے پاس اتنا مال نہ ہو تو) غلام کا اتنا ہی حصّہ آزاد ہوگا جتنا کہ آزاد کیا گیا ہے۔

اسی طرح جس شخص پر عبادات کی ادائیگی کے لیے کسی چیز کا خریدنا واجب ہو، مثلاً حج کے وسائل، آزاد کرنے کے لیے غلام، طہارت کے لیے پانی، تو اس پر لازم ہے کہ اس چیز کو قیمتِ مثل ادا کر کے خرید ے، اسے اس بات کا اختیار نہیں کہ اگر اس کی مرضی کے (اندازہ نرخ) نرخ پر وہ چیز نہ مل سکے تو خریدنے سے انکار کر دے۔ اس اصول کا اطلاق اس فرد کے لیے کھانے پینے یا لباس کی فراہمی پر ہوگا جس کا نفقہ کسی شخص پر واجب ہو۔ جب ایسا کھانا یا کپڑا ثمنِ مثل کے عوض مل سکتا ہو جو اس فرد کے لیے، عرفِ عام کے مطابق، مناسب ہو تو اس شخص کو یہ اختیار نہیں کہ اس سے فروتر معیار کی اشیاء کی طرف توجہ کرے تاکہ انھیں اپنی مرضی کے مطابق (کم داموں پر) خرید کر اس فرد پر صرف کرے۔ اس کی نظیریں بھی بکثرت ہیں۔

اسی اصول کی بنیاد پر متعدد فقہاء مثلاً ابو حنیفہؒ اور ان کے رفقاء نے ان بٹوارہ کرنے والوں کو باہم اشتراک کر کے انجمن بنا لینے سے منع کیا ہے جو عوام کی غیر منقولہ املاک وغیرہ کے بٹوارہ کا کام اُجرت لے کر کرتے ہوں۔ کیونکہ جب یہ اشتراک کر لیں گے تو، چونکہ عوام ان کی خدمات کے محتاج ہوں گے، یہ اُن سے زیادہ اُجرت طلب کریں گے۔ ظاہر ہے کہ اُن تاجروں پر پابندی (ان بٹوارہ کرنے والوں پر پابندی سے) زیادہ ضروری ہے جو باہم اشتراک کر کے یہ طے کر لیں کہ مال کو اپنی طے کی ہوئی قیمتوں ہی پر فروخت کریں گے۔ یہی حکم ان خریداروں پر پابندی عائد کرنے کا ہے جو خریدنے کے سلسلہ میں باہم اشتراک

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کریں تاکہ (فروخت کرنے والے) لوگوں کا مال ہضم کر سکیں۔ ان پر بھی پابندی (مذکورہ بالا شکل میں پابندی سے) زیادہ ضروری ہے۔ چنانچہ جب افراد کا کوئی گروہ جو کسی خاص چیز کو خریدتا یا فروخت کرتا ہو باہم یہ معاہدہ کرے کہ خریدنے میں زیادتی کرے گا اور لسے (خریدنے کی) معروف قیمتِ مثل سے کم پر خریدے اور (بیچنے کی) معروف ثمنِ مثل سے زیادہ پر فروخت کرے اور اس طرح اپنے خریدے ہوئے مال پر بیش از بیش نفع حاصل کرے، تو یہ طرزِ عمل اس سے بڑا ظلم ہے جو تلقی سلع، یا بیع الحاضر للبادی، یا نجش[۱] میں پایا جاتا ہے۔ یہ لوگ اس بات پر باہم اشتراک کرتے ہیں کہ عوام پر ظلم کریں گے تاکہ عوام ان کے مال کو ثمنِ مثل سے زیادہ داموں پر خریدنے اور (اس سے کم داموں پر) فروخت کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ عوام ان اشیاء کی خرید و فروخت پر مجبور ہیں۔ جس چیز کی خرید و فروخت کے سارے عوام ضرورت مند ہوں اس کے سلسلہ میں یہ لازمی ہے کہ وہ ثمنِ مثل ہی پر فروخت کی جائے، کیونکہ ان اشیاء کی خرید و فروخت کی ضرورت عام ہے[۲]۔

اس کے بعد امام موصوف نے ان صنعتی اور زرعی کاموں کا ذکر کیا ہے جو انسانی زندگی کی بنیادی ضرورتوں کی تکمیل کا سامان پیدا کرتے ہیں، اور متعدد فقہا کا حوالہ دیتے ہوئے یہ واضح کیا ہے کہ یہ صنعتیں فرض کفایہ ہیں۔ اس کے بعد لکھتے ہیں:

"حاصل بحث یہ ہے کہ یہ سارے کام جو فرض کفایہ ہیں انھیں جب ایک فرد کے علاوہ کوئی دوسرا نہ انجام دے رہا ہو تو یہ اس فرد پر فرض عین ہو جاتے ہیں۔ بالخصوص ایسی صورت میں جبکہ دوسرے افراد اس کو کرنے سے معذور ہوں۔ چنانچہ جب عوام الناس کسی مجموعۂ افراد کی کاشتکاری، کپڑا بُننے یا مکان تعمیر کرنے کی خدمات کے محتاج ہوں تو یہ کام واجب ہو جاتا ہے۔ اور اگر متعلقہ

---

[۱]: قیمت بڑھانے کے لیے بولی بولنا اگرچہ خریدنے کا ارادہ نہ ہو۔ (صدیقی)

[۲]: ابن تیمیہ: الحسبہ فی الاسلام۔ صفحہ ۱۴-۱۷، المطبع مؤید یہ مصر ۱۳۱۸ھ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

افراد اسے کرنے سے گریز کریں تو صاحبِ امر ان کو ان کے کرنے پر مجبور کرے گا۔ ان کو یہ اختیار نہ ہو گا کہ عوام سے (اپنی خدمات کے عوض) ثمنِ مثل سے زیادہ اُجرت کا مطالبہ کریں۔ اس طرح عوام کو اس بات کا موقع نہ دیا جائے گا کہ وُہ ان لوگوں پر ظلم کریں اور ان کو ان کے حق سے کم اُجرت دیں[۱]۔"

"اس گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ صاحبِ امر اگر صنعت کاروں کو ان کاموں کے کرنے پر مجبور کرے جن کی عوام کو ضرورت ہو، مثلاً کاشتکاری، بُن کری، اور تعمیرِ عمارت، تو وُہ اُجرتِ مثل کو معیارِ معاوضہ بنائے گا۔ مستاجر کو اس بات کا موقع نہ دے گا کہ صنّاع کو اس سے کم اُجرت دے، نہ صنّاع کو اس کی اجازت دے گا کہ وُہ اس سے زیادہ اُجرت طلب کرے، کیونکہ اس پر اس کام کا کرنا واجب ہے۔ ایسے مواقع پر تسعیر واجب ہے۔ اور اسی طرح اس صورتِ حال میں بھی (تسعیر واجب ہے) جب عوام کو ایسے لوگوں کی (خدمات کی) ضرورت ہو جو ان کے لیے آلاتِ جہاد، اسلحہ، پُل وغیرہ بنائیں۔ ان لوگوں سے اُجرتِ مثل پر کام لیا جائے گا۔ نہ تو کام لینے والوں کو اس کا موقع دیا جائے گا نہ کام کرنے والوں کو اس کی اجازت دی جائے گی کہ وہ، ایسے موقع پر جب کہ ان کی ضرورت ہے، اپنے حق سے زیادہ اُجرت کا مطالبہ کریں۔ یہ خدمات کے سلسلہ میں تسعیر کی مثال ہے۔ اشیاء کے سلسلہ میں تسعیر کی مثال یہ ہے کہ اگر عوام کو جہاد کے لیے ہتھیاروں کی ضرورت ہو تو ہتھیاروں کے تاجروں پر واجب ہے کہ انھیں عوضِ مثل پر فروخت کریں۔ ان کو اس بات کا موقع نہیں دیا جائے گا کہ وہ اپنے ہتھیاروں کو روکے رہیں۔ یہاں تک کہ دشمن غالب آ جائے۔ یا ان کو ہتھیاروں کی من مانی قیمتیں ادا کی جائیں[۲]۔"

---

[۱]: الحسبۃ فی الاسلام۔ صفحہ ۱۹

[۲]: " " " " ۔ صفحہ ۲۲-۲۳

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تسعیر کے جواز پر مزید بحث اور اس کی چند اور مثالیں دینے کے بعد لکھتے ہیں:

"تسعیر کے بارے میں علماء کے درمیان اختلاف دو مسئلوں میں ہے۔ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ جب عام نرخ گراں ہوں اور کوئی تاجر یہ چاہے کہ اپنے مال کو اس سے زیادہ گراں نرخ پر فروخت کرے تو امام مالک کے مسلک کے مطابق اسے بازار میں ایسا کرنے سے روک دیا جائے گا۔ کیا اُس تاجر کو بھی روک دیا جائے گا جو بازار نرخ سے کم داموں پر فروخت کرنا چاہے؟ اس کے بارے میں مالکیہ کے یہاں دو رائیں ہیں۔ امام شافعی اور امام احمد کے رفقاء مثلاً ابوحفص عبکری، قاضی ابویعلیٰ، ابوجعفر شریف، ابوالخطاب، اور ابن عقیل وغیرہ ایسا کرنے سے منع کرتے ہیں۔ امام مالک اپنی دلیل اس حدیث کو بناتے ہیں جو انہوں نے اپنی مؤطا، میں بروایت یونس بن سیف، بروایت سعید بن مسیّب روایت کی ہے کہ عمر بن الخطاب کا گذر حاطب بن بلتعہ کے پاس سے ہوا جو بازار میں منقّی فروخت کر رہے تھے۔ حضرت عمر نے ان سے کہا کہ یا تو تم نرخ میں اضافہ کر دو یا ہمارے بازار سے اُٹھ جاؤ۔ امام شافعی اور ان کی موافقت کرنے والے حضرات نے اس کے جواب میں ایک دوسری روایت پیش کی ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ ہم سے دراوردی نے بروایت داؤد بن صالح التمار، بروایت قاسم بن محمد، بروایت عمر یہ حدیث بیان کی ہے کہ آپؓ کا گذر سوقِ مصلّٰی میں حاطب کے پاس سے ہوا۔ ان کے سامنے منقّے کی دو بوریاں تھیں۔ آپ نے ان سے اس کا نرخ دریافت کیا۔ انہوں نے اس کا نرخ دو مُدّ فی درہم بتایا۔ حضرت عمر نے ان سے کہا: کہ مجھے خبر ملی ہے کہ طائف سے ایک تجارتی قافلہ منقّی لے کر آ رہا ہے۔ ان کی نظر تمہارے نرخ پر ہے۔ لہٰذا یا تو تم اپنا نرخ اُونچا کر دو یا اپنے منقّے کو اپنے گھر میں رکھو اور وہاں سے) اسے جس دام پر چاہو فروخت کرو۔ جب حضرت عمر وہاں سے واپس آئے تو انہوں نے اپنا محاسبہ کیا اور پھر حاطب کے یہاں ان کے گھر میں گئے اور ان سے فرمایا کہ میں نے تم سے جو بات کہی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھی وہ نہ میرے بیے کسی خاص علم پر مبنی ہے نہ فیصلہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ وُہ ایک بات تھی جس سے میرا منشار باشندگانِ ملک کی خیر خواہی تھا۔ لہٰذا تم جہاں چاہو فروخت کرو اور جس دام پر چاہو فروخت کرو۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ اس حدیث کا منشاء اس حدیث کے خلاف نہیں جو مالک نے روایت کی ہے لیکن انھوں نے، یا ان سے روایت کرنے والوں نے، حدیث کا صرف ایک حصّہ بیان کیا ہے اور یہ راوی حدیث کا، ابتدائی اور آخری، پورا بیان پیش کرتا ہے۔ میں اسی حدیث کے مطابق رائے رکھتا ہوں، کیونکہ ہر آدمی اپنے مال کا مختار ہے۔ کسی دوسرے شخص کو یہ حق نہیں کہ اُسے یا اُس میں سے کسی حصّہ کو اس کے مالک کی رضامندی کے بغیر لے سکے، بجز ان صورتوں کے جن میں مالک پر اپنا مال دینا لازم ہو، اور یہ صورت اِن صورتوں میں سے نہیں ہے۔"

"مالک کی رائے کی تائید ابو الولید باجی نے بھی کی ہے، جن کے نزدیک بازار نرخ سے کم داموں پر مال فروخت کرنے والوں کو جس نرخ پر فروخت کرنے کا حکم دیا جائے گا وُہ وُہ نرخ ہے جس پر جمہور تاجرین اپنے مال فروخت کر رہے ہوں۔ جب ایک یا چند تاجر بازار کے بھاؤ سے کم داموں پر مال فروخت کر رہے ہوں تو ان کو جمہور تاجرین کا نرخ اختیار کرنے کا حکم دیا جائے گا۔ کیونکہ ہر صورت میں لحاظ جمہور کی حالت کا کیا جائے گا اور اسی کو معیار بنا کر اشیاء کی قیمتیں لگائی جائیں گی"[۱۵]

"تسعیر سے متعلق دوسرا مسئلہ جس میں علماء کے درمیان اختلاف ہے یہ ہے کہ اگر بازار کے تاجر اپنے فرائض ادا کر رہے ہوں تو ان کے لیے قیمت کی کوئی ایسی حد نہیں مقرر کی جائے گی جس سے یہ لوگ تجاوز نہ کر سکتے ہوں ایسا کرنے سے جمہور علماء نے منع کیا ہے، یہاں تک کہ امام مالک نے خود، اپنی روایت کے مطابق جو زیادہ مشہور ہے یہی کہا ہے۔ اس کی ممانعت ابنِ عمر، سالم اور

---

۱۵ : ابنِ تیمیہ : الحسبہ فی الاسلام۔ صفحہ ۲۵ - ۲۶

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

قاسم بن محمد سے بھی منقول ہے۔ لیکن ابوالولید (باجی) نے سعید بن مسیب اور ربیعہ بن عبدالرحمٰن سے یہ روایت کیا ہے کہ وہ ایسا کرنے کی گنجائش سمجھتے ہیں، مگر ابوالولید نے ان کے الفاظ نہیں نقل کیے ہیں۔ اشہب نے امام مالک سے یہ قول روایت کیا ہے کہ "بازار کا نگران قصابوں کے لیے نرخ مقرر کر دے گا۔ بھیڑ کا گوشت (ایک درہم میں) ایک تہائی رطل اور اونٹ کا نصف رطل (وہ اسی نرخ پر فروخت کریں) ورنہ بازار سے نکل جائیں۔" (اشہب نے) کہا ہے کہ اگر بازار کا نگران ان کی قیمتِ خرید کا لحاظ کرتے ہوئے نرخ مقرر کرے تو کوئی حرج نہیں، لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ قصاب بازار چھوڑ دیں گے۔ یہ رائے رکھنے والوں کی دلیل یہ ہے کہ عوام کی مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ (قصابوں کو) ان کے لیے نرخ گراں کرنے اور خرابی پھیلانے سے روک دیا جائے گا۔ تاجروں کو فروخت کرنے پر مجبور نہیں کیا جائیگا بلکہ ان قیمتوں سے مختلف قیمتوں پر فروخت کرنے سے روک دیا جائیگا جنہیں صاحب امر خریداروں اور فروخت کنندگان دونوں کے مصالح کا لحاظ رکھتے ہوئے مقرر کرے گا۔ فروخت کنندہ کو نفع سے بکسر محروم نہ کیا جائے گا، نہ اسے اتنا نفع حاصل کرنے کا موقع دیا جائے گا جو عوام کے لیے باعثِ ضرر ہو۔ جمہور علماء نے (اس کے خلاف) اپنی رائے کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی اس حدیث کو بنایا ہے جو اوپر گذر چکی ہے . . . . ان حضرات کا کہنا یہ ہے کہ لوگوں کو ایسی چیز کی فروخت پر مجبور کرنا جس کی فروخت ان پر واجب نہ ہو، یا کسی ایسے کام سے روک دینا جو شرعاً ان کے لیے مباح ہو، ظلم ہے، اور ظلم حرام ہے۔

جن حضرات نے نرخ مقرر کرنے کو جائز قرار دیا ہے ان کے نزدیک اس کا طریقہ یہ ہوگا۔ ابنِ حبیب نے لکھا ہے کہ امام کو چاہیے کہ اس چیز کے بازار کے بڑے بڑے تاجروں کو جمع کرے، اور ان کے بیان کی صداقت معلوم کرنے کے لیے کچھ دوسرے لوگوں کو بھی بلائے، پھر ان سے دریافت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرے کہ وہ مال کو کن داموں پر خریدتے ہیں اور کن داموں پر اسے فروخت کرتے ہیں۔ پھر ان کو (بحث و گفتگو کے ذریعہ) ایک ایسے نرخ پر (مال فروخت کرنے پر) آمادہ کرنے کی کوشش کرے جس میں ان کا اور عوام الناس دونوں کا بھلا ہو۔ تا آنکہ وہ راضی ہو جائیں۔ قیمت کی تعیین میں ان پر جبر سے نہیں کام لیا جائے گا بلکہ یہ کام ان کی رضامندی سے کیا جانا چاہیے۔ ابن حبیب نے کہا ہے کہ جس نے بھی تسعیر کی اجازت دی ہے اسی طریقہ پر اجازت دی ہے۔ ابوالولید (باجی) نے کہا ہے کہ اس طریقہ (کے مناسب ہونے) کی وجہ یہ ہے کہ اس طرح فروخت کنندگان اور خریداروں دونوں کے مصالح کا تحفظ عمل میں آتا ہے۔ اس طرح فروخت کنندگان کو اتنا نفع لینے کا موقع دیا جاتا ہے جس سے ان کا کاروبار چل سکے[1]، اور وہ عوام الناس کے لیے بھی گراں بار نہ ہو۔ اگر تاجروں کی مرضی کے خلاف ایسے نرخ مقرر کر دیے گئے جس کے نتیجہ میں ان کے لیے کچھ بھی نفع نہ بچتا ہو تو قیمتیں گڑبڑ ہو جائیں گی۔ غذائی سامان کو چھپایا جائے گا، اور عوام کا مال (جو بازار میں گراں تر نرخ پر خریداری کے سبب) ضائع ہوگا۔

"یہ ہے وہ مسئلہ جس کے بارے میں علماء کے درمیان اختلاف ہے۔

رہی وہ صورت جس میں تاجر ایسی چیزوں کی فروخت سے گریز کریں جن کا فروخت کرنا ان پر واجب ہو تو اس صورت میں ان کو واجب کی ادائیگی کا حکم دیا جائے گا اور اس کے نہ کرنے پر سزا دی جائے گی۔ یہی حال اس تاجر کا ہے جس پر اپنے مال کو ثمن مثل کے عوض فروخت کرنا واجب ہو اور وہ ایسا کرنے سے گریز کرے اور بغیر زیادہ دام لیے فروخت کرنے پر تیار نہ ہو۔ بلاشک وشبہ اس صورت میں اس تاجر کو واجب کی تعمیل کا حکم دیا جائے گا اور اس کی خلاف ورزی پر اسے سزا دی جائے گی۔"

---

[1] مافہوم مبہم۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"جو شخص تسعیر کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے استدلال کرتے ہوئے مطلقاً ممنوع قرار دیتا ہے وہ غلطی کرتا ہے "اللہ ہی تنگی پیدا کرنے والا، فراخی پیدا کرنے والا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ خدا کے حضور اس حال میں جاؤں کہ تم میں سے کوئی مجھ سے اپنی جان یا مال پر کیے ہوئے ظلم کا بدلہ نہ طلب کرنے والا ہو" کیونکہ یہ ایک مخصوص (صورت حال سے متعلق) فیصلہ ہے نہ کہ ایک عام حکم۔ اس حدیث میں یہ نہیں بتایا گیا ہے کہ کسی فرد نے کسی ایسی چیز کی فروخت سے انکار کر دیا تھا جس کی فروخت اس پر واجب تھی، یا کسی ایسے کام کے کرنے سے انکار کیا تھا جس کا کرنا اس پر واجب تھا۔ یا یہ کہ اس نے اس (چیز یا کام کے معاوضہ) کے سلسلہ میں عوض مثل سے زیادہ کا مطالبہ کیا تھا"[۱]

اس کے بعد امام ابن تیمیہ نے یہ لکھا ہے کہ مدینہ میں صرف تھوڑا جو پیدا ہوتا تھا گیہوں اور زیادہ تر دوسری اجناس باہر سے درآمد کی جاتی تھیں۔ غلہ کے تاجر کچھ متعین افراد نہ تھے جن کے سامانِ تجارت کے عوام ضرورت مند قرار دیے جا سکتے۔ ایسی صورت میں غلہ کے تاجروں کو نہ تو فروخت کرنے پر مجبور کیا جا سکتا تھا نہ کسی متعین قیمت پر فروخت کرنے پر مجبور کرنا مناسب تھا۔[۲]

پھر امام موصوف نے تسعیر کی جائز شکلوں کی نظیریں سنت سے پیش کی ہیں جن کی طرف اجمالی اشارے اوپر کے اقتباسات میں موجود ہیں۔ آپ نے بجا طور پر یہ نتیجہ نکالا ہے کہ عام ضرورت کی چیزوں کو بوقتِ ضرورت ثمنِ مثل پر فروخت کرنے کی پابندی عائد کر دینا ان نظائر کی روشنی میں بدرجۂ اولیٰ ثابت ہے[۳]۔ چند ایسے حالات بیان کرنے کے بعد جن میں قیمتیں مقرر کر دینا نہ صرف جائز بلکہ ضروری اور مناسب ہوگا۔ امام موصوف نے یہ بحث

---

[۱]: ابن تیمیہ: الحسبۃ فی الاسلام، صفحہ ۲۷-۲۹

[۲]: 〃 : 〃 〃 ۲۹-۳۰

[۳]: 〃 : 〃 〃 ۳۰

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس نتیجہ پر ختم کی ہے کہ:

"جب عوام الناس کی ضرورت قیمتوں کی منصفانہ تعیین کے بغیر پوری نہ ہو سکتی ہو تو ان کے لیے ایسی قیمتیں مقرر کر دی جائیں گی جو عدل پر مبنی ہوں ۔۔۔ بغیر کسی کمی یا زیادتی کے"[۱]

علامہ ابن قیم نے بھی اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہے اور تقریباً انہی دلائل کی روشنی میں اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں۔[۲]

امام ابن تیمیہ کی اس تفصیلی بحث کا جس کے طویل اقتباسات ہم نے مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر اوپر نقل کیے ہیں، خلاصہ ذیل کے نکات ہیں:

۱۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے باوجود مطالبہ کے نرخ نہ متعین کرنے کی وجہ یہ تھی کہ جن حالات میں یہ مطالبہ کیا گیا تھا ان میں ایسا کرنا مناسب نہ تھا۔ چونکہ گرانی کے اسباب چند قدرتی عوامل تھے نہ کہ تاجروں کی نفع اندوزی، لہٰذا ان حالات میں تسعیر کرنا تاجروں پر ظلم ہوتا اور مفادِ عامہ کے لیے بھی مضر ہوتا۔

۲۔ تسعیر کے باب میں مروی احادیث سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہے کہ کسی حالت میں بھی اشیاء کے نرخ نہیں مقرر کیے جا سکتے۔

۳۔ یہ بات تمام فقہاءِ اسلام کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ جس فرد پر کسی چیز کو فروخت کرنا شرعاً واجب ہو اسے اس چیز کو ایک متعین قیمت (ثمن مثل) پر فروخت کرنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔

۴۔ اشیاءِ ضرورت کا احتکار کرنے والے تاجر، اور ایسے پیدا کنندگان یا تاجر جو اجارہ دارانہ حیثیت رکھتے ہوں۔ مذکورہ بالا اصول کے تحت آ جاتے ہیں۔

۵۔ عام ضرورت کی اشیاء جن تاجروں کے پاس ہوں ان کو اشیاء کو ایک متعین

---

[۱] : ابن تیمیہ : الحسبہ فی الاسلام، صفحہ ۳۷

[۲] : ابن قیم : الطرق الحکمیہ فی السیاسۃ الشرعیہ، صفحہ ۲۴۴ تا ۲۴۴، مطبعۃ الآداب والمؤید، مصر، ۱۳۱۷ھ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قیمت پر فروخت کرنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔ یہ قیمت اسی طرح متعینہ کی جانی چاہیے کہ ان تاجروں کو اپنی لاگت پر معروف شرح کے مطابق نفع بھی مل جائے۔

۶۔ مذکورہ بالا اصولوں کا اطلاق جس طرح اشیاء پر ہوتا ہے اسی طرح محنت اور دوسری خدمات پر بھی ہوتا ہے۔

۷۔ اس اصول کے تحت جس طرح خریداروں کو فروخت کنندگان کے ظلم اور ضرر رسانی سے بچانے کا اہتمام کیا جائے گا اسی طرح فروخت کنندگان کو خریداروں کی ضرر رسانی اور ظلم سے بچانے کا اہتمام بھی کیا جائے گا۔

۸۔ ریاست کو تسعیر کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ مصالح عامّہ اور ضرورت کی بنیاد پر کرنا چاہیے۔ یہ اقدام اسی صورت میں مناسب ہو گا جب مصالح کے تحفظ اور ضرورت کی تکمیل کے لیے ایسا کرنا ناگزیر ہو۔

تسعیر کے مسئلہ میں احناف نے بھی یہی رائے اختیار کی ہے کہ اگر مفادِ عامّہ کے تحفظ کے لیے ایسا کرنا ناگزیر ہو تو اشیاء کے نرخ مقرر کیے جا سکتے ہیں، جیسا کہ ہدایہ کی درج ذیل عبارت سے واضح ہے:

"سلطان کے لیے یہ مناسب نہیں کہ لوگوں کو متعین قیمتوں کا پابند بنائے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "قیمت نہ مقرر کرو کیونکہ اللہ ہی قیمت مقرر کرنے والا، تنگی پیدا کرنے والا، فراخی پیدا کرنے والا اور رزق عطا کرنے والا ہے" اور اس لیے کہ قیمت (دینا) عقد بیع کرنے والے کا حق ہے۔ لہٰذا اس کی تعیین وہی کر سکتا ہے۔ پس امام کو اس کے حق میں مداخلت نہیں کرنی چاہیے۔ بجز اس صورتِ حال کے جبکہ ضررِ عامّہ کا دفیعہ اس کا متقاضی ہو، جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے۔

جب یہ مسئلہ قاضی کے سامنے پیش کیا جائے تو وہ احتکار کرنے والے کو حکم دے گا کہ اس کی اور اس کے گھر والوں کی غذائی ضروریات سے جس کا اندازہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فراخی کے ساتھ کیا جائے گا، جو کچھ فاضل ہو اسے فروخت کر دے۔ اور قاضی اسے احتکار کرنے سے منع کرے گا۔ اگر دوبارہ اسی تاجر کو اس کے سامنے (اسی جرم میں) پیش کیا جائے تو وہ اسے قید کر دے گا اور ایسی سزا دے گا جو اس کو غلط کاری سے باز رکھنے کے لیے مناسب نظر آئے تاکہ عوام کی ضرر رسانی ختم ہو۔

اگر غلہ کے تاجر من مانی قیمتیں وصول کرتے ہوں اور (معقول) قیمت سے زائد دام وصول کرتے ہوں (و یتعدون عن القیمۃ تعدیا فاحشا) اور قاضی نرخ مقرر کرنے کے علاوہ کسی دوسرے طریقہ سے مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ نہ کر سکتا ہو تو ایسی صورت میں اہل رائے اور صاحب بصیرت افراد کے مشورہ سے قیمتیں مقرر کر دینے میں کوئی حرج نہیں۔"[۱]

ہدایہ کی شرح "عنایۃ" میں "تعدی فاحش" کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ:

"مثلاً یہ کہ ایک قفیز (گیہوں) کے دام سو درہم وصول کریں جبکہ اس کی قیمت خرید صرف پچاس درہم ہو، تو مسلمانوں کو ضرر سے بچانے کے لیے انہیں ایسا کرنے سے روک دیا جائے گا۔"[۲]

گویا صد فی صد نفع لینا ایسی نفع اندوزی کی ایک مثال ہے جسے عوام دشمن سرگرمی قرار دے کر اسلامی ریاست مداخلت کر سکتی ہے۔

اس موضوع پر فقہاء کی تصریحات سے جو اصول سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ تاجروں اور صناعوں کو لاگت پر نفع کی اس شرح سے زیادہ اضافہ کا حق نہیں جو عام طور پر متعلقہ مصنوعات یا اجناس میں لیا جاتا ہو۔ جو معروف ہو، یا جس کے مطابق جمہور تاجرین نفع لیتے ہوں۔ امام ابن تیمیہ کی محولہ بالا تحریر میں قیمت مثل سے مراد بھی کسی چیز کی وہ قیمت ہے جو اس جیسی چیز کے لیے اس زمانہ میں ایک عام معیار کی حیثیت رکھتی ہے اور عام طور پر وہ

---

[۱] : المرغینانی : ہدایہ جلد ۴ - باب الکراہیۃ۔

[۲] : اکمل الدین محمد بن محمد البابرتی (م ۷۸۶ھ) شرح العنایہ علی الہدایہ - باب الکراہیۃ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چیز اس قیمت پر خریدی یا فروخت کی جاتی رہی ہو۔ ہدایہ کی مندرجہ بالا عبارت میں بھی اسی معیاری یا عام (نارمل) قیمت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

یہ اصول ثابت ہو جانے کے بعد کہ شریعت بعض حالات میں اسلامی ریاست کو اشیاء اور خدمات کی قیمتوں کی تعیین کا اختیار دیتی ہے، یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کونسے حالات ہیں جن میں دورِ جدید کی ایک اسلامی ریاست کے لیے تسعیر کرنا مناسب ہو گا۔ اس کتاب میں ہم اس موضوع پر تفصیلی بحث نہیں کر سکتے۔ البتہ اوپر کی بحث سے یہ واضح ہے کہ اس اختیار کو مفادِ عامہ کے تحفظ اور عام ضروریاتِ زندگی کی بسہولت تکمیل کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔ تسعیر کا فیصلہ کرنے سے پہلے ضروری ہو گا کہ ان حالات کا تفصیلی تجزیہ کیا جائے جو گرانی کا سبب بنے ہیں۔ اور تسعیر کے معاشی نتائج کا ٹھیک ٹھیک اندازہ لگایا جائے۔ شریعت میں تسعیر کی اجازت ان حالات میں دی گئی ہے جس کا اثر بے جا نفع اندوزی پر پڑتا ہو۔ اگر کسی موقع پر تسعیر کے نتیجہ میں متعلقہ اشیاء کی پیداوار اور رسد کم ہو جانے کا اندیشہ ہو تو تسعیر کرنا مناسب نہیں ہو گا۔ اسی طرح اگر قیمتوں پر کنٹرول کی وجہ سے تاجر اور پیدا کنندگان نفع سے بالکل محروم ہو جائیں، یا ان کا نفع بازار میں نفع کی عام شرح سے بہت کم رہ جائے تو بھی ایسا کرنا مناسب نہ ہو گا اور مقرر کی جانے والی قیمتوں پر نظرِ ثانی ضروری ہو گی۔

ایک عام اصول کے طور پر صرف اتنی بات کہی جا سکتی ہے کہ تسعیر ان حالات میں مناسب ہے جب اشیاء کے نرخ کی گرانی کا سبب احتکار کرنے والوں یا اجارہ داروں کی نفع اندوزی ہو۔

بعض اوقات اشیاء بالخصوص غذائی اجناس اور دوسری زرعی پیداواروں کے نرخ اتنے ارزاں ہو جاتے ہیں کہ ان کے پیدا کنندگان کے مفاد کے تحفظ اور معیشت کے طویل المیعاد توازن کو برقرار رکھنے کے لیے ان اشیاء کی کم سے کم قیمت مقرر کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ ایسے حالات میں بھی تسعیر کی جا سکتی ہے۔ کیونکہ تسعیر کا باعث خریداروں کا مفاد بھی ہو سکتا ہے اور فروخت کنندگان کا مفاد بھی اور جب پوری معیشت کا مفاد یہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چاہتا ہو کہ پیدا کنندگان کو ایک خاص قیمت وصول ہونے کی ضمانت دی جائے تو بدرجہ اولیٰ ایسا کیا جا سکتا ہے۔

یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ قیمتیں مقرر کرنے کا طریقہ کیا ہو اور نرخ کن معیاروں کے مطابق مقرر کیے جائیں۔ اس سوال کا جواب بھی کسی مخصوص مقام اور زمانہ کے حالات کو سامنے رکھ کر ہی دیا جا سکتا ہے۔ اوپر کی بحث سے یہ اصول واضح ہو چکا ہے کہ نرخ مقرر کرنے میں اس بات کا پورا لحاظ رکھنا چاہیے کہ فروخت کنندگان کی نہ صرف لاگت پوری ہو جائے بلکہ انھیں اس شرح کے مطابق نفع بھی مل جائے جتنا کہ ان چیزوں پر عام طور پر متعارف ہے۔ دورِ جدید میں جبکہ ان امور کی بابت تفصیلی اعداد و شمار بآسانی فراہم کیے جا سکتے ہیں ایسا کرنے میں زیادہ دشواری نہ ہو گی۔ زیادہ تر صنعتی اشیاء کی ٹھیک ٹھیک لاگت معلوم کی جا سکتی ہے، اور نفع کی معروف شرح کا بھی کافی حد تک صحیح اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

فقہاء نے اس بات پر بھی زور دیا ہے کہ نرخ متعین کرنے میں اہل الرائے اور تاجروں سے مشورہ کر لیا جائے۔ ایسا کرنا بھی اس زمانہ میں زیادہ آسان ہے۔ پیدا کنندگان، تاجروں اور صارفین کے نمائندوں سے بآسانی مشورہ کیا جا سکتا ہے۔ اور جس حد تک مصالح اجازت دیں قیمتوں کی تعیین کے بارے میں فیصلہ کرتے وقت ان سے مدد لی جا سکتی ہے۔

جس اصول کے تحت اور جن حالات میں ریاست اشیاء کے نرخ مقرر کرنے کا اختیار رکھتی ہے۔ اس کا انطباق اُجرت اور معاوضوں پر بھی ہوتا ہے، کیونکہ اُجرت جنس محنت کی قیمت کا نام ہے۔ اس ذیل میں کم سے کم اجرت (Minimum Wages) کی تعیین خاصی اہمیت رکھتی ہے۔ محنت کی خرید و فروخت میں عموماً فروخت کنندہ یعنی مزدور کی حیثیت کمزور ہوتی ہے اور خریدار اس سے بے جا فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مزدور باہمی اتحاد کے ذریعہ حدِ اعتدال سے زیادہ اُجرت کا مطالبہ کریں۔ یہاں اُجرتوں کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر پر بحث کا موقع نہیں۔ صرف اس اصول پر زیادہ زور دینا مقصود ہے کہ اگر مصالح عامّہ کے تحفظ، مزدوروں کو ضرر سے بچانے اور سماج میں عدل و

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

توازن برقرار رکھنے کے لیے ناگزیر ہو تو اسلامی ریاست اُجرتوں کی تعیین کر سکتی ہے۔ یہی حال خدمات کے معاوضوں کا بھی ہے۔

کرایہ غیر منقولہ جائداد یا دیرپا سامان (Durable Goods) کے منافع اور فوائد کی قیمت ہے، یا ان کے حقِ استعمال کا معاوضہ ہے۔ دورِ جدید میں شہری علاقوں میں مکانات اور دوکانوں کے کرایوں کا مسئلہ زیادہ اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ اکثر مالکِ مکان لاگت اور اخراجاتِ مرمت یا اخراجاتِ فرسودگی (Depreciation)(Allowance) سے بہت زیادہ کرایوں کا مطالبہ کرتے ہیں اور بڑھتی ہوئی طلب سے فائدہ اٹھا کر بے جا نفع اندوزی کرتے ہیں۔ عام سطح سے زیادہ نفع جو طلب اور رسد کے باہمی توازن کے ذریعہ اشیاء کے نرخ (قیمت یا کرایہ) کی تعیین میں ایک اہم حصّہ ادا کرتا ہے، اس سلسلہ میں یہ عمل ادا کرنے سے اکثر قاصر رہتا ہے کیونکہ عموماً ایک محدود علاقہ میں مکانات یا دوکانوں کی رسد بے لچک ہو جاتی ہے۔ ایسے علاقوں میں جائداد رکھنے والوں کو اجارہ دارانہ حیثیت حاصل ہو جاتی ہے۔ اگر انھیں من مانے کرائے وصول کرنے کے لیے آزاد چھوڑ دیا جائے تو خلقِ خدا پر ظلم اور کرایہ داروں کو ضرر رسانی کی وہی مضرتیں پیدا ہو جائیں گی جن کے ازالہ کے لیے تسعیر کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ ایسے حالات میں اسلامی ریاست کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ ضرر کے ازالہ اور مفادِ عامہ کے تحفظ کے لیے کرایہ کی شرحیں مقرر کر دے۔

لگان زمین کا کرایہ ہے، اور اوپر کی گفتگو کا اطلاق اس پر بھی ہوتا ہے۔ زرعی زمینوں کے مالک اگر زمینوں کا لگان اتنا بڑھا دیں جس کی وہ زمینیں اپنی قوتِ پیداوار اور کاشتکار کے منصفانہ حقوق کے پیشِ نظر متحمل نہ ہو سکتی ہوں تو ریاست کو کاشتکاروں کا مفاد محفوظ کرنے کے لیے مداخلت کرنی چاہیے اور لگان کی منصفانہ شرحیں متعین کر دینی چاہئیں۔

اِسی اصول کے تحت یہ رائے بھی ظاہر کی جا سکتی ہے کہ اگر زرعی زمینوں کی قلت اور اس کے ضرورت مند کاشتکاروں کی کثرت کے سبب زمیندار مزارعت کا معاملہ کرنے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں اپنے لیے بیش از بیش حصے کا مطالبہ کرنے لگیں تو اسلامی ریاست کو اختیار ہو گا کہ وہ مداخلت کرے۔ کاشتکاروں کے مفادات کے تحفظ کے لیے وہ مزارعت کے معاملہ کو چند ایسی شکلوں تک محدود کر سکتی ہے جن میں کاشتکار کے مصالح نسبتاً زیادہ محفوظ ہوں، یا مزارعت کی مختلف شکلوں میں پیداوار کی اس زیادہ سے زیادہ نسبت کا تعین کر سکتی ہے جس کا زمیندار مطالبہ کر سکتے ہوں۔[۵]

اشیاء کے نرخ مقرر کرنے یا اجرت اور کرایہ کی شرحیں مقرر کرنے کا اصل منشاء حدِ اعتدال سے بڑھتی ہوئی نفع اندوزی کا سدِ باب ہوتا ہے۔ تسعیر کا اثر لاگت اور قیمت فروخت کے درمیانی فصل یعنی نفع پر پڑتا ہے۔ تسعیر دراصل شرح نفع کی تحدید یا تعیین کی ایک بالواسطہ شکل ہے۔ بعض حالات میں تسعیر کے منشاء کو حاصل کرنے کی زیادہ موزوں شکل یہ ہو سکتی ہے کہ براہِ راست شرح نفع کی تعیین کر دی جائے۔ بڑے پیمانہ کی صنعتوں مثلاً فولاد، پٹرول، کوئلہ وغیرہ پیدا کرنے والے کاروباری اداروں یا درمیانی درجہ کی صنعتوں مثلاً کپڑے اور شکر کے کارخانوں میں پیداوار کی ٹھیک ٹھیک لاگت معلوم کی جا سکتی ہے۔ اگر ضرورت متقاضی ہو تو عوام کو ایسے پیدا کنندگان کی ضرر رسانی سے بچانے کے لیے نفع کی شرح متعین کی جا سکتی ہے یا اس کی زیادہ سے زیادہ شرح مقرر کی جا سکتی ہے۔

یہاں ہم اس بحث میں نہیں داخل ہو سکتے کہ نفع کی 'معقول' یا 'اطمینان بخش' شرح کی تعیین کیسے کی جائے، اور نفع کب 'حدِ اعتدال' سے تجاوز کر کے 'بیجا نفع اندوزی' کی تعریف میں آجاتا ہے۔ اس بات کا فیصلہ کسی مخصوص مقام اور زمانہ میں متعلقہ صنعت کی ضروریات، دوسری صنعتوں میں نفع کی رائج شرح، صارفین اور پوری معیشت کے مجموعی مصالح، اور دوسرے متعلق امور کو سامنے رکھ کر ہی کیا جا سکتا ہے۔

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ دورِ جدید کی ایک اسلامی ریاست مفادِ عامہ کے تحفظ اور اجتماعی مصالح کی ترویج کے لیے ناگزیر حالات میں قیمتوں، اجرتوں، کرایوں لگان اور نفع کی شرحیں مقرر کر سکتی ہے۔

---

۵ : مزارعت کی جائز شکلوں پر چوتھے باب میں گفتگو کی جا چکی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان اقدامات کی ضرورت دورِ جدید میں کم ترقی یافتہ ممالک میں ترقی کے لیے منصوبہ بندی کے پس منظر میں نسبتاً زیادہ واقعی اور عملی ہے۔ ان ممالک میں ترقی کے عبوری دور کا ایک عام منظر یہ ہے کہ جس رفتار سے افراد کی آمدنیاں بڑھتی ہیں اس رفتار سے اشیاء مطلوبہ کی رسد نہیں بڑھتی۔ مروجہ قیمتوں کی مناسبت سے طلب و رسد کے اس عدمِ توازن کی بناء پر فروخت کنندگان کے لیے اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ ممکن ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر اس اضافہ کو عملی شکل اختیار کرنے کا موقع دیا جائے تو اس سے گوناگوں مفاسد پیدا ہوتے ہیں۔ اشیاء ضرورت کی گرانی کے ساتھ اُجرتوں کی شرح، خام اموال کے دام اور فی الجملہ مصنوعات کی لاگت میں اضافہ ضروری ہو جاتا ہے۔ لاگتوں اور اُجرتوں میں اضافہ کے سبب قومی آمدنی (باعتبارِ زر) میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ جس کا اثر مجموعی طلب پر پڑتا ہے۔ اس کے نتیجہ میں اشیاء کے نرخ اور گراں ہو جاتے ہیں۔ لاگتوں اور قیمتوں میں ایک دوسرے کے سبب اضافہ کا سلسلہ ایک مُفسدانہ چکر (Vicious Circle) کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اس سے ایک طرف تو سماج کے ان طبقوں کو نقصانِ عظیم ہوتا ہے جن کی آمدنیاں متعین ہوتی ہیں اور جلد تبدیلی کے قابل نہیں ہوتیں اور دوسری طرف پورے ترقیاتی منصوبہ کے اپنے مقصد میں ناکام رہ جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔

اس صورتِ حال کے پیشِ نظر دورِ جدید کے اکثر کم ترقی یافتہ ممالک اس بات کے لیے مجبور ہو جاتے ہیں کہ بنیادی ضرورت کی اشیاء بالخصوص غذائی اجناس اور کپڑے وغیرہ کی قیمتوں پر کنٹرول کریں۔ یہ اقدام عوام الناس کو جس ضرر اور مصیبت سے بچانے کے لیے کیا جاتا ہے وہ ضرر اور فساد کی ان مثالوں سے کہیں بڑھ کر ہیں جن کا ذکر اوپر فقہاء کی عبارتوں میں کیا جا چکا ہے۔

ایک اسلامی ریاست جسے کم ترقی یافتہ ملک میں ترقی کی جدوجہد سے عہدہ برآ ہونا ہو حتی الامکان ایسے طریقے اختیار کرے گی کہ، ضروری معاشی مقاصد کو مجروح کیے بغیر، مذکورہ بالا صورتِ حال نہ رُونما ہو، لیکن اگر ایسی صورتِ حال پیدا ہو جائے تو وہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عوام کو اس ضرر سے بچانے کے لیے تسعیر کا طریقہ استعمال کر سکتی ہے۔

ھ۔ مزید محاصل

مالک کی ذمہ داریوں پر گفتگو کرتے وقت ہم یہ واضح کر چکے ہیں کہ شرعی محاصل یعنی عشر و زکوٰۃ کسی صاحبِ مال پر اجماع کے دہ کم سے کم حقوق ہیں جو اس سے ہر صورت وصول کیے جائیں گے، اور بشرطِ ضرورت اس سے مزید مال کا مطالبہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ پھر اسلامی ریاست کی معاشی ذمہ داریوں پر روشنی ڈالتے وقت ہم یہ بتا چکے ہیں کہ ان ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لیے شرعی محاصل کے علاوہ مزید محاصل عائد کرنے کی ضرورت بھی پڑ سکتی ہے۔

مزید محاصل عائد کرنے کی ضرورت تین مختلف طریقوں سے پیدا ہو سکتی ہے۔ اوّلاً یہ کہ شرعی محاصل سے حاصل ہونے والی آمدنی ریاست کے بنیادی فرائض: دفاع اور جہاد فی سبیل اللہ، تعلیم و تربیت، دعوتِ اسلام، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، قیامِ عدل اور کفالتِ عامہ کے لیے ناکافی ہو۔ ثانیاً اس طور پر کہ اسلامی ریاست کو ملک کے معاشی تعمیر و ترقی اور خود اپنے مصارفِ حکمرانی پورے کرنے کے لیے مزید مال کی ضرورت ہو۔ اوپر ہم یہ واضح کر چکے ہیں کہ عشر و زکوٰۃ کی آمدنی کو مصارفِ حکمرانی پر نہیں خرچ کیا جا سکتا نہ اس سے فوج کے سپاہیوں، قاضیوں اور ججوں کے مشاہرے دیے جا سکتے ہیں۔ البتہ ان امور پر فئے اور خراج کی آمدنی صرف کی جا سکتی ہے۔ مزید محاصل عائد کرنے کی ضرورت ایک تیسری وجہ سے بھی پیش آ سکتی ہے۔ اسلامی ریاست کی یہ ذمہ داری ہے وہ معاشرہ کے اندر تقسیمِ دولت میں پائی جانے والی ناہمواری اور عدمِ توازن کو کم کرے اور ترف اور عیش کی زندگی کا سدِّ باب کرے۔ اس مقصد کی خاطر سماج کے ان افراد پر محاصل عائد کیے جا سکتے ہیں جن کے پاس بہت زیادہ دولت مرتکز ہو کر فساد

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پیدا کرنے کا سبب بن رہی ہو۔ اس ذیل میں دوسرے سیاسی اور سماجی مصالح کا بھی ذکر کیا جا سکتا ہے جن کے تحفظ کا ایک طریقہ مزید محاصل عائد کرنا بھی ہو سکتا ہے۔ ان مصالح میں سے بعض کا ذکر ہم آئندہ کریں گے۔

مذکورہ بالا اسباب کی بنا پر اسلامی ریاست کو اپنے شہریوں پر مزید محاصل عائد کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ اس اختیار کی شرعی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ ارشادات ہیں جن کو ہم پانچویں اور گیارھویں باب میں نقل کر چکے ہیں۔ ان ابواب میں ہم نے خلفائے راشدین کے بعض آثار بھی پیش کیے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ افراد سے اجتماعی ضروریات کی تکمیل کے لیے عشر و زکوٰۃ کے علاوہ مزید مال کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے۔

ابن حزم نے لکھا ہے کہ کفالت عامہ کے لیے اگر زکوٰۃ اور فئے کی آمدنی کافی نہ ہو تو مال دار افراد پر مزید محاصل عائد کیے جائیں گے:

"ہر ملک کے مال دار لوگوں پر فرض ہے کہ اپنے غریب لوگوں کی کفالت کریں۔ اگر زکوٰۃ کی آمدنی اور سارے مسلمانوں کی فئے اس کے لیے کافی نہ ہو تو سلطان ان کو ایسا کرنے پر مجبور کرے گا۔ ان (غریبوں) کے لیے اتنے مال کا انتظام کیا جائے گا جس سے کہ وہ بقدرِ ضرورت غذا حاصل کر سکیں، اور اس طرح جاڑے اور گرمی کا لباس، اور ایک ایسا مکان جو انہیں بارش، گرمی، دھوپ اور راہ گیروں کی نظروں سے محفوظ رکھ سکے۔"[1]

امام شاطبی نے مزید محاصل عائد کرنے کے مسئلہ پر قدرے تفصیلی بحث کی ہے:

"اگر ہم یہ مان لیں کہ ایک ایسے امام کو جس کی اطاعت واجب ہے، وسیع و عریض ملک کے دفاع اور سرحدوں کی ناکہ بندی کے لیے لشکروں میں اضافہ کی ضرورت ہے اور بیت المال خالی ہے، اور فوج کی ضروریات اتنی زیادہ ہیں کہ موجودہ مال اس کے لیے کافی نہیں، تو امام کو اس بات کا اختیار حاصل ہے بشرطیکہ وہ عادل ہو، کہ مال دار لوگوں پر اتنے محاصل عائد کر دے جس کی

---

[1] : ابن حزم: محلّی - جلد ۶، صفحہ ۱۵۶

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آمدنی اس وقت کی ضرورت کے لیے کافی ہو ــــــ تا آنکہ بیت المال میں مال آجائے۔ امام کو اس بات کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ محاصل پیداوار اور پھلوں پر عائد کیے جائیں تاکہ کسی مخصوص طبقہ پر محاصل عائد کرنے کا نتیجہ یہ نہ ہو کہ یہ لوگ متنفر ہو جائیں۔ یہ محاصل بہت سے لوگوں سے تھوڑا تھوڑا لینے کے اصول پر وصول کیے جائیں تاکہ کسی پر بھی ناقابلِ برداشت بار نہ پڑے اور مقصد حاصل ہو جائے۔

ابتدائی دور کے (فقہاء اور مفکرین اسلام) سے اس طرح کا کوئی قول اس لیے نہیں مروی ہے کہ ہمارے زمانہ کے برعکس ان کے زمانہ میں بیت المال میں بکثرت مال آتا تھا۔ ورنہ یہ مسئلہ بہت صاف ہے اور مصلحت کا تقاضا بالکل واضح ہے۔ کیونکہ اگر امام یہ طریقہ اختیار نہ کرے تو اس کی دھاک ختم ہو جائے گی اور ہمارے ملکوں کے کفار کے نرغے میں آجانے کا خطرہ لاحق ہو جائے گا۔ امام عادل کی قوت اور رُعب کا قائم رہنا کلیدی اہمیت کا حامل ہے۔ اگر یہ دھاک ختم ہو جائے تو جو عظیم مصیبتیں نازل ہوں گی ان سے باخبر لوگوں کے نزدیک ان مصیبتوں کے مقابلہ میں ان کے سارے مال کی کوئی حیثیت نہیں، کجا یہ کہ اس میں سے تھوڑے مال کو کوئی اہمیت دی جائے۔ اگر اس عظیم نقصان سے (جو دفاعی قوت بحال نہ رکھنے کے نتیجہ میں پیش آسکتا ہے) اس نقصان کا مقابلہ کیا جائے جو ان لوگوں سے ان کے مال کا ایک حصہ لے لینے کی وجہ سے ان کو پہنچتا ہے تو اس دوسرے طریقہ کو پہلی شکل پر ترجیح دینے میں کسی شبہہ یا تذبذب کی گنجائش نہیں رہتی۔ یہ ایک ایسی بات ہے جو نظیر دلیل اور دلائل پر غور کرنے سے پہلے ہی خود مقصدِ شریعت کی روشنی میں واضح ہے ....

www.KitaboSunnat.com

(مجوزہ طریقہ کی) مناسبت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ باپ اپنے بچے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے سلسلہ میں، سرپرست اپنے زیر نگرانی یتیم کے سلسلہ میں، یا کوئی بھی کفالت کرنے والا اس فرد کے سلسلہ میں جس کی وہ کفالت کر رہا ہو۔ اس بات کا ذمہ دار ہے کہ وہ طریقہ اختیار کرے جو اس کے لیے مفید ترین ہو۔ چنانچہ وہ اس کے مال کو ان مختلف مصارف اور ضروریات پر خرچ کرتا ہے جن پر مال خرچ کرنے کی ضرورت پیش آ جائے۔ جس طریقہ کو بھی وہ اس کے مال میں اضافہ یا اسے ضائع ہونے سے بچانے کے لیے مناسب سمجھے اس پر اسے مال خرچ کرنے کا اختیار ہے۔ اسلام کی مصلحت زیادہ عام ہے۔ اور کسی طرح بھی ایک بچے کی مصلحت سے کم اہم نہیں! نہ امام کی توجہ اور نگرانی فرد واحد کی اس توجہ اور نگرانی سے فروتر ہو سکتی ہے جو وہ اپنے زیر نگرانی فرد کے لیے کرتا ہے۔

اگر کفار سرزمین اسلام پر چڑھ آئیں تو امام کی مدد کے لیے اٹھ کھڑا ہونا فرض ہو جاتا ہے۔ اور جب امام ان لوگوں کو پکارے تو ان پر لبیک کہنا واجب ہے۔ ایسا کرنے میں مال تو خرچ کرنا ہی پڑتا ہے، جسمانی مشقت گوارا کرنا بھی لازم آتا ہے اور جان کو بھی خطرہ میں ڈالنا پڑتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ دین کے تحفظ اور مسلمانوں کی مصلحت کے لیے کیا جاتا ہے .... لہٰذا محاصل عائد کرنے کا یہ سبب بالکل مناسب ہے، البتہ اس کا تعلق ضرورت کے موقع سے ہے، اور اس کے حدود بھی ضرورت ہی کے لحاظ سے متعین کیے جائیں گے۔ یہ طریقہ اختیار کرنا اسی وقت درست ہو گا جبکہ اس کی ضرورت واقعتہً موجود ہو۔

ضرورت کے موقع پر قرض لینا اسی صورت میں مناسب ہوتا ہے جبکہ بیت المال کو کوئی آمدنی ہونے والی ہو یا اس کا ہونا متوقع ہو۔ لیکن جب کسی آنے والی رقم کا انتظار نہ ہو، اور آمدنی کے ذرائع اتنے کمزور ہوں کہ ان سے کسی زیادہ رقم کی توقع نہ ہو تو محاصل عائد کرنے کے سوا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کوئی چارہ نہیں ہے۔[۵]

شاطبی نے بالکل ٹھیک کہا ہے کہ مزید محاصل عائد کرنے کا مسئلہ ابتدائی دور کی اسلامی ریاستوں کے سامنے ایک عملی مسئلہ بن کر نہیں آیا تھا کیونکہ ریاست کی آمدنی کے معروف ذرائع اس زمانہ کی اسلامی ریاست کی ضروریات کے لیے کافی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدائی دور کے فقہاء اور مجتہدین نے اس مسئلہ پر بحث نہیں کی ہے۔ ہر دور کے حالات مختلف ہوتے ہیں۔ امام شاطبی کا زمانہ متقدمین سے جتنا مختلف تھا اس سے کہیں زیادہ فرق ان کے زمانہ (سن وفات ۷۹۰ ہجری مطابق ۱۳۸۸ عیسوی) اور دورِ حاضر میں ہے۔ جو طرزِ استدلال امام موصوف نے دفاعی ضروریات کے لیے مزید محاصل عائد کرنے کے مسئلہ میں اختیار کیا ہے وہی آج دارالاسلام کی معاشی تعمیر و ترقی کے سلسلہ میں بھی اختیار کیا جا سکتا ہے۔ اولاً اس لیے کہ اس دور میں معاشی ترقی اور استحکام دفاعی قوت، رعب، اور دھاک کی ایک لازمی اور اہم بنیاد ہے۔ ثانیاً اس لیے کہ اگر کوئی کم ترقی یافتہ ملک، اپنی بڑھتی ہوئی آبادی کے ساتھ، معاشی تعمیر و ترقی کی طرف خصوصی توجہ نہ کرے تو تھوڑے عرصہ میں وہ بہت پسماندہ ہو جائے گا، سماج میں داخلی انتشار رونما ہوگا، اور وہ دنیا میں ترقی یافتہ ممالک کا محتاج اور غلام بن کر رہے گا۔

شاطبی نے اس اعتراض کا بھی جواب دے دیا ہے کہ ریاست محصول عائد کرنے کے بجائے اپنی بڑھتی ہوئی ضروریات پوری کرنے کے لیے قرض کیوں نہیں لے لیتی۔ ان کے جواب پر ہم صرف اتنا اضافہ کریں گے کہ قرض لینے کی تدبیر اسی وقت کارگر ہو سکتی ہے جب ضرورت عارضی ہو۔ مستقل اور روز افزوں ضروریات کی تکمیل آمدنی کے ذرائع میں مستقل اضافوں کے بغیر ممکن نہیں۔

امام موصوف نے یہ بات بھی بالکل صحیح لکھی ہے کہ مزید محاصل کی مقدار ضرورت کے تحت متعین ہوگی۔ تھوڑے مال کی ضرورت ہو تو محاصل بھی معمولی ہوں گے، اور کثیر اموال کی ضرورت ہو تو محاصل کی مقدار بھی زیادہ ہوگی۔

---

۵ : شاطبی : الاعتصام۔ جلد ۲۔ صفحہ ۲۹۵ تا ۲۹۸۔ مطبعۃ المنار مصر۔ ۱۹۱۴ء

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام شاطبی کے زمانہ میں اندلس کے بعض علاقوں میں دفاعی مصالح کے تحت شہر پناہ تعمیر کرنے کے لیے ایک خصوصی محصول عائد کیا گیا تھا۔ اندلس کے مفتی اعظم نے یہ فتویٰ دیا کہ یہ محصول شریعت کے خلاف ہے۔ لیکن امام شاطبی نے "مصالح مرسلہ" کی بنیاد پر اس کے جواز کا فتویٰ دیا اور اس کے حق میں دلائل پیش کیے[۵۱]۔

اسی طرح اندلس میں پانچویں صدی ہجری میں یوسف بن تاشفین[۵۲] کے عہد حکومت میں بھی دفاعی اغراض کے تحت مزید محاصل عائد کرنے کی ضرورت پڑی تھی تو حکمران نے علماء سے فتویٰ طلب کیا تھا۔ متعدد علماء نے جن میں مشہور مالکی فقیہ ابو الولید الباجی بھی شامل ہیں یہ فتویٰ دیا کہ حسب ضرورت مزید محاصل عائد کیے جا سکتے ہیں[۵۳]۔

ساتویں صدی ہجری میں مصر کے نائب سلطنت قطز نے فوجی ضروریات کے پیش نظر مزید محاصل عائد کرنا ضروری سمجھا تو اس زمانہ کے اکابر علماء سے فتویٰ طلب کیا۔ متعدد علماء نے جن میں ممتاز شافعی فقیہ عز الدین بن عبد السلام بھی شامل ہیں یہ فتویٰ دیا کہ اگر بیت المال خالی ہو تو مزید محاصل عائد کر کے مال جمع کیا جا سکتا ہے۔ اور اگر بیت المال میں مال موجود ہو تو ایسا کرنا جائز نہیں۔ یہی رائے انہوں نے قطز کے بعد مصر کے حکمران الملک الظاہر بیبرس کے دور میں بھی ظاہر کی۔ چنانچہ ان دونوں حکمرانوں نے مزید محاصل عائد کیے تھے[۵۴]۔

اِن نظائر سے واضح ہے کہ دفاعی ضرورت پیش آنے پر صالح حکمرانوں نے اکابر علماء اسلام کے مشورے سے مزید محاصل عائد کیے ہیں۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بشرط ضرورت مزید محاصل عائد کرنے کے مسئلہ پر علماء اسلام متفق ہیں:

---

۵۱ : بحوالہ "شیخ محمد علی : القواعد السنیہ فی اسرار الفقہیہ" جو قرافی کی "الفروق" کے حاشیہ پر چھپی ہے۔ جلد ۱ صفحہ ۱۴۱۔

۵۲ : سن وفات ۵۰۰ھ

۵۳ : ابن خلکان : وفیات الاعیان۔ جلد ۶۔ صفحہ ۱۱۰۔ مکتبہ نہضہ مصر قاہرہ ۱۹۴۸ء

۵۴ : محمد بن احمد بن ایاس : تاریخ مصر۔ جلد ۱ صفحہ ۹۴-۹۵۔ بولاق مصر ۱۳۱۱ھ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"علمائے اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ جب مسلمانوں پر زکوٰۃ ادا کر چکنے کے بعد کوئی ضرورت آن پڑے، تو اس کے لیے (مزید) مال صرف کرنا واجب ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ نے فرمایا ہے کہ مسلمانوں پر واجب ہے کہ فدیہ ادا کر کے اپنے قیدیوں کو آزاد کرائیں خواہ ایسا کرنے میں اُن کا سارا مال خرچ ہو جائے۔"[۵]

اس مسئلہ پر امام غزالی نے بھی یہی رائے ظاہر کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"اگر یہ پوچھا جائے کہ خراجی زمینوں پر مزید محاصل عائد کرنا مصلحت کے تحت آتا ہے، تو کیا ایسا کیا جا سکتا ہے۔ تو ہم یہ جواب دیں گے کہ جب لشکر کے پاس بکثرت مال موجود ہو تو ایسا کرنے کی گنجائش نہیں۔ البتہ جب لشکر کے پاس مال نہ ہو اور ملک کے عام خزانہ میں بھی اتنا مال نہ ہو جس سے لشکر والوں کی تنخواہیں اور دوسرے مصارف کو پورا کیا جا سکے، اور لشکر والوں کے منتشر ہو کر کسب معاش میں لگ جانے سے اس بات کا اندیشہ ہو کہ کفار اسلامی علاقہ میں داخل ہو جائیں گے یا فسادی اور بدطینت لوگ بلادِ اسلام میں داخلی فتنے کھڑے کر دیں گے تو امام کے لیے جائز ہے کہ مالداروں سے لشکر والوں کی ضرورت کے مطابق مال محاصل کے ذریعہ وصول کر لے۔ اب اگر وہ محاصل عائد کرنے کے لیے مخصوص طور پر خراجی زمینوں کا انتخاب مناسب سمجھے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ جب دو برائیاں یا دو ضرر ایک ساتھ سامنے آئیں تو شارع دونوں میں سے بڑی برائی اور زیادہ گہرے ضرر کو دور کرنے کا فیصلہ کرے گا۔ جن لوگوں پر مزید محاصل عائد کیے جائیں ان میں سے ہر فرد جو کچھ ادا کرے گا وہ اس خطرہ کے مقابلہ میں بہت ہی کم ہے جس میں وہ اپنی جان و مال کو اس صورت میں ڈالے گا جب اسلامی علاقہ ایسے صاحب قوت لشکر اور امام سے خالی ہو جائے جو نظم و نسق قائم رکھنے اور برائیوں کو دور کرنے کا اہتمام کرتا ہو۔ اس رائے کی

---

[۵] قرطبی: احکام القرآن، جلد ۲، صفحہ ۲۴۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دلیل کے طور پر جو باتیں کہی جا سکتی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ بچے کے سرپرست پر دبالاخانے کی اچھار دیواری تعمیر کرانا، طبیب کی فیس دینا، اور دواؤں کی قیمت ادا کرنا واجب ہے۔ یہ سب زیادہ بڑے نقصان کا اندیشہ دور کرنے کے لیے کچھ (کمتر) نقصان گوارا کرنے کی مثالیں ہیں۔[۵]

حنفی فقہاء میں سے شمس الائمہ امام سرخسی نے اس مسئلہ پر یوں روشنی ڈالی ہے:

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ تنہا مرد کو اس آدمی کے صرفہ پر جہاد کے لیے بھیجتے تھے جس کے پاس بیوی ہو، اور جہاد پر جانے والے کو گھر بیٹھے رہنے والے کا گھوڑا دے دیتے تھے۔ یہ طریقہ مسلمانوں کی بہبود کے اہتمام اور حسن تدبیر پر گواہ ہے۔۔۔۔۔۔۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ ان لوگوں کی رضامندی سے ایسا کرتے تھے، اگر وہ اس پر راضی نہ ہوتے اور جنگ پر جانے والے کے پاس بھی مال نہ ہوتا تو اس کے لیے بیت المال کے صرفہ پر سامان فراہم کرتے تھے، کیونکہ بیت المال کا مال ان مصارف پر صرف کیا جا سکتا ہے۔ مگر زیادہ صحیح رائے یہ ہے کہ ضرورت پڑنے پر امام کو ایسا کرنے کا اختیار ہے۔ اگر بیت المال میں مال نہ ہو اور مسلمانوں کے دفاع کے لیے لشکر تیار کرنے اور اسے سامانِ جنگ فراہم کرنے کی ضرورت پیش آ جائے تو امام کو اختیار ہے کہ اس مقصد کے لیے جتنے مال کی ضرورت ہو وہ لوگوں پر محصول عائد کر کے وصول کرے۔ وجہ یہ ہے کہ امام کو مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کا ذمہ دار بنایا گیا ہے۔ اگر وہ دفاع کے لیے لشکر کو ساز و سامان کے ساتھ تیار نہ کرے تو مشرکین مسلمانوں پر غالب آ جائیں گے اور ان پر اور ان کے بیوی بچوں اور مال سب پر قبضہ کر لیں گے

---

[۵] : امام غزالی: المستصفیٰ۔ جلد ۱۔ صفحہ ۳۰۳-۳۰۴
مطبعہ امیریہ۔ بولاق۔ مصر ۱۳۲۲ھ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس لیے حسنِ تدبیر کا تقاضا ہے کہ لشکر کی تیاری کے لیے جتنے مال کی ضرورت ہو اُسے مالداروں پر محصول عائد کر کے وصول کر لیا جائے تا کہ لوگ باقی (مال و املاک وغیرہ) کے بارے میں محفوظ ہو جائیں۔[۵۱]

حضرت عمرؓ کا مذکورہ بالا اثر اور سرخسی نے اس سے جو استنباط کیا ہے وہ بھی مزید محاصل عائد کرنے کے بارے میں اسی اصول کی تائید کرتا ہے جو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں، یعنی ناگزیر اجتماعی ضروریات کی تکمیل کے لیے مالدار افراد پر عشر و زکوٰۃ کے علاوہ مزید محاصل بھی عائد کیے جا سکتے ہیں۔

وہ ضروریات جن کی تکمیل کے لیے ریاست مزید محاصل عائد کر سکتی ہے صرف دفاعی اغراض، اور کفالتِ عامہ تک محدود نہیں۔ ماوردی نے لکھا ہے کہ شہر کی چہار دیواری، مساجد، یا نہروں کی مرمت اور تعمیر کے سلسلہ میں شہر کے باشندوں سے حسبِ استطاعت مالی اور جسمانی خدمات حاصل کرنا جائز ہے کیونکہ یہ امور ان کے لیے فرائضِ کفایہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اسی طرح، اور اسی اصول کے تحت، اگر بیت المال سے شہر میں باہر سے آنے والے حاجت مند مسافروں کی ضرورت نہ پوری کی جا سکتی ہو تو شہر والوں سے اس کام کے لیے مال وصول کیا جائے گا۔[۵۲]

یہی رائے حنبلی فقیہ ابو یعلیٰ نے بھی ظاہر کی ہے۔[۵۳]

مالی ضرورت کے علاوہ، یا اس کے پہلو بہ پہلو، مزید محاصل عائد کرنے کے بعض دوسرے اسباب بھی ہو سکتے ہیں جن کی طرف اوپر اجمالاً اشارہ کیا جا چکا ہے۔ اسلامی تاریخ میں اس طرح کے محصول کی سب سے پہلی مثال سیدنا فاروقِ اعظمؓ کے دور میں ملتی ہے۔ جب آپ کو یہ بتایا گیا کہ جو مسلمان تاجر غیر مسلم علاقوں میں تجارت کا مال لے کر جاتے ہیں ان سے وہاں کی حکومت چُنگی وصول کرتی ہے تو آپ نے بھی باہر سے مال لے کر

۵۱: سرخسی : المبسوط۔ جلد ۱۰۔ صفحہ ۲۰ (کتاب السیر)

۵۲: ماوردی : الاحکام السلطانیہ۔ صفحہ ۲۱۳-۲۱۴ (باب احکام الحسبہ)

۵۳: ابو یعلیٰ : " " " ۲۷۳-۲۷۴

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آنے والے غیر مسلم تاجروں سے چنگی وصول کرنے کا فیصلہ کر دیا[51]۔ اس محصول سے مسلمان تاجروں اور غیر مسلم تاجروں کے درمیان یک گونہ عدل بحال ہوا کیونکہ مسلمان تاجر بہر صورت اپنے مالِ تجارت پر زکوٰۃ ادا کرنے کے ذمہ دار تھے۔ جبکہ عشور (چنگی) عائد کیے جانے سے پہلے غیر مسلم تاجروں سے اس قسم کا کوئی محصول نہیں لیا جاتا تھا۔ اور انہیں تجارتی مسابقت میں مسلمان تاجروں کے مقابلہ میں ایک سہولت حاصل تھی۔ یہ نیا محصول ہر تاجر سے وصول کیا جاتا تھا۔ مگر مسلمان تاجروں کے لیے یہ نیا نہ تھا بلکہ یہ ان کے لیے مالِ تجارت کی زکوٰۃ تھی[52]۔ جو سال میں ایک بار وصول کی جاتی تھی۔ اس کی شرح بھی ڈھائی فی صدی تھی۔ البتہ غیر مسلم تاجروں کے لیے یہ ایک مزید محصول تھا جس کی شرحیں مختلف قسم کے غیر مسلموں کے لیے مختلف تھیں۔ عشور (محاصلِ چنگی) کی عام شرح حربی (یعنی باہر سے دارالاسلام میں مال لے کر آنے والے غیر مسلم) تاجر کے لیے دس فی صدی تھی، اور ذمی (یعنی اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہری) تاجر اور مستامن (یعنی ایک عرصہ کے لیے اسلامی علاقہ میں اجازت لے کر رہنے والے) تاجر کے لیے پانچ فی صدی[53]۔ لیکن بعض مقامات پر اجتماعی مصالح کے پیشِ نظر چنگی کی شرح کم رکھی گئی تھی، جیسا کہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ "عمرؓ نبطی تاجروں سے زیتون کے تیل

51: ابو یوسف: کتاب الخراج، صفحہ ۱۶۱؛ یحییٰ ابن آدم: کتاب الخراج، صفحہ ۱۷۲، اور ابو عبید: کتاب الاموال، صفحہ ۵۳۱۔ ایک دوسری روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک حربی قوم نے حضرت عمرؓ سے درخواست کی کہ ان کو تجارت کے لیے دارالاسلام میں آنے کی اجازت دی جائے اور اس اجازت کے عوض ان سے چنگی وصول کی جائے تو آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا۔ انہوں نے آپ کو یہ درخواست منظور کرنے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ آپ نے چنگی عائد کرنے کا طریقہ اختیار کر لیا۔ (ابو یوسف: کتاب الخراج صفحہ ۱۶۱-۱۶۲)

52: ابو یوسف: کتاب الخراج، صفحہ ۱۶۰

53: ابو عبید: کتاب الاموال صفحہ ۵۳۳، اور ابو یوسف: کتاب الخراج صفحہ ۱۵۸-۱۵۹

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور گیہوں پر پانچ فی صد وصول کرتے تھے تاکہ مدینہ میں درآمد زیادہ ہو۔[۵۱] حالانکہ نبطی لوگوں پر دارالاسلام کے باہر سے آنے والے ہونے کی وجہ سے دس فی صدی چنگی عائد ہونی چاہیے تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس اجتہاد سے جس کو دوسرے اصحاب رسول اللہ کی تائید حاصل تھی، واضح ہے کہ مال جمع کرنے کے علاوہ دوسرے مصالح کے تحت بھی اسلامی ریاست نئے محاصل عائد کر سکتی ہے۔ حضرت عمر نے دارالخلافہ میں غذائی اجناس کی سہولت اور فراوانی کے ساتھ درآمد کی خاطر وہاں آنے والے تاجروں کے لیے چنگی کی شرح کم رکھی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ محاصل کی شرحوں کی تعیین میں مالی مصالح کے علاوہ دوسرے مصالح کو بھی دخل دیا جاسکتا ہے۔ تجارت خارجہ میں اضافہ، برآمد کی ہمت افزائی اور غیر ضروری درآمد کی ہمت شکنی نیز بیرونی زرمبادلہ کے استعمال میں کفایت شعاری جیسے اہم مقاصد کے تحت عائد کیے جانے والے جدید محاصل بھی اسی ذیل میں آجاتے ہیں۔

اوپر ہم نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ معاشرہ میں عیش وعشرت کے سدباب اور مترفانہ زندگی کی ہمت شکنی کے لیے تعیّشات (Luxuries) پر خصوصی محاصل عائد کیے جانے چاہئیں۔ ایسا کرنے کا مقصد اسلام اور مسلمانوں کی ایک اہم مصلحت کا تحفظ ہوگا ساتھ ہی ریاست کی مالی ضروریات کی تکمیل بھی مقصود ہو سکتی ہے۔ چونکہ یہ دونوں مقاصد شریعت کی نگاہ میں معتبر ہیں، اور محاصل میں عام مصالح کا بھی دخل ہو سکتا ہے۔ اس لیے ہمارے نزدیک دورِ جدید کی ایک اسلامی ریاست کے لیے ایسا کرنے کی پوری گنجائش ہے۔

بعض اوقات ملک میں بعض قیمتی معدنی ذخائر کی صرف ایک محدود مقدار پائی جاتی ہے یا کوئی اور وسیلۂ پیداوار یا سامان کم تعداد میں میسر ہوتا ہے تو ان وسائل کے کفایت شعارانہ استعمال کے لیے ریاست ان پر بھاری محاصل عائد کر دیتی ہے۔ یہ بھی محصول عائد کرنے کو مصالح کے تحفظ کا ذریعہ بنانے کی ایک مثال ہے۔ اور اگر اسلامی معاشرہ کے ماہرین معاشیات اور ارباب حل وعقد کو اس میں کوئی ضرورت نظر آئے تو

---

[۵۱] ابو عبید: کتاب الاموال، صفحہ ۵۳۳۔ موطا امام مالک: کتاب الزکوٰۃ - باب عشور اہل الذمۃ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو اسے اختیار کرنے کی بھی پوری گنجائش ہے۔

فنی ترقی کے موجودہ معیار کے پیش نظر دورِ جدید کی حکومتوں کے لیے یہ ممکن ہو گیا ہے کہ وہ رفاہِ عام کے بہت سے کام اپنے ذمہ لے سکیں۔ ذرائع حمل ونقل اور رسل ورسائل کی ترقی، معلومات فراہم کرنے میں آسانی اور دوسرے اسباب کی بنا پر اب حکومتیں اپنے شہریوں کی بھلائی کے لیے بہت سے ایسے کام کر سکتی ہیں جو پہلے ان کے لیے ممکن نہ تھے۔ ان کاموں سے بہت سی اہم انسانی ضروریات کی تکمیل وابستہ ہے۔

ہماری ضروریات دو قسم کی ہیں۔ بعض ضروریات اپنی نوعیت کے اعتبار سے انفرادی ہیں۔ ان کی تکمیل اس طور پر ممکن ہے کہ ہم مطلوبہ چیزوں، مثلاً غذائی سامان، فرنیچر، اپنی سواری کے لیے گاڑی وغیرہ یا مطلوبہ خدمات مثلاً گھریلو کاموں کے لیے ملازم، قانونی مشوروں کے لیے وکیل، اور کپڑے سلوانے کے لیے درزی کی خدمات کو قیمت ادا کر کے بازار میں خرید لیں۔ لیکن ہماری ساری ضروریات کی نوعیت یہ نہیں ہے بعض ضروریات ایسی بھی ہیں جن کی تکمیل کرنے والی اشیاء اور خدمات کو بازار میں نہیں خریدا جا سکتا۔ ان کی نوعیت انفرادی نہیں بلکہ ایک لحاظ سے اجتماعی ہے، اور کم از کم عام افراد کے بس سے یہ باہر ہے کہ انہیں ان کی قیمت ادا کر کے حاصل کر سکیں اور نجی ملکیت بنا کر اپنے تصرف میں لائیں۔ نقل وحمل کے لیے شاہراہوں، پلوں اور ریلوے لائنوں کی ضرورت ہے سڑکوں اور دوسرے پبلک مقامات پر روشنی کا انتظام ضروری ہے۔ صفائی ستھرائی اور حفظانِ صحت سے متعلق دوسرے امور کا اہتمام نہ ہو تو زندگی دشوار ہو جائے۔ گنجان آبادی والے صنعتی مراکز میں ہوا کو صاف رکھنے اور تفریح کے لیے کھلی جگہوں اور پارکوں کا انتظام اب اتنا ہی ضروری ہے جتنا پہلے روشنی اور پانی کی فراہمی کا انتظام تھا۔ دورِ جدید میں پیچیدہ امراض کے اچھے علاج کے لیے سہولتوں کی فراہمی اور تعلیم بالخصوص اعلیٰ فنی تعلیم کو بھی تمام تر خود "خرید" کر حاصل کرنا عام افراد کے لیے ممکن نہیں ہے۔ ہماری ایک بڑی ضرورت یہ ہے کہ ہماری جان ومال اور املاک کی حفاظت کے لیے ہر آبادی میں پولیس کا معقول نظم قائم کیا جائے۔ ان تمام ضروریات کو اجتماعی اہتمام کے تحت پورا کیا جاتا ہے اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان پر آنے والے مصارف حکومت کے خزانہ سے پورے کیے جاتے ہیں۔ تمدن کی ترقی کے ساتھ اس طرح کی اجتماعی نوعیت رکھنے والی ضروریات، اور ان کی تکمیل کے لیے اجتماعی طور پر فراہم کی جانے والی خدمات کا دائرہ روز بروز وسیع ہوتا چلا جا رہا ہے۔

ضروریات زندگی کی تکمیل میں توازن برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ قومی دولت میں اضافہ کے ساتھ جہاں بازار میں فروخت ہونے والی اشیاء اور خدمات میں اضافہ ہو وہاں ریاست کے زیر اہتمام فراہم کی جانے والی اشیاء اور خدمات میں بھی اضافہ ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ اجتماعی طور پر فراہم کی جاتے والی اشیاء اور خدمات کا تعلق جس قسم کی ضروریات سے ہے وہ بہت سی ان ضروریات سے زیادہ اہم ہیں جن کی تکمیل بازار میں سامان آرائش خرید کر یا نقد یجی کاموں میں وسائل صرف کر کے کی جاتی ہے۔ لیکن ان اشیاء اور خدمات کی نوعیت ایسی ہے کہ ان کو نفع کے طالب ذاتی کاروبار کرنے والے نہیں فراہم کر سکتے، نہ ان کے ضرورت مند الگ الگ ان اشیاء کو مہیا کرنے کا اہتمام کر سکتے ہیں۔ ان سے استفادہ عام ہوتا ہے۔ اور ہر فرد سے الگ الگ اس کے استفادہ کے بقدر قیمتیں وصول کرنا اکثر ناممکن ہوتا ہے۔ سڑکیں اور پُل پارک اور اعلیٰ فنی تعلیم کے مراکز، سینی ٹوریم، نفع آور کاروبار کے تحت تعمیر کر کے نہیں چلائے جا سکتے۔ نہ کوئی ایک فرد اُس فائدہ کی پوری اور ٹھیک قیمت ادا کر سکتا ہے جو وہ ان چیزوں سے اُٹھاتا ہے۔

اِن اشیاء اور خدمات کا ایک قابلِ لحاظ پہلو یہ بھی ہے کہ ان سے مالدار اور غریب سبھی فائدہ اُٹھا سکتے ہیں جبکہ بازار میں سامانوں کی فراوانی کے باوجود ان سے وہی لوگ مستفید ہو سکتے ہیں جو اُن کے دام ادا کر سکیں۔ چونکہ ان کی خدمات کی ضرورت عام ہے۔ لہٰذا عدل کا تقاضا ہے کہ ان کی عام تکمیل کا انتظام کیا جائے۔ قطع نظر اس سے کہ کون ان کی قیمت ادا کر سکتا ہے اور کون نہیں ادا کر سکتا۔

ریاست ان اجتماعی طور پر فراہم کی جانے والی اشیاء اور خدمات کو بہم پہنچانے کے لیے ریاست کو کثیر مالی وسائل کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہ ضرورت بھی مزید محاصل عائد کرنے کا سبب

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بن سکتی ہے۔ معاشرہ کے نقطۂ نظر سے ان مزید محاصل کی نوعیت یہ ہے کہ وہ اپنی بعض ضرورتوں کی تکمیل کا اجتماعی طور پر انتظام کرنا مناسب خیال کر کے "ان پر آنے والے مصارف —— ان کی قیمت —— اجتماعی طور پر ادا کرتا ہے۔ یہ کام کسی دَور کی اسلامی ریاست کی مجالسِ مشاورت کا ہے کہ وہ اس بات کا فیصلہ کریں کہ وہ کسی وقت کن اشیاء اور خدمات کی فراہمی کو ریاست کے سپرد کرنا مناسب سمجھتے ہیں اور اس کے مصارف پُورے کرنے کے لیے کتنے مزید محاصل عائد کرنے ضروری ہیں۔ اس کام کے لیے ان لوگوں سے بھی محاصل وصول کیے جا سکتے ہیں جو نسبتاً کم مال رکھتے ہیں۔

مزید محاصل کن چیزوں پر عائد کیے جائیں، اور مزید مال کس طریقہ سے مال داروں سے وصول کیا جائے، اس بارے میں اس عام ہدایت کے سوا کہ کسی فرد پر اس کی برداشت سے زیادہ بار نہ ڈالا جائے، شریعت نے ہمیں کسی بات کا پابند نہیں کیا ہے۔ آج کل یہ محاصل آمدنی یا صرف پر، بعض اشیاء کی پیداوار یا فروخت پر، اشیاء کی درآمد اور برآمد پر، سرمایہ یا جائداد پر اور ترکہ یا عطایا وغیرہ پر عائد کیے جاتے ہیں۔ ان مختلف طریقوں میں سے کسی ایک یا چند طریقوں کا انتخاب اجتماعی مصالح کی بنا پر کیا جاتا ہے۔ اسلامی ریاست اس بات کی مجاز ہے کہ وہ اسلام اور ملک کے مجموعی مصالح، اور عدل و انصاف کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہُوئے جو طریقہ مناسب سمجھے اختیار کرے۔

د۔ اموالِ فاضلہ کا مطالبہ

عام حالات میں اجتماع کی مالی ضروریات شرعی محاصل کی آمدنی سے اور معتدل شرحوں کے ساتھ مزید محاصل عائد کر کے پوری کی جا سکتی ہیں۔ لیکن ایسے غیر معمولی اور ہنگامی حالات بھی پیش آ سکتے ہیں جن میں ان طریقوں سے اجتماعی مفاد کا تحفظ ممکن نہ ہو۔ شدید قحط، عام سیلاب، یا کسی اور آفت کی وجہ سے غذا یا بنیادی ضرورت کے دُوسرے سامانوں کی قلت، یا جنگ میں ریاست کو اچانک طور پر کثیر اموال کی ضرورت پیش آ سکتی ہے۔ ایسے ہنگامی حالات میں اسلامی ریاست اس بات کی مجاز ہو گی کہ اپنے صاحبِ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ثروت شہریوں سے ان کی ضرورت سے زائد اموال کا مطالبہ کرے۔ تاکہ اجتماع کو ہلاکت سے بچایا جا سکے۔ اجتماع کی وہ ہلاکت جو ملک پر دشمنوں کے قبضہ، یا قحط کے نتیجہ میں خلقِ خدا کی ہلاکت و بربادی سے واقع ہوگی خود اصحابِ مال کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لے گی، لہٰذا خود ان کے مفاد کا تقاضا ہے کہ ان کے فاضل مال کے ذریعہ اس خطرہ کو دُور کیا جائے۔ کیونکہ مال زندگی کے لیے ہے، اور ایسے حالات میں جبکہ زندگی خطرہ میں ہو مال کو اس کے تحفظ کے لیے نہ استعمال کرنا جانتے بُوجھتے خود کو ہلاکت کے سپرد کر دینے کے مترادف ہے۔ اس نکتہ کو امام شاطبی اور امام غزالی نے بہت خوبی کے ساتھ واضح کیا ہے، جیسا کہ اُوپر گذر چکا ہے۔

اُوپر یہ بھی واضح کیا جا چکا ہے کہ فرد کی ضرورت سے زائد مال پر، بقدرِ ضرورت، اجتماع کا حق شرعاً ثابت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں افراد سے ان کے زائد از ضرورت مال کو قانوناً حاصل کرنے کی ضرورت نہیں پڑی کیونکہ جب بھی مال کی ضرورت پیش آئی۔ آپؐ کی اخلاقی اپیل پر افراد نے حسبِ ضرورت مال حاضر کر دیا۔ اس کی ایک مثال اس باب کے شروع میں گذر چکی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس قسم کی پہلی بڑی ضرورت اس وقت پیش آئی تھی جب مکہ سے سینکڑوں مسلمان ہجرت کر کے خالی ہاتھ مدینہ آئے تھے۔ آپ نے ہر مہاجر کو مدینہ میں رہنے والے کسی صاحبِ استطاعت مسلمان کا بھائی بنا دیا[۵]۔ اور ان اسلامی بھائیوں نے راضی خوشی اپنے مہاجر بھائیوں کو اپنے مال میں شریک کر لیا۔ یہ غیر معمولی حالات میں غیر معمولی طریقے اختیار کرنے کی ایک نمایاں مثال ہے، اگرچہ یہ معاملہ افراد کی رضامندی سے عمل میں آیا تھا۔ غیر معمولی حالات میں غیر معمولی طریقے اختیار کرنے کی ایک دُوسری شکل کی طرف ذیل کی حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے:

عن ابی موسیٰ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان الاشعریین اذا ارملوا فی الغزو او قل طعام عیالھم بالمدینۃ

---

۵ : بلاذری: انساب الاشراف۔ جلد ۱۔ صفحہ ۲۷۰ - ۲۷۱

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جمعوا ما کان عندھم فی ثوبٍ واحدٍ ثمّ اقتسموہ فی اناءٍ واحدٍ بالسویّۃ فھم منّی وانا منھم[1]

"ابوموسیٰ سے مروی ہے کہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اشعری (قبیلہ کے) لوگ جب جہاد میں تنگی میں مبتلا ہوتے ہیں یا مدینہ میں ان کے متعلقین کے پاس خوراک کم ہو جاتی ہے تو ان کے پاس جو کچھ ہوتا ہے اسے ایک کپڑے میں جمع کر لیتے ہیں اور پھر اسے ایک ہی برتن میں سے اپنے درمیان مساوی طور پر تقسیم کر لیتے ہیں۔ لہٰذا وہ میرے ہیں اور میں اُن کا ہُوں۔"

ہنگامی حالات میں افراد کو یہ بھول جانا چاہیے کہ ان کے پاس جو زائد از ضرورت مال ہے وُہ ان کی ذاتی ملکیت ہے اور باہم تعاون اور مواسات کے ذریعہ اجتماع کو اس مصیبت سے نکالنے کی کوشش کرنی چاہیے جس میں وُہ عارضی طور پر مبتلا ہو گیا ہے۔ مذکورہ بالا حدیث میں نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اسی اسپرٹ کی تعریف کی ہے اور ذیل کی حدیث بھی یہی بتاتی ہے کہ روحِ اسلام کا تقاضا یہی ہے:

عن سلمۃ بن الاکوع قال خفّت ازواد القوم واملقوا فاتوا النبی صلّی اللہ وسلّم فی نحرِ ابلھم فاذن لھم فلقیھم عمر فاخبروہ فقال ما بقاءکم بعد ابلکم فدخل علی النبیّ صلّی اللہ علیہ وسلّم فقال یارسول اللہ ما بقاءھم بعد ابلھم فقال رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نادِ فی الناس یأتون بفضل ازوادھم فبُسِط لذلک نطعٌ وجعلوہ علی النطع۔ فقام رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم فدعا وبرّک علیہ ثمّ دعاھم باوعیتھم فاحتثی الناس حتّی فرغوا ثمّ قال رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اشھد ان لا الٰہ

---

[1] : بخاری: کتاب الشرکۃ - باب الشرکۃ فی الطعام

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الا اللہ و انی رسول اللہ ۔[1]

سلمہ بن الاکوعؓ روایت کرتے ہیں کہ لوگوں کے پاس (حالتِ سفر میں) سامانِ غذا نہ رہا اور وہ قلت کی وجہ سے فاقے کرنے لگے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ سے اجازت طلب کی کہ اپنے اونٹ ذبح کریں۔ آپ نے انھیں اجازت دے دی۔ پھر اُن کی ملاقات عمرؓ سے ہوئی تو انھوں نے یہ بات آپ کو بتائی، تو آپ نے کہا کہ تمھارے اُونٹ نہ رہیں گے تو تم کب تک زندہ رہو گے۔ پھر آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ لے اللہ کے رسول یہ لوگ اپنے اونٹوں کے بعد کب تک زندہ رہ سکیں گے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں میں اعلان کر دو کہ اپنے باقی غذائی سامان لے آئیں۔ اس کے لیے چمڑے کا ایک دسترخوان بچھا دیا گیا اور لوگوں نے چیزیں لا کر اس پر رکھ دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر دُعا کی اور برکت طلب کی پھر ان لوگوں سے کہا کہ اپنے اپنے برتن لے آئیں۔ لوگوں نے اپنے ہاتھوں سے چیزیں نکالیں۔ یہاں تک کہ حسبِ ضرورت سامان لے کر فارغ ہو گئے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔"

ایسی ہی صورتِ حال میں حضرت عبیدہ بن الجراح نے اسی طرح کا اقدام امیرِ لشکر کی حیثیت سے حکم دے کر کیا تھا۔

عن جابر بن عبد اللہ انہ قال بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعثاً قبل الساحل فامر علیھم ابا عبیدۃ بن الجراح وھم ثلثمائۃ و انا فیھم نخرجنا حتی اذا کنا ببعض الطریق فنی الزاد فامر ابو عبیدۃ بازواد ذلک الجیش فجمع ذلک کلہ فکان

---

[1] بخاری: کتاب الشرکۃ ۔ باب الشرکۃ فی الطعام

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

من ودی تمر وکان یقوتنا کل یوم قلیلاً قلیلاً حتی فنی فلم تکن تصیبنا الا تمرۃ تمرۃ .... [1]

"جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ آپ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر ساحل کی طرف روانہ کیا اور ابو عبیدۃ بن الجراح کو ان لوگوں کا امیر مقرر کیا۔ ان کی تعداد تین سو تھی اور میں بھی ان میں شامل تھا۔ ہم روانہ ہوئے اور جب کچھ دور پہنچے تو ہمارا زادِ راہ ختم ہو گیا۔ تو ابو عبیدہ نے حکم دیا اور ان کے حکم سے لشکر والوں کے پاس جو کچھ زادِ راہ تھا سب جمع کر لیا گیا۔ اس طرح کھجور کے دو تھیلے جمع ہو گئے۔ آپ روزانہ ہمیں تھوڑا تھوڑا کھانے کو دیتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ بھی ختم ہو گیا اور آخر میں ہمیں صرف ایک ایک کھجور ملنے لگی ...."

ایک سال یہ دیکھ کر کہ عام لوگ غذائی قلت کی وجہ سے پریشان ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دے دیا تھا کہ قربانی کا گوشت ایامِ تشریق کے بعد کوئی گھر میں نہ رکھے بلکہ تقسیم کر دے۔ بعد میں جب حالات بہتر ہو گئے تو آپ نے یہ حکم واپس لے لیا اور حسبِ سابق اس کی اجازت دے دی کہ لوگ قربانی کے گوشت کو جتنے دن چاہیں اپنے گھر میں رکھیں اور کھائیں۔

عن سلمۃ بن الاکوع قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ضحایاکم لا یصبح احدکم بعد ثالثۃ وفی بیتہ منہ شیئ فلما کان العام المقبل قالوا یا رسول اللہ نفعل کما فعلنا العام الماضی۔ قال کلوا وادخروا فان ذلک العام کانوا فی جھد فاردت ان تعینوا۔ [2]

---

[1] : بخاری : کتاب الشرکۃ۔ باب الشرکۃ فی الطعام۔

[2] " : الادب المفرد۔ صفحہ ۸۳، نیز ملاحظہ ہو: صحیح بخاری: کتاب الاطعمہ میں حضرت عائشہ سے مروی حدیث۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سلمہ بن الاکوع سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (بقرعید کے) تین دن بعد چوتھے دن کسی کے گھر میں قربانی کا گوشت رکھا ہوا نہیں ہونا چاہیے۔ جب اگلا سال ہوا اور بقرعید کا موقع آیا) تو لوگوں نے دریافت کیا کہ اے رسول اللہ کیا ہم وہی کریں جو گذشتہ سال کیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ کھاؤ اور ذخیرہ کرکے رکھو کیونکہ اس سال عام لوگ تنگی میں مبتلا تھے تو میں نے چاہا کہ تم ان کی مدد کرو۔

ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے مدینہ کے صاحب استطاعت مسلمانوں سے اپیل کی تھی کہ وہ اپنے بے سہارا بھائیوں کی کفالت کریں، اور انہوں نے ایسا ہی کیا:

عن جابر بن عبد اللہ انہ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم "یا معشر المھاجرین والانصار ان من اخوانکم من لیس لہ مال ولا عشیرۃ فلیضم احدکم الیہ الرجلین او الثلاثۃ۔ قال جابر فضممت الی اثنین او ثلاثۃ وما لی الا عقبۃ کعقبۃ احدھم من جملی"[1]

جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے مہاجرین و انصار! تمھارے بعض بھائی ایسے ہیں جن کے نہ کوئی عزیز رشتہ دار ہیں نہ ان کے پاس مال ہے تو تمھیں چاہیے کہ ایک آدمی اپنے ساتھ ان میں سے دو تین افراد کو شریک کرلے۔ جابر کہتے ہیں پھر میں نے اپنے ساتھ دو یا تین آدمیوں کو رکھ لیا۔ حالانکہ میرے پاس بھی دوسرے لوگوں کی طرح صرف اونٹوں کا ایک گلہ تھا۔

گیارھویں باب میں ۱۸ھ کے اس قحط کا ذکر کیا جاچکا ہے جس نے حجاز کے

---

[1] ڈاکٹر محمد الغزالی: الاسلام والمناہج الاشتراکیہ۔ صفحہ ۸۲ طبع قاہرہ ۱۹۵۱ء

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے باشندوں کو سخت تنگی اور پریشانی میں مبتلا کر دیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلامی ریاست کے دُوسرے صوبوں کے گورنروں کو لکھا کہ وُہ زیادہ سے زیادہ مقدار میں غذائی اجناس مدینہ بھیجیں۔ اس طرح صورتِ حال کچھ بہتر ہُوئی، اور پھر اللہ تعالیٰ نے رحم فرمایا، بارش ہوئی، اور قحط دُور ہوُا۔ لیکن ذیل کی روایات سے واضح ہے کہ اگر ضرورت پڑتی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود مدینہ کے باشندوں سے بھی اموالِ فاضلہ کا مطالبہ کرتے :

عن ابن شهاب ان سالما اخبره ان عبد الله بن عمر اخبره ان عمر بن الخطاب رضی الله عنه قال عام الرمادة ـــــ وكانت سنة شديدة ملمّة بعد ما اجتهد عمر فی امداد الاعراب بالابل والقمح والزيت من الارياف كلها حتى بلحت الارياف كلها مما جهدها ذلك، فقام عمر يدعو فقال ـــــ اللّهم اجعل رزقهم على رؤس الجبال فاستجاب الله له وللمسلمين فقال حين نزل به الغيث الحمد لله فوالله لو ان الله لم يفرجها ما تركت باهل بيت المسلمين لهم سعة الا ادخلت معهم اعدادهم من الفقراء فلم يكن اثنان يهلكان من الطعام ما يقيم واحدا۔[۱]

ابن شہاب سے مروی ہے کہ سالم نے انھیں بتایا ہے کہ ان کو عبد اللہ ابن عمرؓ نے خبر دی ہے کہ عام الرمادہ میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا ـــــ اور یہ سخت اور تکلیف دہ قحط کا سال تھا، عمرؓ نے دیہات کے لوگوں کی مدد زرخیز علاقوں سے اُونٹ، گیہوں اور زیتون کے تیل منگوا کر کی۔ یہاں تک کہ تمام زرخیز علاقے اس مدد کے بار کی وجہ سے تنگ آ گئے۔ تو حضرت عمرؓ دُعا کرنے کھڑے ہُوئے اور آپ نے یہ فرمایا

---

[۱] : بخاری : الادب المفرد ۔ صفحہ ۸۲-۸۳

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

——— خدایا! ان کے لیے پہاڑوں کی چوٹیوں پر (ظاہر ہونے والے بادلوں کی شکل میں) رزق مہیا فرما۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اور مسلمانوں کی دعا قبول فرمائی۔ جب بارش ہوئی تو آپ نے فرمایا، خدا کا شکر ہے، کیونکہ خدا کی قسم اگر اللہ تعالیٰ اس مصیبت کو دور نہ فرماتا تو میں ہر ایسے مسلمان گھرانے میں جس کو کچھ فراخی نصیب ہوئی ہے اس کے افراد کی تعداد کے برابر فقرا کو ساتھ کر دیتا۔ کیونکہ جتنا کھانا ایک آدمی کے لیے کافی ہوتا ہے اس پر اگر دو آدمی گذارہ کرتے تو وہ دونوں ہلاک نہ ہو جاتے۔

ایک دوسری روایت میں آپ کا یہ قول ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے:

عن ابن عمر ان عمر قال : لو لم اجد للناس من المال ما یسعھم الا ان ادخل علی کل اھل بیت عدتھم فیقاسمونھم انصاف بطونھم حتی یاتی اللہ بحیا فعلت فانھم لن یھلکوا عن انصاف بطونھم۔[۵]

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے کہا: اگر مجھے لوگوں کی ضرورت پوری کرنے کے لیے مال نہ ملتا، (اور ضرورت پوری کرنے کی شکل صرف یہ رہ جاتی کہ) میں ہر گھر والوں کے ساتھ ان کی تعداد کے برابر دوسرے افراد کو کر دوں اور وہ ان کی آدھی خوراک اپنے حصہ میں لے لیں، تا آنکہ اللہ بارش نازل فرمائے، تو میں ایسا ہی کرتا کیونکہ آدھا پیٹ کھانے سے آدمی ہلاک نہ ہوتا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد میں وہ اصول واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے جس کو ثابت کرنے کے لیے ہم نے اوپر متعدد احادیث و آثار نقل کیے ہیں۔ آپ نے فیصلہ کر رکھا تھا کہ آخری چارۂ کار کے طور پر اہلِ حاجت کی کفالت کے لیے قانونی اقدام کے

---

[۵]: محمد ابن سعد: طبقات۔ جلد ۳۔ صفحہ ۳۱۷

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذریعہ اُن لوگوں سے اُن کی کم سے کم ضرورت سے فاضل اشیاء ضرورت کا مطالبہ کریں گے جو نسبتاً بہتر حالت میں ہوں۔ یہی اصول آپ کے اس ارشاد سے بھی واضح ہے جو گیارھویں باب میں نقل کیا جا چکا ہے[۱]۔ غیر معمولی حالات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کے اقدامات بھی نظیر کے طور پر پیش کیے جا چکے ہیں۔

مزید محاصل کی بحث میں ہم متعدد فقہاء اور مفکرین کے حوالے سے یہ بات واضح کر چکے ہیں کہ اسلامی ریاست کسی عام ضرورت کی تکمیل یا اہم اجتماعی مصلحت کے تحفظ کے لیے افراد پر حسبِ ضرورت مزید محاصل عائد کر سکتی ہے۔ اِن محاصل کا بار افراد کے زائد از ضرورت مال پر ڈالا جائے گا۔ اور ان کی مقدار اجتماعی ضرورت کے مطابق متعین کی جائے گی۔ ظاہر ہے کہ غیر معمولی حالات میں اگر ضرورت کا تقاضا یہ ہو کہ مالدار افراد سے ان کا سارا زائد از ضرورت مال طلب کر لیا جائے تو اسی اصول کے تحت ایسا کرنے کی بھی گنجائش ہے۔

جیسا کہ مذکورہ بالا آثار اور ہماری بحث سے ظاہر ہے، اسلامی ریاست کا یہ اختیار انتہائی شدید اور استثنائی حالات سے تعلق رکھتا ہے نہ کہ عام حالات سے۔

۱۲۔ خریدنے اور عاریت یا قرض لینے میں جبر کا استعمال

اسلامی ریاست کو افراد کی طرح قرض لینے، کسی چیز کو عاریۃً حاصل کرنے یا کسی فرد یا ادارہ سے کسی چیز کو خریدنے کا جو حق حاصل ہے وہ عام حالات میں انہی شرائط کا پابند ہے جو افراد کے لیے مقرر کیے گئے ہیں۔ ان تمام معاملات میں فریقین کی رضامندی ضروری ہے اور عام حالات میں کسی فرد سے اس کی مرضی کے بغیر نہ کوئی چیز خریدی جا سکتی ہے، نہ عاریتاً لی جا سکتی ہے، نہ کسی فنڈ سے جبراً قرض لیا جا سکتا ہے۔

لیکن ایسے حالات پیش آ سکتے ہیں جب اسلامی ریاست کو کسی چیز کی ضرورت ہو اور یہ ضرورت اجتماعی مصالح کے تحت بہت اہم ہو، لیکن اس چیز کا مالک اسے فروخت

---

[۱] : صفحہ ۱۰۱ بحوالہ ابن کثیر جلد ۷ صفحہ ۴۶

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرنے پر آمادہ نہ ہو۔ یا ریاست کو عارضی استعمال کے لیے کوئی سامان درکار ہو لیکن اس کا مالک اسے کرایہ پر یا عاریتاً دینے کے لیے تیار نہ ہو۔ یا اسے مزدوروں یا بعض ماہرینِ فن کی خدمات درکار ہوں لیکن یہ لوگ اُجرت لے کر کام کرنے پر یا بلا معاوضہ خدمت کرنے پر تیار نہ ہوں۔ ایسے حالات بھی پیش آ سکتے ہیں جب ریاست کو قرض کی ضرورت ہو اور اصحاب سرمایہ قرض دینے کے لیے آمادہ نہ ہوں۔ اگر اجتماعی ضرورت کے لیے ان چیزوں کا حاصل کرنا ناگزیر ہو، اور یہ چیزیں اپنے مالکوں کی ضرورت سے زیادہ ہوں، یا ان کا معاوضے کر دینا اُن کے لیے ناقابل برداشت تکلیف کے باعث نہ ہو تو ریاست کو ان کے خریدنے، کرایہ پر لینے، عاریتاً لینے یا قرض لینے کے لیے جبر کے استعمال کا اختیار حاصل ہے۔

اس اختیار کی دلیل شریعت کے مقاصد ہیں۔ اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ اہم اجتماعی مقاصد کے حصول کا اہتمام کرے۔ اور اسی ذمہ داری سے یہ حق پیدا ہوتا ہے کہ وہ اس کی ادائیگی کے لیے اصحابِ استطاعت سے ضروری وسائل حاصل کرے، شریعت کی نگاہ میں اجتماعی مقاصد اور مفادات انفرادی مقاصد اور مفادات سے زیادہ اہم ہیں اور اوّل الذکر کے حصول یا تحفظ کے لیے، ناگزیر حد تک، مؤخر الذکر کو قربان کیا جا سکتا ہے۔

ایسی ضرورت دورانِ جنگ، یا غذائی قلت کے زمانہ میں، یا عام حالات میں شاہراہوں، ریلوے لائنوں، نہروں، مساجد اور دوسری عام عمارتوں اور صنعتی مراکز کی تعمیر و توسیع کے لیے پیش آ سکتی ہے۔ یا دفاع، دعوتِ حق، تعلیم و تربیت، کفالتِ عامہ اور ملک کی معاشی ترقی وغیرہ سے متعلق اجتماعی منصوبوں کی تکمیل کے لیے پیش آ سکتی ہے۔

اس حکم کے بنیادی دلائل اور تعبیر کی بحث میں گذر چکے ہیں۔ خاص طور پر امام ابن تیمیہ کے جو اقتباسات پیش کیے گئے ہیں ان میں یہ اصول قطعی دلائل کے ساتھ ثابت کیا جا چکا ہے کہ اگر کسی مالک پر کسی چیز کا فروخت کرنا واجب ہو تو اسے ایسا کرنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔ مالک پر اپنی ملکیت کی فروخت واجب ہونے کا ایک سبب عموم الناس

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یا کسی فرد کو اس چیز کی شدید ضرورت ہونا، اور اس چیز کا مالک کی ضرورت سے زائد ہونا ہے[1]۔ یہ سبب زیرِ غور صورتِ حال میں بھی پایا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ پورے اجتماع کی ناگزیر ضرورت کسی فردِ واحد کی ناگزیر ضرورت سے بہت اہم ہے۔

اس اصول کے مطابق عمل کی نظیریں سنّت میں بھی ملتی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب مسجدِ حرام کی توسیع کا فیصلہ کیا تو اس سے ملحق مکانوں کو منہدم کرا کے اس زمین کو مسجد میں شامل کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ بعض مکانات کے مالک اپنے مکان فروخت کرنے پر آمادہ نہیں ہوئے تو آپ نے ان کو ایسا کرنے پر مجبور کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے دور میں مسجدِ حرام کی مزید توسیع عمل میں لائے اور آپ کو بھی یہی طریقہ استعمال کرنا پڑا، جیسا کہ ذیل کی روایت سے واضح ہے:

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ کے زمانہ میں مسجدِ حرام کے گرد کوئی چہار دیواری نہ تھی۔ جب عمر بن خطاب خلیفہ ہوئے اور آبادی بڑھ گئی تو آپ نے مسجد میں توسیع کی۔ آپ نے کچھ مکانات کو خرید کر منہدم کرایا اور مسجد کی حد میں شامل کر لیا۔ آپ نے مسجد کے پڑوس میں رہنے والے بعض افراد کے مکان اُن کی مرضی کے بغیر منہدم کرا دیے۔ ان لوگوں نے اپنے مکان فروخت کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ آپ نے ان مکانات کی قیمتیں مقرر کر دیں جن کو ان لوگوں نے بعد میں لے لیا۔ آپ نے مسجد کے گرد قدِ آدم سے نیچی چہار دیواری تعمیر کرائی جس پر چراغ رکھے جاتے تھے۔ جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو اُنہوں نے مزید مکانات خریدے اور ان کے ذریعہ مسجد کو اور زیادہ وسیع کیا۔ آپ نے بعض لوگوں کے مکان لے لیے اور ان کی قیمتیں مقرر کر دیں تو ان لوگوں نے بیت اللہ کے قریب آپ سے کٹ حجتی کی، آپ نے فرمایا کہ یہ جرأت تم میں میری بردباری اور نرمی کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہے ورنہ عمرؓ

---

[1] : الحسبۃ فی الاسلام: صفحہ ۱۴-۱۷، صفحہ ۱۹ اور صفحہ ۲۲-۲۳ کے وہ اقتباسات ملاحظہ ہوں جو اوپر نقل کیے جا چکے ہیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی تمہارے ساتھ یہی طریقہ اختیار کر چکے ہیں جس کو تم نے گوارا کیا اور مان گئے پھر آپ نے ان لوگوں کو قید کر دیا۔ بعد میں آپ سے عبداللہ بن خالد بن اسید بن العیص نے ان کے بارے میں سفارش کی تو آپ نے ان کو رہا کر دیا۔"[۵۱]

امام شاطبی نے لکھا ہے کہ یہی طریقہ مدینہ میں مسجد نبوی کی توسیع کے سلسلہ میں بھی اختیار کرنا پڑا تھا۔[۵۲]

مسجد کی توسیع کی ضرورت پر سڑکوں اور نہروں کی تعمیر، بند بنانے اور اس سے ملتی جلتی دوسری اجتماعی ضرورتوں کو بھی قیاس کیا جا سکتا ہے، اور جو طریقہ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے مسجد کی توسیع کے لیے مکان خریدنے میں استعمال کیا وہی عام ضرورت کی ان چیزوں کے سلسلہ میں بھی اختیار کیا جا سکتا ہے۔

ایک معاصر محقق، ڈاکٹر عبدالرزاق احمد السنہوری، اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جبر کے شرعی استعمال کی بہت سی صورتیں ہیں۔ مثلاً قاضی کا مقروض پر قرض خواہوں کی خاطر اس کے سامان کی فروخت کے سلسلہ میں جبر، جس پر خراج باقی ہو اس کو مجبور کرنا کہ خراج ادا کرنے کے لیے اپنا مال فروخت کرے، اور جس کا گھر مسجد جامع سے یا سڑک سے ملحق ہو، اور ان کی توسیع کے لیے اس جگہ کی ضرورت ہو، اسے اپنے گھر کی فروخت پر مجبور کرنا، اور افسران حکومت کو اپنے مال کی فروخت پر مجبور کرنا تاکہ انہوں نے لوگوں سے جو مال زبردستی چھین کر جمع کر لیا ہو وہ ان سے واپس لیا جا سکے۔ یہ ساری صورتیں جبر کی شرعی صورتیں ہیں جن کو اکراہ نہیں شمار کیا جائے گا، کیونکہ یہ ایک شرعی حق پر مبنی اکراہ ہے، یا ایسا اکراہ ہے جس کے ذریعہ ایک شرعی مقصد کا حصول

---

[۵۱]: بلاذری: فتوح البلدان۔ صفحہ ۵۰۔ نیز ملاحظہ ہو تاریخ طبری صفحہ ۲۵۳۰ (۱۷ھ) اور صفحہ ۲۸۱۱ (۲۶ھ)

[۵۲]: شاطبی: الموافقات۔ جلد ۲۔ صفحہ ۳۴۹

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرنا مطلوب ہے۔

خرشی (۵/۹) میں آیا ہے کہ ...... جو شرعاً درست اکراہ کی ایک شکل یہ ہے کہ سڑک بنانے کے لیے، یا مسجد کی توسیع کے لیے زمین کی فروخت پر مجبور کیا جائے۔ یا کھانے کی فروخت پر مجبور کیا جائے جبکہ اس کی ضرورت ہو؛ اور مواق (۴/۲۵۲) میں ہے کہ ..... فقہاء نے صراحت کی ہے کہ جس طرح کسی فرد کو اس کے ذمہ واجب کسی حق کے وصول کرنے کے لیے اپنے مال کی فروخت پر مجبور کیا جا سکتا ہے، اسی طرح مسجد جمعہ کی توسیع کے لیے زمین والے کو اپنی زمین فروخت کرنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔ ابن رشد نے یہ فتویٰ دیا ہے، اور سحنون نے بھی یہی کہا ہے کہ اگر کسی سڑک کو دریا نے غرق کر دیا ہو اور اس سے متصل کوئی زمین ہو جس کے علاوہ عوام کے لیے کوئی اور گزرگاہ نہ ممکن ہو تو اس زمین کے مالک کو اس میں سے راستہ (کے بقدر زمین) کی فروخت پر مجبور کیا جائے گا جس کے عوض امام بیت المال سے اسے قیمت ادا کرے گا ......
اسی طرح پیاسے کے لیے اور اس شخص کے لیے جس کا اپنا کنواں منہدم ہو گیا ہو (پانی کے مالک کو) پانی کی فروخت پر اور محتکر کو ذخیرہ کیے ہوئے غلہ کی فروخت پر (اور ...... ان درختوں کی فروخت پر جن کا سلطان مطالبہ کرے اور مالک نہ دے تو سلطان ان لوگوں کو اس پر مجبور کرے گا ......۱۵ "

یہی رائے ایک دوسرے معاصر فقیہ ڈاکٹر یوسف موسیٰ نے بھی ظاہر کی ہے اور حنفی مسلک بھی یہی ہے کہ:

۱۵: عبدالرزاق احمد السنہوری: مصادر الحق فی الفقہ الاسلامی۔ جلد ۲ صفحہ ۱۱۲۔ جامعۃ الدول العربیہ ۱۹۵۵ء

۱۶: یوسف موسیٰ: الاموال ذنظریۃ العقد فی الاسلام۔ صفحہ ۲۰۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"جب مصلحت عامہ کا تقاضا ہو کہ کسی ملکیت کو شاہراہِ عام کی توسیع کے لیے حاصل کیا جائے تو وہ ملکیت قیمت دے کر لے لی جائے گی لیکن اسے اس کے مالک سے اس وقت تک نہ لیا جائے گا جب تک اس کی وہ قیمت نہ ادا کر دی جائے جو واقف کار راستباز لوگوں کے نزدیک مناسب ہو"[۵]

دورِ جدید میں ریاست کو بعض حالات میں جبری خرید کا اقدام کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً اگر عام غذائی قلت کا مقابلہ راشننگ کے بغیر نہ کیا جا سکتا ہو، اور راشننگ کے نظام کو کامیاب بنانے کے لیے ضروری ہو کہ غلہ پیدا کرنے والوں اور فروخت کرنے والوں سے اسے جبراً خریدا جائے تو ایسا کیا جا سکتا ہے۔ عملاً یہ وہی اقدام ہے جسے امام ابن تیمیہ نے تسعیر کی بحث میں ایک جائز اقدام کی مثال کے طور پر پیش کیا ہے۔ اسی طرح جنگ کے زمانہ میں جنگ کی ضرورت کے مختلف سامان اگر معروف طریقہ سے خرید کر نہ حاصل کیے جا سکتے ہوں تو ان کو جبراً خریدنے کا اہتمام کرنا ہو گا۔ امام ابن تیمیہ نے اسلحہ کی جو مثال اوپر پیش کی ہے وہ اسی ذیل میں آتی ہے۔ جنگ کی ضرورت کے دوسرے سامانوں اور اسلحہ میں کوئی بنیادی فرق نہیں۔

بعض حالات میں ریاست کو عارضی طور پر کسی عمارت، قطعۂ زمین، سامان استعمال سواری کی گاڑی وغیرہ کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ اگر اس ضرورت کی تکمیل ناگزیر ہو، اور یہ اشیاء ان کے مالکوں سے معروف طریقہ پر کرایہ ادا کرنے کی شرط پر نہ حاصل کی جا سکیں تو مجبوراً ریاست کو انھیں جبراً حاصل کرنا پڑے گا۔ اصولی طور پر اس شکل اور جبراً خریدنے کی صورت میں کوئی فرق نہیں، کیونکہ کرایہ پر لینا بھی در اصل فوائد استعمال کو خریدنا ہے۔ جن حالات میں اور جن شرائط کے تحت خریدنے میں جبر کا استعمال جائز ہے انہی حالات میں اور انہی شرائط کے تحت کرایہ پر لینے میں بھی جبر کا استعمال درست ہے۔ جنگ کے علاوہ اس اقدام کی ضرورت دوسرے حالات میں بھی پڑ سکتی ہے۔ مثال کے طور پر وبا کے دوران

---

۵ : محمد قدری پاشا: مرشد الحیران۔ صفحہ ۲۶ (دفعہ ۱۶۵)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عارضی شفا خانوں کے قیام کے لیے عمارت کی ضرورت، کسی علاقہ میں غذائی سامان کی شدید قلت کے دوران وہاں سامانِ غذا لے جانے کے لیے گاڑیوں کی ضرورت وغیرہ۔

اسی اصول کا اطلاق محنت اور دوسری خدمات حاصل کرنے میں جبر کے استعمال پر بھی ہو گا۔ اگر اجتماعی اغراض کے لیے مزدوروں کی، یا کوئی خاص فن جاننے والے افراد کی، کسی خاص علم کے ماہرین کی، یا ڈاکٹروں کی ضرورت ہو اور متعلق افراد معروف معاوضوں پر اپنی خدمات پیش کرنے کے لیے تیار نہ ہوں تو اسلامی ریاست ان کو کام کرنے پر مجبور کر سکتی ہے۔ اوپر تسعیر کی بحث میں یہ بات سامنے آچکی ہے کہ جن افراد پر کسی خدمت کا بجالانا واجب ہو، اور ان کی خدمات کی عام ضرورت ہو، ان کو معاوضہ کی معروف شرحوں پر کام کرنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔ اس اقدام کی ضرورت جنگ کے حالات میں بالکل واضح ہے۔ اچانک سیلاب کا خطرہ ہو اور فوری طور پر بند تعمیر کرنا ضروری ہو تو گرد و نواح کے قابلِ کار آدمیوں کو اس کام میں لگ جانے پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔

یہ بات محلِ نظر ہے کہ اگر ناگزیر اجتماعی مصالح کے تحفظ کے لیے عارضی طور پر کسی سامانِ استعمال کی ضرورت ہو تو ریاست اسے حاصل کر کے اس کا کرایہ دینے کی پابند ہو گی یا اسے عاریتاً بھی طلب کیا جا سکتا ہے، اور اگر اس کے مالک اس پر راضی نہ ہوں تو عاریت لینے میں جبر کا استعمال کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔

مزید محاصل کی بحث میں ہم نے جو اصولی نتیجہ نکالا ہے۔ اس کی روشنی میں اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ریاست بعض ناگزیر حالات میں عاریت لینے میں جبر کا استعمال کر سکتی ہے۔ اگر کسی شخص سے اس کے مال کا ایک حصہ مستقل طور پر بشکلِ محصول لیا جا سکتا ہے، تو اس کے مال کے ایک حصہ کو عارضی استعمال کے لیے لینے کی بھی گنجائش ہے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ یہاں بھی وہی شرائط ملحوظ رکھی جائیں جن کا ذکر مزید محاصل کی بحث میں کیا جا چکا ہے۔ یعنی یہ کہ متعلقہ چیز مالک کی ضرورت سے زیادہ ہو۔ اس کا عارضی طور پر حاصل کرنا اس مالک کے لیے ایک ناقابلِ برداشت تکلیف نہ ہو اور اس طرح کا بار کسی ایک

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرد یا چند افراد پر اس طرح نہ ڈالا جائے کہ ان کو امتیازی سلوک کی شکایت ہو۔

چھٹے باب میں ہم یہ واضح کر چکے ہیں کہ جس طرح شدید ضرورت کی حالت میں انسان کو اس کی ضرورت کی چیز دے دینا مالک پر فرض ہے۔ اسی طرح مضطر کا اضطرار دفع کرنے کے لیے سامانِ ضرورت کو عاریتًا دینا بھی ضروری ہے۔ ظاہر ہے کہ جب ایک فرد کی ناگزیر ضرورت کے لیے مالک پر ایسا کرنا واجب ہے تو پورے اجتماع کی ناگزیر ضرورت دفع کرنے کے لیے ایسا کرنا اس پر بدرجۂ اولیٰ واجب ہوگا۔ اگر ریاست کے پاس اس مستعار چیز کا کرایہ ادا کرنے کے وسائل موجود ہوں تو اسے اس کا کرایہ ادا کرنا چاہیے لیکن اگر اس کے پاس اس کے لیے مال موجود نہ ہو اور کرایہ نہ ادا کرنے سے مالک پر کوئی ناقابلِ برداشت بار نہ پڑتا ہو، تو وہ بغیر کرایہ ادا کیے بھی اپنی ضرورت پوری کر سکتی ہے۔

البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ زیادہ منصفانہ طریقہ یہ ہوگا کہ اگر ریاست کے پاس مال نہ ہو تو وہ مزید محاصل کے ذریعہ اصحابِ استطاعت سے مال حاصل کرے اور[1] جن اشیاء استعمال کو ضرورت کی بنا پر افراد سے لیا جائے ان کا کرایہ اس مال میں سے ادا کرے۔ ہمارے نزدیک یہ ایک خالصتًا انتظامی مسئلہ ہے، اور اس کے بارے میں ریاست کو اس زمانہ اور مقام کے مصالح کے پیشِ نظر کوئی فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل ہے۔

یہی حکم ان خدمات کے معاوضہ کا ہے جو ناگزیر ضرورت کی بناء پر ریاست اپنے کسی شہری سے اس کی مرضی کے خلاف حاصل کرے۔ عام اصول یہی ہے کہ ان خدمات کا معروف شرحوں کے مطابق معاوضہ ادا کرنا چاہیے۔ لیکن اگر یہ خدمات عارضی طور پر حاصل کی گئی ہوں، ریاست کے پاس معروف شرحوں کے مطابق معاوضے یا اُجرتیں ادا کرنے کے وسائل نہ ہوں۔ اور معاوضے نہ ادا کرنے سے ان افراد پر کوئی ناقابلِ برداشت بار نہ پڑتا ہو تو ان سے بلامعاوضہ بھی خدمت لی جاسکتی ہے۔ اس اختیار کے دلائل وہی ہیں جن کی طرف اُوپر اشارہ کیا جا چکا ہے۔ جن حالات میں جن افراد کے لیے یہ واجب ہو کہ وہ بغیر معاوضہ کے کسی فرد یا پورے اجتماع کی کوئی خدمت انجام دیں ان حالات میں ان افراد کو ریاست یہ خدمات بجا لانے پر مجبور بھی کر سکتی ہے۔ اس کی مثال میں کسی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علاقہ پر دشمن کے حملہ کی شکل میں دفاعی جدوجہد میں شرکت، اچانک سیلاب یا زلزلہ آجانے پر عام افراد معاشرہ کی جان و مال کو بچانے کی کوشش، اور وبائے عام کے دوران ڈاکٹروں پر طبی امداد کے فرض وغیرہ کو پیش کیا جاسکتا ہے۔

نقد سرمایہ کو قرض لینے میں جبر کے استعمال کی ضرورت غالباً کم ہی پیش آئے گی، کیونکہ اسلامی ریاست کو اپنی مالی ضروریات کی تکمیل کے لیے محاصل عائد کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ لیکن اصولی طور پر یہ اختیار بھی اسلامی ریاست کو انہی حالات میں اور انہی دلیلوں کی بنا پر، انہی شرائط کے تحت حاصل ہے جن پر عاریت لینے کے سلسلہ میں گفتگو کی جاچکی ہے۔ دورِ جدید میں ریاستی قرضوں کی ضرورت جنگ کے زمانہ میں پڑتی ہے یا ترقیاتی کاموں کے لیے۔ اگر اجتماعی مصالح کا تقاضا ہو تو اسلامی ریاست بھی ان حالات میں اپنے افراد سے قرض لے سکتی ہے۔ البتہ یہ بات زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے کہ جنگ کے جملہ اخراجات مزید محاصل عائد کر کے پورے کیے جائیں اور ترقیاتی کاموں کے لیے جبراً قرض لینے کی بجائے نفع میں شرکت کے اصول پر افراد سے سرمایہ حاصل کیا جائے اور انھیں نسبتاً جلد نفع آور ہونے والے کاموں میں لگایا جائے۔ افراد سے قرض لینے کا ایک مقصد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کے پاس قابل صرف مال کم ہو جائے تاکہ مجموعی طلب یا غنبائے زر (Total Money Demand) میں کمی ہو اور افراطِ زر سے پیدا ہونے والی خرابیوں کا مقابلہ کیا جاسکے۔ اس مقصد کے لیے محاصل بھی عائد کیے جاسکتے ہیں۔

اس بحث سے قطع نظر کہ وہ کونسے عملی حالات ہو سکتے ہیں جن میں ریاست قرض لینے اور اس کے لیے جبر کا استعمال کرنے پر مجبور ہو، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جبراً قرض لینا صاحبِ مال سے اموالِ فاضلہ کے مطالبہ کے مقابلہ میں اُس کے ساتھ ایک رعایت ہے۔ جن حالات میں شریعت اموالِ فاضلہ کے مطالبہ کی اجازت دیتی ہو ان میں جبراً قرض لینا بدرجۂ اولیٰ جائز ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ح - قومی تحویل میں لے لینا

اسلامی ریاست کی معاشی ذمہ داریوں کی بحث میں[1] یہ بات واضح کی جا چکی ہے کہ دورِ جدید کی ایک اسلامی ریاست کو ملک کی معاشی تعمیر و ترقی کے لیے صنعت و زراعت میں براہِ راست دلچسپی لینی ہو گی۔ ریاست پر اجتماعی مصالح کے تحفظ، ضرر کے ازالہ اور دفاعی قوت بہم پہنچانے کی جو بنیادی ذمہ داریاں عائد کی گئی ہیں ان کا تقاضا ہے کہ بعض صنعتوں کو ریاست اپنے ہاتھ میں رکھے۔ اسلحہ اور فوجی ضرورت کے بنیادی سامانوں کی تیاری۔ ایٹمی توانائی اور اس کے فوجی یا پرامن استعمال سے متعلق صنعتیں اسی ذیل میں آتی ہیں۔ اس طرح اجتماعی مصالح کے پیش نظر ڈاک اور تار کا محکمہ، مرکزی بنکنگ (Central Banking) اور بیمہ (Insurance) کے ادارے، بڑے پیمانہ پر آب پاشی کے لیے بند اور نہروں کی تعمیر، اور ذرائع نقل و حمل مثلاً سڑکوں، پلوں، ریلوے لائنوں، ہوائی اڈوں اور بندرگاہوں کا انتظام ریاست کو اپنے ہاتھوں میں رکھنا ہو گا۔ یہاں ان امور پر تفصیلی بحث کا موقع نہیں۔ ایک اصولی بات یہ ہے کہ یہ امور اپنی نوعیت کے اعتبار سے "کاروبار" کی تعریف میں نہیں آتے بلکہ یہ سماجی خدمت کے وہ ادارے ہیں جن کو نفع آور بنیادوں پر چلانے سے اجتماعی مفاد کے مجروح ہونے کا اندیشہ ہے۔ اجزائے زر اور نظام اعتبار (Credit). جیسے امور پر ریاست کا کنٹرول ضروری ہے۔ اگر ان امور کو نفع آور بنیادوں پر چلانے کے لیے افراد کے ہاتھوں میں چھوڑ دیا جائے تو ضررِ عظیم کا اندیشہ ہے۔

یہاں ہم ان امور پر نہیں بحث کریں گے جن کو ایک اسلامی ریاست آغاز ہی سے قومی امور قرار دے کر ریاست کی زیر نگرانی انجام دینے کا فیصلہ کرے۔ اس وقت ان صنعتوں اور کاروباری اداروں کے مسئلہ پر غور کرنا ہے جو عام طور پر افراد کے ہاتھوں میں رہتے ہیں۔ مصلحت اور ضرورت کی بنا پر اگر اسلامی ریاست ان میں سے کسی صنعت یا کاروباری ادارہ کو قومی تحویل میں لے لینا ضروری سمجھے تو کیا وہ ایسا کر سکے گی؟ اگر اسے

[1] باب

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ اختیار حاصل ہے تو کن حالات میں اور کن شرائط کے تحت ؟

ہماری رائے یہ ہے کہ اسلامی ریاست کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ ضرر کے ازالہ مفاد عامہ کے تحفظ اور اجتماعی مصالح کی ترویج کے لیے کسی کاروبار ی ادارہ یا صنعت کو افراد کی ملکیت سے نکال کر قومی تحویل میں لے لے۔ البتہ ایسا کرتے وقت وہ متعلق افراد کو ان کی ملکیت کا پورا معاوضہ دے گی اور ان کے انفرادی مصالح کے تحفظ، اور ان کو ہونے والے نقصان کی تلافی کا ہر ممکن اہتمام کرے گی۔

اسلامی ریاست کے اس اختیار کے دلائل اس کی وہ وسیع ذمہ داریاں ہیں جن کا ہم مطالعہ کر چکے ہیں۔ ان اختیارات کا منبع شریعت کے مقاصد اور اس کا یہ بنیادی اصول ہے کہ ضرر کا ازالہ ضروری ہے، اور بڑے ضرر کے ازالہ کے لیے اگر ناگزیر ہو تو ایسے طریقے بھی اختیار کیے جا سکتے ہیں جو اس سے کمتر ضرر کے حامل ہوں۔ نیز یہ کہ اجتماعی مصالح انفرادی مصالح کے مقابلہ میں زیادہ وزنی اور قابل لحاظ ہیں۔

اسی پہلی بحثوں سے یہ اصول واضح ہو چکا ہے کہ اسلامی ریاست انفرادی حقوق ملکیت میں ہر وہ مداخلت کر سکتی ہے جو ضرر عام کے ازالہ، اور اجتماعی مصالح کے تحفظ کے لیے ناگزیر ہو جائے۔ عام حالات میں افراد کے وسیع مالکانہ حقوق میں کوئی مداخلت نہیں کی جائے گی بلکہ ریاست ان حقوق کی محافظ ہو گی اور ایک فرد کے مالکانہ حقوق کو دوسرے افراد کی دست اندازی سے بچانے کی کوشش کرے گی۔ اسی طرح عام حالات میں ریاست کسی فرد سے اس کی ملکیت اس کی رضامندی کے بغیر نہیں حاصل کر سکے گی۔

لیکن اوپر حجر، تسعیر، جبری خرید اور مزید محاصل کی بحث میں ہم یہ بھی واضح کر چکے ہیں کہ مخصوص حالات میں ریاست عام اصول کے برخلاف انفرادی آزادی اور انفرادی حقوق ملکیت میں مداخلت کر سکتی ہے اور اس سلسلہ میں جبر کا استعمال بھی کر سکتی ہے۔ عام اصول سے اس گریز کا منشا در اصل افراد ہی کے بالاتر مفادات و مصالح کا تحفظ ہے کیونکہ ضرر عام کے ازالہ اور اجتماعی مصالح کے تحفظ سے بالآخر افراد ہی مستفید ہوتے ہیں۔ غیر معمولی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حالات کے ان استثنائی اختیارات کا ماخذ قرآن وسنت کے نصوص اور شریعت کے اصول ہیں جن کو گذشتہ مباحث میں پیش کیا جا چکا ہے۔

کسی کاروبار یا صنعت کو قومی تحویل میں لینے کی ضرورت مختلف اسباب کی بنا پر پیدا ہو سکتی ہے۔ یہاں ان اسباب کا احاطہ ممکن نہیں، البتہ چند مثالوں کے ذریعہ ہم مذکورہ بالا اصول کو واضح کریں گے۔

سماجی خدمت سے متعلق چند امور ایسے ہیں جن کو ایک اسلامی ریاست آغاز کار ہی سے اپنے ہاتھوں میں رکھے گی۔ لیکن یہ بات بعید از قیاس نہیں کہ دورِ جدید میں جب کسی ملک میں ریاست کی اسلامی تشکیل نو عمل میں لائی جائے تو ان میں سے بعض امور افراد کے ہاتھوں میں پائے جائیں۔ اس کی ایک موزوں مثال تامین (Insurance) کے ادارے ہیں۔ آج کل تامین کے ادارے سودی بنیادوں پر ایک نفع آور کاروبار کے طور پر چلائے جاتے ہیں۔ ایک اسلامی معاشرہ میں اس کام کو سود کی لعنت سے پاک کر کے تعاونِ باہمی کی بنیادوں پر از سرِ نو منظم کرنا ہوگا۔ اس بنیادی تبدیلی کے نتیجہ میں یہ کاروبار ایک سماجی خدمت میں تبدیل ہو جائے گا اور بعید نہیں کہ کاروباری لحاظ سے زیادہ نفع بخش نہ رہ جائے۔ ایسی صورت میں اگر ریاست اسے اپنی نگرانی میں نہ چلائے تو ملک تامین کے اداروں سے محروم رہ جائے گا جو ضررِ عظیم کا باعث ہوگا۔ ریاست اور تامین کے کام کے درمیان مناسبت کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ تامین کی بعض قسموں کا کفالت عامہ کے اس فریضہ سے بہت قریبی تعلق ہے جسے ریاست کو بہرصورت انجام دینا ہے۔

اگر نوعیت کی تبدیلی کے باوجود افراد تامین کے اداروں کو انفرادی کاروبار کے طور پر چلانے کے لیے آمادہ ہوں، یا تعاونِ باہمی کی بنیادوں پر بطورِ خود اس کی تنظیم کرنا چاہیں تو بھی اس بات کا امکان ہے کہ ریاست اسے زیادہ مفید، وسیع اور جامع بنانے کے لیے یہ ضروری سمجھے کہ تامین کا کام کلیتہً اسی کے ہاتھوں میں ہو۔ اس فیصلہ کو عمل کا جامہ پہنانے کے لیے ضروری ہوگا کہ تامین کے جو ادارے افراد کے ہاتھوں میں ہوں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان کو قومی تحویل میں لے لیا جائے۔

یہاں کسی کو یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ ہمارے نزدیک تامین کے ادارے لازماً ریاست ہی کے ہاتھ میں ہونے چاہئیں اور افراد کے لیے ان اداروں کی غیر سودی تنظیم محال ہے۔ ہم نے صرف ایک مثال دی ہے۔ ہمارا منشاء صرف اتنا ہے کہ ایک اسلامی معاشرہ شورائی طریقہ پر یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ لے تامین کو قومی امور میں شمار کرنا چاہیے اور اس کام کو ریاست کے زیرِ نگرانی انجام پانا چاہیے۔

ایک دوسری مثال ان صنعتوں اور کاروباری اداروں کی ہے جن کے انفرادی کاروبار ہونے پر اسلامی ریاست کو اصولاً کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ لیکن جو افراد ان اداروں کو چلا رہے ہوں ان کی مجموعی پالیسی اگر سماج کے لیے مضر ہو اور اجتماعی مصالح کو مجروح کر رہی ہو تو ریاست اصلاحِ حال کے لیے مداخلت کرے گی۔ مضر پالیسی کا تعلق پیداوار کے معیا یا مقدار سے، اس کی قیمتوں سے یا مزدور اور کاروباری اداروں کے باہمی تعلق سے ہو سکتا ہے۔ ریاست احتساب اور تنبیہ اور دوسری پابندیاں عائد کر کے اصلاحِ حال کی کوشش کرے گی۔ لیکن اگر یہ طریقے، خواہ وہ رہنمائی اور فہمائش و تنبیہ سے تعلق رکھتے ہوں یا ضابطہ بندی سے، اجتماعی مصالح کے تحفظ اور ضرر کے ازالہ کے لیے کافی نہ ہوں تو آخری چارۂ کار کے طور پر ریاست کو اختیار ہوگا کہ وہ اس کاروبار کو بند کرنے کا حکم صادر کر دے یا اُسے قومی تحویل میں لے لے۔ ظاہر ہے کہ پہلا طریقہ ہر حال میں قابلِ عمل نہیں ہوتا کیونکہ عین ممکن ہے کہ اس کاروبار کا تعلق ایسی بنیادی ضرورت کی چیزوں سے ہو جن کی پیداوار بند ہو جانے یا اس میں غیر معمولی کمی آ جانے سے بہت بڑے ضرر کا اندیشہ ہو۔ عام ضرورت کی چیزیں مثلاً غذائی اشیاء، دوائیں، تعلیم کے لیے کتابیں، سینما اور ٹیلی ویژن وغیرہ صنعتیں اس سلسلہ میں قابلِ ذکر ہیں۔

اصلاحِ حال کے لیے اس آخری اقدام کی ضرورت ایسے کاروباری اداروں کے ضمن میں خاص طور پر پیش آ سکتی ہیں جو مشترکہ کاروبار Joint Stock Company کے طور پر چلائے جا رہے ہوں، یا جن کی تنظیم تعاون باہمی (Co-operative) کے اصول پر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی گئی ہو اور جن کے مدیر و نگران (Directors) حصہ داروں کے مفادات و مصالح کا ما حقہ لحاظ رکھنے میں ناکام ثابت ہوں۔ اگر اصلاحِ حال کی دوسری تدابیر ناکام ثابت ہوں تو ریاست کو چاہیے کہ ان کی ادارت اور نگرانی کا کام اپنے ہاتھ میں لے لے۔

یہی حال ان صنعتوں کا ہے جو قدرتی طور پر اجارہ دارانہ ہوتی ہیں۔ مثلاً ایک شہر میں بجلی، گیس اور پانی فراہم کرنے کے کارخانے۔ ایسے اجارہ دارانہ اداروں کو قیمتوں کی تعیین اور دوسری قانونی پابندیوں کے ذریعہ مصالح عامہ کا خادم بنایا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر یہ تدابیر کامیاب نہ ہوں، یا متعدد اداروں کے درمیان باہمی مسابقت بہت سے وسائل کے ضیاع کا سبب بن رہی ہو تو ریاست ایسے اداروں کا انتظام پوری طرح یا جزوی طور پر اپنے ہاتھ میں لے سکتی ہے۔

بعض صنعتیں ملک کی معاشی تعمیر و ترقی کے منصوبہ کے لیے کلیدی اہمیت کی حامل ہوتی ہیں۔ بھاری صنعتیں (Heavy Industries) مثلاً فولاد سازی اور مشین سازی، کیمیاوی مرکبات تیار کرنا، پٹرول اور دوسری اہم معدنیات اور بجلی کی طاقت پیدا کرنے والے کارخانے اسی ذیل میں آتے ہیں۔ ان صنعتوں کی کارکردگی پر پورے منصوبہ کی تکمیل کا انحصار ہوتا ہے۔ ان صنعتوں میں سرمایہ کی بھاری مقدار درکار ہوتی ہے اور مال کی تیاری میں ایک طویل عرصہ لگتا ہے۔ اگر ان صنعتوں کے نشوونما کو تمام تر انفرادی کاروبار پر چھوڑ دیا جائے تو اس بات کا یقین نہیں رہتا کہ ان کی مناسب تنظیم عمل میں آسکے گی اور وقت آنے پر منصوبہ کے دوسرے کاموں کے لیے ان صنعتوں سے مطلوبہ مقداروں میں تیار شدہ مال مل سکے گا۔ یہی وجہ ہے کہ دورِ جدید کے متعدد کم ترقی یافتہ ممالک میں جہاں منصوبہ بندی کے ساتھ معاشی ترقی کی جدوجہد کی جارہی ہے ان صنعتوں کو قومی تحویل میں رکھنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ ایسا کرنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ ان صنعتوں کی بڑے پیمانہ پر تنظیم اور اس طرح لاگت میں ممکن کفایت کے ساتھ معیاری مال کی تیاری ریاست کے وسیع وسائل کے پیش نظر زیادہ آسانی سے ممکن ہو سکے گی۔ ان دلائل کے باوجود ان کلیدی صنعتوں کو قومی تحویل میں رکھنے کا مسئلہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ماہرین معاشیات کے نزدیک اختلافی ہے۔ یہاں ہم اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتے، ہمیں صرف اسی اصولی بات پر زور دینا ہے کہ اگر کسی ملک کی اسلامی ریاست اپنے ملک کے حالات اور اپنی ضروریات کے پیش نظر اجتماعی مفاد کی ترویج کے لیے یہ ضروری سمجھے کہ ان صنعتوں کو قومی تحویل میں رکھا جائے تو وہ ایسا کرنے کا اختیار رکھتی ہے

جس طرح اجتماعی مفاد بعض صنعتوں کو قومی تحویل میں لے لینے کا متقاضی ہو سکتا ہے اسی طرح تجارت اور زراعت کے دائروں میں بھی ایسا کرنے کی ضرورت پیش آسکتی ہے۔ تجارت خارجہ کے مصالح اس بات کے متقاضی ہو سکتے ہیں کہ بعض اشیاء کی درآمد اور اندرون ملک ان کی رسد کا کام حکومت اپنے ہاتھوں میں لے لے۔ اسی طرح اندرون ملک سٹہ بازی، احتکار اور اجارہ داری کی روک تھام کی عام تدابیر کارگر نہ ہوں تو عام ضرورت کی چیزوں مثلاً غذائی اجناس کی تجارت کو حکومت قومی تحویل میں لے لینے کا فیصلہ کر سکتی ہے۔ معیشت کے زرعی دائرہ میں ایسی مداخلت کی ضرورت کم پیش آتی ہے مگر جب ضرورت پیش آجائے تو یہی اقدام اس دائرہ میں بھی کیا جاسکتا ہے۔

ان مثالوں کے ذریعہ یہ بات بآسانی سمجھی جا سکتی ہے کہ اسلامی ریاست کو کسی صنعت یا کاروباری ادارہ کو انفرادی ملکیت سے نکال کر قومی ملکیت بنا لینے کا اختیار صرف انہی حالات میں ہے جبکہ اجتماعی مصالح کے تحفظ اور ضرر کے ازالہ کے لئے ایسا کرنا ضروری ہو یا ملک کی معاشی ترقی اور اس کے مفادات کی ترویج کے لئے ایسا کرنا مناسب خیال کیا جائے۔ دوسرے باب میں ہم مختصراً یہ واضح کر چکے ہیں کہ تمام ذرائع پیداوار اور ملک کے جملہ صنعتی اور زرعی کاروبار کو قومی تحویل میں لے لینے کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔ اوپر کی بحث سے بھی اسی اصول کی تائید ہوتی ہے۔ یہ بات بعید از قیاس ہے کہ ضرر کے ازالہ، مصالح کے تحفظ اور مفادات کی ترویج کے لیے مکمل قومی ملکیت کا اصول اپنانا ناگزیر ہو جائے۔ ایسا کرنے کے حق میں جو معاشی اور منطقی دلائل دیے گئے ہیں ان کی کمزوری ہم دوسرے باب میں واضح کر چکے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ انفرادی کاروبار کرنے والوں کو ناکافی، غیر ذمہ دارانہ روش ......

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سماج دشمن حرکتوں کی بنا پر بھی ایسا کرنے کی ضرورت پیش آسکتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ افراد معاشرہ کے عام فساد مزاج کا علاج ذمہ داریوں کو ان کے ہاتھ سے نکال کر ریاست کے ہاتھ میں سے لینے سے نہیں ہوسکتا کیونکہ ریاست کے بیے کارکن اور عمال بھی انہی افراد میں سے مل سکتے ہیں۔ اس کا علاج صرف یہ ہے کہ ریاست پوری قوت کے ساتھ اپنی توجہات تعلیم و تربیت، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور احتساب پر مرکوز کردے ایک اصولی حقیقت یہ بھی ہے کہ شارع نے جو احکام عام حالات کے لیے دیے ہیں ان سب کو معطل کر کے ان کی جگہ ان خصوصی اختیارات اور استثنائی احکام کو دے دینا جو مخصوص حالات کے لیے دیے گئے ہیں شارع کے منشا کی کھلی ہوئی خلاف ورزی ہوگی۔

یہ حقیقت بھی اوپر واضح کی جاچکی ہے کہ معاشی مصالح کی خاطر کوئی ایسا اقدام کرنا دانشمندی کے خلاف ہے جو زندگی کے سیاسی، اخلاقی اور روحانی مصالح کو پامال کرتے ہوئے پوری زندگی کے توازن کو درہم برہم کردے۔

ط - تحدیدِ ملکیّت

اسلام نے افراد کے حقِ ملکیت پر تعداد یا مقدار کے اعتبار سے کسی تحدید کی ضرورت نہیں سمجھی ہے۔ اس نے حصولِ ملکیت کے جائز طریقوں، حقِ ملکیت سے وابستہ حدود اور ذمہ داریوں اور اجتماعی ضرورت کے لیے افراد سے مال و املاک حاصل کرنے کے مناسب طریقوں کی نشاندہی کردی ہے۔ ان اصولوں کی روشنی میں مال و املاک سے متعلق انسانی مصالح کا حصول عمل میں لایا جاسکتا ہے۔ لیکن بعض حالات میں انہی مصالح کے تحفظ کے لیے یہ مناسب سمجھا جاسکتا ہے کہ ایک فرد ایک خاص طرح کی ملکیت کی ایک محدود مقدار سے زیادہ نہیں رکھ سکتا۔

تحدیدِ ملکیت کی ضرورت جن مقاصد کے لیے پیش آسکتی ہے ان میں اسراف اور عیش کوشی کا سدباب، سماج میں دولت کی تقسیم کے اندر پائے جانے والے تفاوت کو کم

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرنا، اجارہ داری اور معاشی قوت کے تمرکز کا سدباب اور ملک کے قدرتی وسائل سے بہتر طریقہ پر استفادہ شامل ہیں۔

اسراف کی روک تھام کے لیے تحدید ملکیت کی طرف اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے۔ اس کی نظیر کے طور پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وہ حکم بھی پیش کیا جا چکا ہے جو انہوں نے کوفہ میں مکانات کی تعمیر کے سلسلہ میں دیا تھا۔ آپ نے یہ پابندی عائد کر دی تھی کہ کوئی ایک فرد تین مکانات سے زیادہ نہ تعمیر کرے[۵]۔ آرام و آسائش کے دوسرے سامانوں اور ملکیت کی دوسری اقسام کو بھی اسی پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔

دولت اور آمدنی کی تقسیم میں پائی جانے والی ناہمواری کو دور کرنے کے لیے بھی اسلام کے متعلق نظام محاصل میں اس بات کی صلاحیت رکھی گئی ہے کہ وہ مال کے ایک حصہ کو اصحاب مال سے نادار لوگوں کی طرف منتقل کرتا رہے۔ ایک محدود دائرہ میں اسلام کا نظام وراثت بھی یہی کام کرتا ہے۔ اسلامی ریاست کو مزید محاصل عائد کرنے کا جو اختیار دیا گیا ہے اس سے بھی یہ کام لیا جا سکتا ہے۔

لیکن وہ اسلامی ریاستیں ایک مخصوص صورت حال سے دوچار ہو سکتی ہیں جو کسی ملک میں عرصہ تک ایک غیر اسلامی، غیر منصفانہ نظام کے تسلسل کے بعد از سر نو قائم ہوئی ہوں۔ یہ ممکن ہے کہ اس ملک میں ماضی کے غیر عادلانہ نظام کی بدولت زمین، غیر منقولہ جائداد، صنعتی کارخانوں اور سرمایہ کی ایک اچھی خاصی مقدار چھوٹے سے طبقے کے ہاتھوں میں مرکوز ہو چکی ہو۔ جہاں تک نقد سرمایہ اور کاروبار میں لگے ہوئے سرمایہ کا تعلق ہے یہ کہا جا سکتا ہے کہ زکوٰۃ اور مزید محاصل کے ذریعہ تھوڑے ہی عرصہ میں مال کا ایک بڑا حصہ دولت مند طبقہ سے نادار طبقہ کی طرف منتقل ہو جائے گا لیکن زمین اور غیر منقولہ جائداد اور کارخانوں کے سلسلہ میں یہ بات نہیں کہی جا سکتی ہے۔ زکوٰۃ اور مزید محاصل کا اثر صرف زمین کی پیداوار اور غیر منقولہ جائداد سے ہونے والی آمدنی پر پڑے گا۔ اصل املاک پر نہیں پڑے گا۔ وراثت کے ذریعہ بھی یہ املاک ایک محدود طبقہ ہی کے اندر تقسیم اور جمع کے عمل سے گزرتی رہیں گی۔ کیونکہ شادی بیاہ کے

[۵] طبری: تاریخ، صفحہ ۲۴۸۰-۲۴۹۰، ۱۶ھ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تعلقات عام طور پر ایک دائرہ کے اندر محدود رہتے ہیں ، نیز قانونِ وراثت کا عمل خاصا سست رفتار واقع ہوا ہے ۔

اس مسئلہ کی عملی اہمیت ان ممالک کے لیے بہت اہم ہے ۔ جن میں زمین کی ملکیت جاگیردارانہ نظام کی وجہ سے ایسے لوگوں کے ہاتھ میں مرکوز ہے جو خود زرعی عمل میں کوئی حصہ نہیں لیتے ۔ یہ صورتِ حال سماج میں تقسیمِ دولت کے نقطۂ نظر سے تو قابلِ تشویش ہے ہی ، خود زراعت کی ترقی ، اور عام کاشتکاروں کی کارکردگی کے لیے بھی بہت مُضر ہے ۔

مزید برآں یہ کہ اکثر ممالک میں اس صورتِ حال کا ظہور کچھ ایسے اسباب کے نتائج میں ہوا ہے جو شریعت کے اصولوں سے انحراف کے نتیجہ میں پیدا ہوئے ہیں ۔ مثلاً بعض جاگیریں سامراجی طاقتوں کی خدمت اور اسلام اور مسلمانوں کے مفاد کو نقصان پہنچانے کے صلہ میں حاصل ہوئی ہیں ۔ بعض ممالک میں یہ صورتِ حال اس لیے رُونما ہوئی ہے کہ صدیوں پہلے ریاست نے خراجی زمینوں کے کاشتکاروں سے خراج وصول کرنے کے لیے بعض افراد کو محصّل یا ٹھیکیدار کی حیثیت دے دی تھی[1] ۔ ان افراد کی

---

[1] : اس طریقہ پر عمل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے شروع کیا تھا (ملاحظہ ہو ماوردی : الاحکام السلطانیہ صفحہ ۱۸۳ ، اور ضیاء الدین الریس : الخراج فی الدولۃ الاسلامیہ ۔ صفحہ ۱۴۱) ۸۲ھ تک یہی طریقہ رائج رہا ۔ یعنی خراجی زمینیں ریاست کی ملکیت سمجھی جاتی رہیں اور جن لوگوں کو یہ " بطور جاگیر " دی گئی تھیں وہ خراج وصول کر کے ریاست کو دیتے رہے ۔ پھر ۸۲ھ (عام الجماجم) میں ابن اشعث کی شورش کے دوران خراج سے متعلق رجسٹر جل گئے ، اور ان کا سارا ریکارڈ ضائع ہو گیا ۔ اس سے فائدہ اُٹھا کر لوگ ان خراجی علاقوں پر مالکانہ قبضہ کر بیٹھے ۔ (ملاحظہ ہو ماوردی : الاحکام السلطانیہ صفحہ ۱۸۳ ، اور ضیاء الدین الریس : الخراج فی الدولۃ الاسلامیہ ۔ صفحہ ۲۴۸ ۔ ۲۴۹) اسلامی ممالک کی موجودہ زمینداریوں اور جاگیرداریوں کا تاریخی پس منظر اکثر حالات میں یہی ہے ۔ جیسا کہ ذیل کے دو اقتباسات سے واضح ہے ، مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی کی رائے میں پاکستان میں بھی ایسی زمینداریاں موجود ہیں : ۲۹ جنوری ۱۹۵۶ء

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اصل حیثیت ریاست اور زمین پر موروثی قبضہ رکھنے والے کاشتکاروں، یا بعض فقہاء کے نزدیک زمین کے مالک کاشتکاروں کے درمیان ایک درمیانی واسطہ حکومت کے ایک ایجنٹ کی تھی۔ بعد میں ان ممالک کے سیاسی نظام میں بعض ایسے انقلابات آئے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کو سلہٹ، مشرقی پاکستان میں تقریر کرتے ہوئے مولانا نے فرمایا:

"اگر کوئی جائداد کسی کے قبضہ میں ہے تو اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا کہ اس کی نوعیت دریافت اور معلوم کیے بغیر اس شخص کو اس سے محروم کر دیا جائے۔ لیکن اگر یہ ثابت ہو جائے کہ وہ شرعاً اس پر قابض رہنے کا حق دار نہیں ہے۔ مثلاً یہ زمینداری دراصل مالیہ کی وصولی کے لیے اس کے سپرد بطور تحصیل دار کے کی گئی تھی یا بعض خدمات انجام دینے کے معاوضہ کی حیثیت سے دی گئی تھی۔ جو وہ انجام نہیں دے رہا ہے۔ یا اب ان خدمات کی ضرورت نہیں ہے تو اسے ضبط کیا جا سکتا ہے اور اس کا معاوضہ دینے کی بھی کوئی وجہ نہیں۔ یہ ہے وہ بات جو میں زمینداروں کے سلسلہ میں کہتا ہوں"

(روزنامہ تسنیم۔ لاہور۔ ۲۶ فروری ۱۹۵۶ء)

پھر ۵ مارچ ۱۹۵۶ء کو لاہور میں ایسوسی ایٹیڈ پریس آف پاکستان کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے مولانا مودودی نے کہا "کہ جو زمینداریاں اسلام کی روح کے منافی ہیں انہیں ملک کے دونوں حصوں میں ختم کر دینا چاہیے۔ مولانا نے تجویز پیش کی کہ ایک کمیشن مقرر کیا جائے جو ملک کی تمام زمینداریوں کی تحقیق کر کے بتائے کہ ان میں کون اسلام کی روح کے خلاف ہیں۔ مولانا کی ذاتی رائے یہ تھی کہ مشرقی پاکستان کی ۹۸ فی صدی زمینداریاں اسلام کی روح کے منافی ہیں۔ اور مغربی پاکستان کی زمینداریوں کی اکثریت بھی اسی طرح اسلام کے خلاف ہے" (روزنامہ تسنیم۔ لاہور۔ ۷ مارچ ۱۹۵۶ء)

یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ یہ صرف مولانا مودودی کی ذاتی رائے نہیں بلکہ ۱۹۵۷ء میں انتخاباتِ پنجاب کے لیے جماعت اسلامی پاکستان نے جو منشور شائع کیا تھا اس میں بھی اسی رائے کو مجوزہ زرعی اصلاحات کی بنیاد بنایا گیا۔ ملاحظہ ہو منشور جماعت اسلامی برائے انتخاباتِ پنجاب صفحہ ۲۲

www.KitaboSunnat.com

کہ یہ ٹھیکہ دار اور محصل ان علاقوں کے مالک بن بیٹھے جن کے خراج کی تحصیل پر ان کو مامور کیا گیا تھا۔

ایسی صورتِ حال میں اصلاحِ حال کے لیے صرف عام طریقوں پر اکتفا نہیں کیا جا سکتا، بلکہ کوئی غیر معمولی اقدام ضروری ہے۔ اگر کسی زمین کے اصل مالک وہ لوگ نہ ہوں جو آج اس کے مالک بنے ہوئے ہیں، تو ان کا معاملہ واضح ہے۔ اسلامی ریاست کو چاہیے کہ یہ املاک ان کے قبضے سے نکال کر ان کے اصل مالکوں کے حوالہ کر دے۔ خواہ وہ اصل مالک ان زمینوں کے کاشتکار ہوں، یا خود ریاست، یا کوئی دوسرا فرد۔ یہاں اس واضح صورتِ حال پر بحث نہیں کرنی ہے۔ جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا اسوہ اس اقدام کے حق میں نظیر ہے۔

زیرِ غور مسئلہ اس پیچیدہ صورتِ حال کا ہے جب جاگیرداروں یا زمینداروں کی اصل حیثیت کی تحقیق دشوار ہو۔ یا تو اس لیے کہ ماضی کے متعلقہ ریکارڈ نہ موجود ہونے کی وجہ سے کوئی قطعی رائے نہ قائم کی جا سکے۔ یا اس وجہ سے کہ موجودہ مالک نے یا اس کے کسی مورث نے یہ زمینیں قیمت ادا کر کے حاصل کی ہوں۔ اگرچہ ان زمینوں کی اصل حیثیت وہی ہو جس کی طرف اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے۔ اس صورتِ حال میں اگر ریاست زرعی ترقی، کاشت کاروں کے ساتھ بہتر سلوک، اور سماج میں زمین کی ملکیت کے اندر پائے جانے والے عظیم تفاوت کو کم کرنے کے لیے تحدیدِ ملکیتِ زمین کا طریقہ اختیار کرنا چاہے تو کیا اسے ایسا کرنے کا اختیار حاصل ہے؟

ہماری رائے یہ ہے کہ مذکورہ بالا صورتِ حال میں مذکورہ مقاصد کے لیے ریاست کو اس شرط کے ساتھ ایسا کرنے کا اختیار ہے کہ وہ کسی کی مملوکہ زمین کو اس سے بغیر معاوضہ دیے نہ حاصل کرے۔ ایسا کرنے کا مناسب طریقہ یہ ہے کہ پہلے تو زمین کے مالکوں، کاشت کاروں، عام اہلِ الرائے، اور ماہرینِ معاشیات کے مشورہ سے ملکیتِ زمین کے لیے ایک مناسب حد کی تعیین کی جائے۔ پھر اس حد کا عام اعلان کر کے ایک عرصہ تک مالکانِ زمین کو اس بات کا موقع دیا جائے کہ وہ اس حد سے زیادہ زمینیں کھلے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بازار میں فروخت کر سکیں۔ متعینہ عرصہ گذرنے کے بعد ریاست بازار کے نرخ کے مطابق ان زمینوں کا معقول معاوضہ ادا کرکے انھیں اشخاص سے حاصل کرے۔ اگر اسے اجتماعی کاموں کے لیے خود ان زمینوں کی ضرورت نہ ہو تو اسے چاہیے کہ کاشتکاروں کو ان زمینوں کے خرید لینے کی ترغیب دے، اس سلسلہ میں ان کی مدد کرے، اور ان سے زمین کی قیمت بالاقساط وصول کرنے کی شرط پر ان کو ان زمینوں کا مالک بنا دے۔ اگر کچھ زمینیں اس کے باوجود باقی رہ جائیں تو انھیں ریاست کی طرف سے مزارعت یا لگان ادا کرنے کے اصول پر کاشتکاروں کو دینے کا طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہے۔

اس اختیار کی دلیل وہ مصالح ہیں جن کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ انہی مصالح کی بناء پر متعدد معاصر اسلامی مفکرین نے تحدید ملکیت کے حق میں یہ رائے ظاہر کی ہے کہ:

"حقیقی اسلام ہمارے لیے ضروری قرار دیتا ہے کہ جلد از جلد ملکیت کی ایسی تحدید عمل میں لائیں جس سے قوم کے مصالح کو مجروح کرنے والے ضرر کا ازالہ ہو سکے"۔[51]

دو معاصر اسلامی تحریکیں، الاخوان المسلمون مصر اور جماعت اسلامی پاکستان نے، انتخابات کے موقع پر اپنے منشور میں جو تجاویز پیش کی ہیں ان میں تحدید ملکیت کی تجویز بھی شامل رہی ہے۔ اخوان المسلمون نے تمام زرعی زمینوں کی ملکیت کو دو سو فدان تک[52] اور جماعت اسلامی پاکستان نے سابق زمینداریوں اور جاگیرداریوں میں سے اکثر کی ملکیت کو دو سو ایکڑ

---

[51] : حسن الحضیبی۔ سابق مرشد عام۔ الاخوان المسلمون۔ مصر۔ ملاحظہ ہو روزنامہ "الاخبار" قاہرہ۔ مورخہ ۲ ستمبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۲ کا مضمون "موقف الاخوان المسلمین من تحدید الملکیۃ"۔ یہ رائے مشورہ کے بعد الاخوان المسلمون کی طرف سے بحیثیت جماعت ظاہر کی گئی تھی۔ یہی رائے ڈاکٹر یوسف موسیٰ اور استاذ مصطفیٰ سباعی نے بھی ظاہر کی ہے۔

ڈاکٹر یوسف موسیٰ : الاموال ونظریۃ العقد فی الفقہ الاسلامی۔ صفحہ ۱۹۹

استاذ مصطفیٰ سباعی : اشتراکیۃ الاسلام۔ صفحہ ۱۶۹۔ طبع دمشق ۱۹۶۰ء

[52] : ملاحظہ ہو حسن الحضیبی کا مذکورہ بالا مضمون، و منشور الاخوان المسلمون سوڈان برائے انتخابات سوڈان ۱۹۵۶

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہری و چاہی یا ۱۴۴ ایکڑ بارانی کے رقبہ تک[۵۱] محدود کر دینا تجویز کیا تھا۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ جن زمینوں اور جائدادوں کی ملکیت غیر مشتبہ ہو ان کے مالکوں کو تحدید ملکیت کے ضابطہ کا پابند بنا کر متعینہ حد سے زیادہ جائدادیں اور زمینیں ان سے معاوضہ دے کر جبراً حاصل کی جا سکتی ہیں یا نہیں۔ جن حالات میں ریاست کے لیے خریدنے میں جبر کا استعمال جائز ہو گا ان کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔ اہم اجتماعی مصالح کے تحت تحدید ملکیت کا اصول نافذ کرنے میں بھی یہ اختیار کام میں لایا جا سکتا ہے[۵۲]۔

اُوپر ہم یہ رائے بھی ظاہر کر چکے ہیں کہ بیشتر اسلامی ممالک کی زمینوں کے موجودہ مالکوں کی حیثیت اس اعتبار سے مشتبہ ہے کہ یہ زمینیں اصلاً ریاست کی ملکیت تھیں اور بعد کے غیر اسلامی تغیرات نے انھیں شخصی ملکیت بنا دیا ہے۔ عالمِ اسلامی کے چند علاقوں کو چھوڑ کر باقی تمام ممالک عنوۃً (بزورِ قوت) فتح کیے گئے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں عراق و شام کے بزورِ قوت فتح ہونے کے بعد جتنی بھی فتوحات آپ کے زمانہ میں یا بعد کے خلفاء اور سلاطین کے زمانہ میں ہوئیں ان میں زیادہ تر زمینیں بزورِ قوت فتح کی گئیں۔ ان زمینوں کی نوعیت، جیسا کہ اُوپر خراج کی بحث میں واضح کیا جا چکا ہے، ریاست کی مملوکہ زمینوں کی سی قرار پائی اور جن مسلمانوں کے قبضہ میں یہ زمینیں آئیں وہ موروثی کاشتکار قرار پائے جو ریاست کو سالانہ کرایہ (خراج) ادا کرتے تھے۔ بعد میں بعض افراد کو خراجی زمینوں کے مسلمان اور غیر مسلم کاشتکاروں سے خراج وصول کرنے کا ٹھیکہ دیا جانے لگا۔ آگے چل کر شورش و انقلاب کے زمانہ میں یہی لوگ ان زمینوں کے مالک بن بیٹھے۔ اس تبدیلی پر اب صدیاں گذر چکی ہیں اور یہ زمینیں خرید و فروخت اور توارث کے ذریعہ متعدد ہاتھوں میں منتقل

---

[۵۱]: منشور جماعت اسلامی پاکستان (برائے انتخابات ۱۹۵۷ء) شائع کردہ جماعت اسلامی پاکستان اچھرہ - لاہور۔ صفحہ ۳۰، ۳۱

[۵۲]: " " " (برائے انتخابات ۱۹۷۰ء) میں یہ حد مغربی پاکستان کے لئے سو اور دو سو ایکڑ کے درمیان اور مشرقی پاکستان کے لئے سو بیگھ رکھی گئی ہے (دفعہ ۱۸ - ب)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوتی ہوئی موجودہ مالکوں تک پہنچی ہیں۔ ان کی اس نوعیت کے پیش نظر بعض معاصر علماء نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ ان زمینوں کی اصل نوعیت اب بھی یہ ہے کہ یہ اسلامی ریاست کی ملکیت ہیں اور موجودہ مسلمان ریاستوں کو اپنی اس ملکیت پر جملہ مالکانہ تصرفات کا حق حاصل ہے۔[1]

لیکن صدیوں کے تعامل نے مسئلہ کو اتنا پیچیدہ بنا دیا ہے کہ ان تمام زمینوں کے سلسلہ میں ایک ہی فیصلہ کرنا، اس میں زمینداروں اور کاشتکاروں سب کو یکسر زمین سے محروم کر دینا، اور ان زمینوں کو کرایہ پر دینے یا ان کی خرید و فروخت کو بالکل ممنوع قرار دے دینے کی ان تجاویز کو من و عن مان لینا دشوار ہے جن کو مذکورہ بالا رائے کے حامل علماء پیش کرتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ دورِ جدید کی اسلامی ریاستیں ان زمینوں کی قدیم اور اصل نوعیت، درمیانی صدیوں کے تعاملات اور ان کے اثرات، اور موجودہ صورتِ حال میں اُمّت کے مجموعی مصالح کو سامنے رکھتے ہوئے ایسے فیصلے کریں جو اجتماعی مفاد کے مطابق ہونے کے ساتھ ہی انفرادی مفادات کا بھی لحاظ رکھیں۔ اس ضمن میں یہاں ضرورت داعی ہو تحدید ملکیت کے اصول پر بھی عمل کیا جا سکتا ہے۔

ے۔ اجتماعی معاشی منصوبہ بندی

دورِ جدید کی ایک اسلامی ریاست اپنی معاشی ذمہ داریوں کو اجتماعی معاشی منصوبہ بندی کے بغیر نہیں ~~سنبھال سکتی~~ ... اسباب پر تفصیلی گفتگو ممکن نہیں جو موجودہ حالات میں اجتماعی معاشی منصوبہ بندی کی ضرورت پیدا کرتے ہیں۔ ذیل میں ان اسباب کا مختصراً ذکر کیا جائے گا۔ البتہ اس ... میں ہمیں یہ بات سامنے رکھنی چاہیے کہ مستقبل قریب میں جن ممالک میں اسلامی ریاست ...

[1] : اس مسئلہ پر مفصل بحث کے لیے ملاحظہ ہو: محمد منتصر الکتانی: الارض ملکیتہا و کراءھا فی الاسلام، رسالہ المسلمون، دمشق، جلد ۶، عدد ۱، ۲، ۳ اور ۴ (فروری، مارچ، مئی اور ستمبر ۱۹۵۸ء) بالخصوص صفحات ۴۰-۴۱، ۴۸-۱۴۸، ۲۵۲ اور صفحہ ۲۵۶

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قیام ممکن نظر آتا ہے وہ کم ترقی یافتہ ممالک ہیں۔ اس حقیقت کے پیش نظر ہم ذیل میں ان اسباب کا بھی ذکر کریں گے جو خصوصیت کے ساتھ کم ترقی یافتہ ممالک میں معاشی منصوبہ بندی کے متقاضی ہیں۔

یہ اسباب مختصراً یہ ہیں:

۱ - قومی پیداوار کو قومی ضروریات سے ہم آہنگ بنانا۔

۲ - پیداواری وسائل سے پورا پورا استفادہ۔

۳ - معیشت کو عدم استقرار (Instability) سے بچانا۔

۴ - بے روزگاری کا انسداد اور مکمل روزگار کا حصول۔

۵ - تیز رفتار معاشی ترقی۔

۶ - خارجی تجارت (Foreign Trade) میں توازن برقرار رکھنا۔

۱ - اگر قومی ضروریات کو سامنے رکھ کر نظامِ پیداوار کو ایک سوچے سمجھے منصوبہ کے مطابق منظم کیا جائے تو معیشت میں پیداوار عوام کی حقیقی ضروریات کے مطابق نہیں ہوتی۔ اس کا پہلا سبب یہ ہے کہ آزاد پیدا کنندگان کا مرکزِ توجہ نفع ہوتا ہے۔ وہ ان ہی اشیاء کی پیداوار عمل میں لاتے ہیں جو حالات طلب کے اعتبار سے بیش از بیش نفع آور ثابت ہو سکیں۔ طلب ہر حال میں عوام کی حقیقی ضروریات کی عکاس نہیں ہوتی۔ مثلاً یہ عین ممکن ہے کہ زندگی کی بنیادی ضرورتوں کی تکمیل کرنے والی اشیاء اور خدمات ان مقداروں میں نہ پیدا کی جائیں جو معاشرہ کے لیے ضروری ہوں، کیونکہ عوام کی قوتِ خرید پست ہونے کے سبب اُن کی جانب سے ایسی قیمتوں پر جو پیدا کنندگان کو مروجہ شرحوں کے مطابق نفع دے سکیں، اتنی مقداریں "طلب" کی جا سکیں۔ اس کے برعکس سامانِ تعیش کی وافر مقداریں پیدا ہو سکتی ہیں کیونکہ ان کو خریدنے والے مالدار طبقہ کی قوتِ خرید اتنی زیادہ ہے کہ وہ ان سامانوں کی بھاری مقداریں "طلب" کر سکتے ہیں۔

کہا جا سکتا ہے کہ اس صورتِ حال کا حقیقی علاج یہ ہے کہ قوتِ خرید

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی تقریباً مساوی یا موجودہ سے کم غیر مساوی تقسیم عمل میں لائی جائے۔ یہ بات بڑی حد تک صداقت کی حامل ہے۔ لیکن ہمیں اس حقیقت کو بھی سامنے رکھنا چاہیے کہ دولت کی مساوی تقسیم کے بارے میں اسلام ایک متعین پالیسی رکھتا ہے۔ وہ ہر تفاوت کو ختم کر کے مکمل مساوات برپا کرنے کا کوئی پروگرام نہیں رکھتا۔ حقیقت پسندی پر مبنی رائے یہی ہے کہ ایک اسلامی معاشرہ میں بھی دولت خرچ کی تقسیم اتنی غیر مساوی ہو سکتی ہے کہ مذکورہ بالا خرابی ظاہر ہو سکے۔

پھر حقیقت یہ ہے کہ پیداوار تمام تر صارفین کی طلب سے نہیں متعین ہوتی موجودہ حالات میں خود پیدا کنندگان اس سلسلہ میں زیادہ دخل رکھتے ہیں۔ وہ نئے نئے سامانِ آرائش اور سامانِ تعیش بازار میں لا کر اشتہاروں کے ذریعہ ان کی طلب پیدا کرتے ہیں، اور نفسیاتی طریقے استعمال کر کے صارفین کو ان سامانوں کا عادی بنا دیتے ہیں۔ ان کے اس حملہ سے وہ غریب عوام بھی نہیں محفوظ رہتے جن کے وسائل ان کی بنیادی ضرورتوں کی تکمیل سے زیادہ مصارف کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ ایسی صورت میں جبکہ طلب کی تعیین میں پیدا کنندگان کو خاصا دخل حاصل ہو۔ مذکورہ بالا جواب کا وزن گھٹ جاتا ہے اور پیداوار کے ضرورت سے ہم آہنگ نہ ہونے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔

کہا جا سکتا ہے کہ ایک اسلامی معاشرہ میں پیدا کنندگان خود عوام کی حقیقی ضروریات کا لحاظ رکھیں گے اور کم نفع قبول کرتے ہوئے پیداوار کو ضرورت سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کریں گے۔ لیکن یہ مفروضہ زیادہ عملی نہیں ہے اور کم سے کم اتنا تو تسلیم کرنا ہی چاہیے کہ پیدا کنندگان کی کوشش کے باوجود اس خرابی کا پوری طرح ازالہ نہ ہو سکنا عین ممکن ہے۔ زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ایک منفرد پیدا کنندہ کو پورے معاشرہ کی حقیقی ضروریات کا ـــــ کن اشیاء کی کن مقداروں میں ضرورت ہے ـــــ علم نہیں ہو سکتا۔ اگر چند افراد نسبتاً صحیح اندازے قائم کرنے میں کامیاب بھی ہو جائیں تو ان کا انفرادی عمل اس وقت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تک اس اجتماعی مسئلہ کو حل کرنے میں ناکام رہے گا جب تک دوسرے بہت سے پیدا کنندگان بھی ان جیسے اندازے نہ قائم کریں۔ اس کے لیے پیدا کنندگان کے درمیان باہم مشورہ اور تعاون کی ضرورت ہے، اور اس کی موزوں ترین شکل یہی ہے کہ پورے اجتماع کے نمائندہ ادارہ یعنی ریاست کو اس کا واسطہ بنایا جائے۔

افراد کی بہ نسبت ریاست کو عوام کی حقیقی ضروریات کا صحیح اندازہ لگانے کے بہتر ذرائع میسر ہو سکتے ہیں۔ اجتماعی معاشی منصوبہ بندی کے تحت اس بات کا اہتمام کیا جا سکتا ہے کہ نفع آوری کا زیادہ لحاظ کیے بغیر اشیاء ضرورت کی ایسی مقداریں فراہم کرنے کا اہتمام کیا جائے جو عوام کی ضرورت کے لیے کافی ہوں، خواہ اس کے نتیجہ میں یہ فیصلہ کرنا پڑے کہ سامانِ آسائش اور تعیشات کی نسبتاً کم مقداریں پیدا کی جا سکیں گی۔

اِس استدلال کا انطباق ان ضرورتوں پر بدرجہ اولیٰ ہوتا ہے جو اجتماعی اہتمام ہی کے تحت پوری کی جا سکتی ہیں۔ جن پر ہم نے اوپر مزید حاصل کی بحث کے آخر میں روشنی ڈالی ہے۔ اگر ریاست اس بات کا اہتمام نہ کرے کہ عام ضرورت کی خدمات مثلاً حفظانِ صحت کی تدابیر، علاج کی سہولتیں، تعلیم، صفائی، روشنی، صاف پانی، صاف ہوا، اور بہتر ذرائع حمل ونقل حسبِ ضرورت فراہم کی جاتی رہیں تو یہ ضرورتیں پوری نہ ہو سکیں گی۔ ان سماجی خدمات کی بخوبی فراہمی کے لیے ایک سوچے سمجھے منصوبہ کی ضرورت ہے۔

۲۔ ایک ایسی معیشت جو بغیر کسی اجتماعی منصوبہ کے چل رہی ہو ہمیں اس بات کی کوئی ضمانت نہیں دے سکتی کہ ملک کے پیداواری وسائل سے پورا پورا فائدہ اُٹھایا جائے گا۔ یہ بات بالکل ممکن ہے کہ قابلِ کاشت زمینیں، معدنی ذخائر قابلِ کار افراد اور دوسرے ابتدائی وسائلِ پیداوار کا ایک حصہ بے کار پڑا رہے اور بازار کی قوتوں میں یہ رجحان نہ پایا جائے کہ ان کو باکار ہونے اور پیداوار

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں اضافہ کرنے کا موقع ملے گا۔ یہ نکتہ لارڈ کینز نے بخوبی واضح کر دیا ہے[1] اور اس کی تفصیلی وضاحت کے لیے مناسب کتابوں کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے بعض اوقات اس کا سبب نظامِ زر کی کوتاہی ہوتی ہے۔ اور بعض حالات میں اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ نفع کمانے کی بنیاد پر بہت سے وسائل کو ترقی دینے اور استعمال میں لانے کے ابتدائی مراحل کا طے کرنا دشوار ہوتا ہے، جیسا کہ آگے بتایا جائے گا۔ یہ صورتِ حال قدرت کی نعمتوں کے ضیاع کا سبب بنتی ہے جبکہ ان سے فائدہ اٹھا کر بے شمار ضرورتوں کی تکمیل اور بہت سے اچھے مقاصد کا حصول ممکن ہوتا ہے۔ اس کی اصلاح کے لیے ضروری ہے کہ اجتماعی طور پر اس کا اہتمام کیا جائے یا ریاست ایسی تدابیر اختیار کرے کہ افراد ایسا کرنے کی طرف مائل ہوں اور ان کے لیے ایسا کرنا ممکن ہو جائے۔

پھر ایک آزاد معیشت میں یہ منظر بھی رونما ہوتا ہے اور خود بخود زائل نہیں ہوتا، کہ صنعتی کارخانے اپنی پیداواری استعداد Productive Capacity کو پوری طرح استعمال نہیں کر سکتے اور فاضل استعداد (Excess Capacity) کی شکل میں قوتِ پیداوار کا ایک حصہ مستقلاً ضائع ہوتا رہتا ہے۔ یہاں اس صورتِ حال کے اسباب کا تفصیلی تجزیہ غیر ضروری ہے مگر اس کی اصلاح کے لیے بھی اسی طرح کی تدابیر ضروری ہیں جن کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا۔ یہ تدابیر ایک جامع منصوبہ کے تحت ہی زیرِ عمل لائی جا سکتی ہیں۔

۳۔ موجودہ آزاد معیشتوں کی ایک مستقل علت عدمِ استقرار (Instability)

---

[1] J. M. Keynes. The General Theory of Employment, Interest and Money Chapters, 18, 20 and 24, MacMillan & Co. London. 1957).

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی کیفیت ہے۔ روزگار اور قومی پیداوار کی سطح، اور اشیاء کے نرخ میں بدستور زیر و بم آتے رہتے ہیں جو سماج کے لیے ضررِ عظیم کا باعث بنتے ہیں۔ تجارتی چکّر (Trade Cycles). کے علاوہ بھی ایک آزاد معیشت میں عدم استقرار کی کیفیت رُونما ہوتی رہتی ہے۔ اس کے اسباب کی وضاحت کے لیے مختلف نظریے پیش کیے گئے ہیں جن پر بحث ہمارے موضوع سے خارج ہے۔

عدم استقرار اور تلاطم کی اس کیفیت کو دُور کر کے استقرار اور توازن حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ مجموعی طلب با عتبارِ زر (Aggregate Money Demand) اور مجموعی رسد (Aggregate Supply) کے درمیان توازن برقرار رکھا جائے، اور افراطِ زر یا کساد بازاری کی نوبت نہ آنے دی جائے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ بچت اور سرمایہ کاری کے باہمی توازن پر نگاہ رکھی جائے اور ریاست براہِ راست یا بالواسطہ انفرادی عمل کی کوتاہیوں کی تلافی کی تدابیر اختیار کرتی رہے۔ یہ کام افراد بطورِ خود اس لیے نہیں کر سکتے کہ وہ ان مجموعی (Aggregate) امور سے پوری طرح باخبر نہیں ہوتے۔ نہ ان کے انفرادی مقاصد ان اجتماعی مقاصد کے حصول کے لیے قوی محرک فراہم کرتے ہیں۔ نہ وہ ذرائع و وسائل ان کے قابو میں ہوتے ہیں جن کے استعمال کے بغیر یہ مقاصد حاصل نہیں کیے جا سکتے ہیں۔ مثلاً نظامِ زر، اور نظامِ محاصل، وغیرہ۔

اِن حقائق کے پیشِ نظر یہ ضروری ہے کہ ایک ایسا منصوبہ وضع کیا جائے جس کا نفاذ معیشت کو عدمِ استقرار سے محفوظ رکھے اور توازن برقرار رکھے۔

۴۔ بڑے پیمانہ پر بے روزگاری بھی دورِ جدید کی کم ترقی یافتہ معیشتوں کے لیے ایک زبردست مسئلہ ہے۔ یہ بھی آزاد معیشت کی ان خرابیوں میں سے ہے جن کا ازالہ خود بخود نہیں ہو سکتا، کیونکہ جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ بازار کی قوتوں میں اس طرح

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا کوئی رجحان نہیں پایا جاتا جو ملک کے تمام قابلِ کار افراد کو بارِ روزگار رکھنے کی ضمانت دے سکے۔ بے روزگاری کے ایک زبردست معاشی، عمرانی اور انسانی مسئلہ ہونے پر کسی بحث کی ضرورت نہیں۔ مسلسل بے روزگاری انسانوں کی ایک بڑی تعداد میں احتیاج، احساسِ محرومی، اور جھنجھلاہٹ پیدا کر دیتی ہے۔ اس سے اخلاقی مفاسد جنم لیتے ہیں اور سیاسی انتشار کا دروازہ کھلتا ہے۔ کوئی ریاست اس وقت تک اجتماعی مصالح کی خادم نہیں قرار دی جا سکتی۔ جب تک وہ بے روزگاری دور کرنے کا اہتمام نہ کرے۔ خاص طور پر ایک اسلامی ریاست کے لیے یہ اہتمام اس لیے بھی ضروری ہے کہ اگر افراد کی ایک بڑی تعداد بے روزگاری کی وجہ سے اپنی ضرورتیں خود بخود پوری کرنے سے قاصر رہی، تو کفالتِ عامہ کی شرعی ذمہ داری کے تحت ریاست پر مصارف کا بار بڑھ جائے گا۔ یہ اہتمام بھی اجتماعی معاشی منصوبہ بندی ہی کے تحت ممکن ہے۔ اس منصوبہ کے تحت بے روزگار افراد کو بارِ روزگار بنانے کے لیے نئے صنعتی ادارے قائم کیے جا سکتے ہیں۔ یا اجتماعی فائدے کے دوسرے کام شروع کیے جا سکتے ہیں۔ مثلاً سڑکوں، نہروں اور آبپاشی کے لیے بند کی تعمیر وغیرہ۔ ان کاموں کے لیے مالی وسائل ریاست مزید محاصل، قرضوں اور نفع میں شرکت کے اصول پر سرمایہ جمع کر کے حاصل کر سکتی ہے۔ حالات متقاضی ہوں تو ریاست اس طرح کے کام نفع کی توقع کے بغیر بھی شروع کر سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ منفرد کاروباریوں سے اس اقدام کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ اگر وہ اس طرح کا کوئی اقدام کرنا بھی چاہیں تو اس کے لیے علیحدہ علیحدہ کی جانے والی انفرادی کوششیں زیادہ نتیجہ خیز نہ ثابت ہوں گی بلکہ پیدا کنندگان کو باہمی مشورہ اور تعاون سے اس مقصد کے حصول کے لیے خود ایک منصوبہ تیار کرنا پڑے گا۔ یہ معاملہ چونکہ پورے اجتماع سے متعلق ہے۔ لہٰذا اس طرح کے باہمی تعاون کے لیے اجتماع کے نمائندہ ادارہ ریاست کو ذریعہ بنانا چاہیے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۔ کم ترقی یافتہ ممالک کے لیے تیز رفتار معاشی ترقی کا مسئلہ بہت اہم ہے۔ تیز رفتار معاشی ترقی کے لیے سب سے پہلے اس بات کی ضرورت ہے کہ ان چند بنیادی صنعتوں کا قیام اور ان کی توسیع اور استحکام عمل میں لایا جائے جن پہ آئندہ معاشی ترقی کا انحصار ہے۔ سب سے پہلے ان امور کا اہتمام ضروری ہے جن کو ماہرین معاشیات نے سماجی بالائی امور (Social Overheads) کا نام دیا ہے۔ پانی کے ذخیروں سے بجلی تیار کرنے کا اہتمام، اچھی سڑکوں، ریلوے اور دُوسرے ذرائع نقل وحمل کی فراہمی۔ فنی تعلیم کا اہتمام، اور بڑے پیمانہ پر آبپاشی کے لیے بند اور نہروں کی تعمیر ایسے اُمور ہیں جن کی طرف نجی سرمایہ اور آزاد کاروباری اس لیے نہیں توجہ کرتے کہ ان میں بہت سرمایہ لگانے کی ضرورت ہے، ان کی لاگت بہت دیر میں وصول ہوتی ہے۔ اور ان سے عام شرح کے مطابق نفع حاصل کرنے کی عرصہ تک توقع نہیں۔ ان میں سے بیشتر کام نفع کی بنیاد پر کاروباری طریقہ سے نہیں انجام دیے جا سکتے۔ ہر منفرد کاروباری اچھی سڑکوں، سستے داموں بجلی کی طاقت، اور تربیت یافتہ فن کار مزدوروں کے حصول کا متمنی ہوتا ہے لیکن کوئی کاروباری انفرادی طور پر سڑکوں کی تعمیر، پانی سے بجلی تیار کرنے کے لیے بند کی تعمیر، یا فنی تعلیم کے لیے انجینیرنگ کالج اور تربیت گاہیں قائم کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا۔ یہ تمام امور اجتماعی اہتمام کے محتاج ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ اعلیٰ فنی تعلیم، عام بنیادی تعلیم، اور انسانی سرمایہ (Human Capital). کی تشکیل و تعمیر ایک ایسا کام ہے جسے نجی کاروبار کرنے والے کما حقہٗ نہیں انجام دے سکتے۔ کیونکہ اس بات کی ضمانت نہیں مل سکتی کہ جن افراد کو وُہ کثیر مصارف برداشت کر کے تیار کریں گے وُہ لازماً اور ہمیشہ ان ہی کے کام آئیں گے۔ اسی طرح بڑے پیمانہ پر سائنٹفک ریسرچ، جس پر نئی ایجادات اور پیداوار کے بہتر طریقوں کی دریافت کا انحصار ہے، نفع کے لیے کاروبار کرنے والے نہیں منظم کر سکتے۔ اس کام کا حق تب ہی ادا کیا جا سکتا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے جبکہ اس کا اجتماعی طور پر اہتمام کیا جائے۔

ان امور کے اہتمام کے پہلو بہ پہلو بنیادی صنعتوں۔ایٹمی توانائی، فولاد، کیمیادی مرکبات۔کوئلہ۔پٹرول۔سیمنٹ۔مشین اور کھاد تیار کرنے والے کارخانوں کا قیام ضروری ہے۔کم ترقی یافتہ ممالک میں منفرد کاروباریوں کے لیے ان صنعتوں کا قیام و استحکام دشوار ہوتا ہے جس کے اسباب کی طرف اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے۔دنیا کے تمام کم ترقی یافتہ ممالک کا تجربہ یہی بتاتا ہے کہ بنیادی اور بھاری صنعتوں کے قیام و استحکام اور توسیع کے لیے اجتماعی اہتمام بھی ضروری ہے۔

کم ترقی یافتہ ممالک میں اجتماعی منصوبہ بندی کی ضرورت انہی ابتدائی کاموں کی وجہ سے پڑتی ہے جن کے بغیر صنعتی ترقی ممکن نہیں۔یہ ابتدائی کام بھی ایک طویل مدت میں انجام پاتے ہیں اور بہت وسیع وسائل کے طالب ہوتے ہیں۔محدود وسائل رکھنے والے ایک ملک کے لیے جو جلد از جلد معاشی پسماندگی سے نکلنا چاہتا ہو یہ ضروری ہوتا ہے کہ وہ ان کاموں کے لیے ایک طویل المیعاد معاشی منصوبہ مرتب کرے اور اس کی روشنی میں مختصر مدت کے لیے منصوبے تیار کر کے ان مقاصد کو حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

قومی پیداوار میں توسیع اور ملک کی معاشی ترقی کا عمل شروع ہو جانے پر اس بات کی اہمیت بہت بڑھ جاتی ہے کہ نظام پیداوار کی مختلف شاخوں کے درمیان باہمی توازن برقرار رکھا جائے۔پیداوار کی ایک شاخ دوسری شاخوں سے مربوط ہوتی ہے۔ایک صنعت کی پیداوار دوسری صنعت کے لیے خام مال کا کام کرتی ہے۔اگر موزوں مقداروں میں مشینیں نہ تیار ہوں تو مطلوبہ تعداد میں نئے کارخانے نہیں قائم کیے جا سکتے۔مگر ایک خاص مقدار میں مشینیں تیار کرنے کے لیے ضروری ہے کہ مشینیں بنانے والی مشینیں بھی اسی حساب سے تیار کی جائیں۔اس کے لیے فولاد۔بجلی کی طاقت، اور دوسری ضروری چیزوں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی رسد پر بھی نگاہ رکھنی ہوگی - اس طرح ایک ترقی پذیر معیشت کے ہر شعبہ کو دوسرے شعبوں کی ضروریات کے مطابق ڈھالنا ہوتا ہے، ورنہ کہیں زائد از ضرورت پیداوار ہوگی اور کہیں پر کام ضروری مشینوں یا خام مال کی کمی کی وجہ سے بند کرنا پڑے گا۔ معیشت کے مختلف شعبوں میں ہم آہنگی اور توازن برقرار رکھنے کے لیے ایک جامع منصوبہ ناگزیر ہے۔

۴- آج کل کوئی کم ترقی یافتہ ملک ابتدا میں ترقی یافتہ بیرونی ممالک سے سامان سرمایہ (Capital Goods) یعنی مشینیں وغیرہ، اور ماہرین فن (Technicians) کی خدمات حاصل کیے بغیر ترقی کی راہ میں قدم نہیں اٹھا سکتا۔ لیکن باہر سے مطلوبہ اشیاء اور خدمات کو درآمد کرنے کے لیے تجارت خارجہ کا ایک ایسا منصوبہ بنانا ضروری ہے جس کے تحت ملک کا بیرونی زرِ مبادلہ (Foreign Exchange) ترقیاتی منصوبہ کی ترجیحات (Prorities) کے مطابق ضروری اشیاء درآمد کرنے پر صرف کیا جائے۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو عین ممکن ہے کہ بازار کی طلب کے تحت تاجر بیرونی ممالک سے سامانِ آسائش اور تعیشات اور دوسری اشیاء صرف منگواتے رہیں اور ملک ضروری سامانِ سرمایہ سے محروم رہ جائے۔ بیرونی زرِ مبادلہ کی ضرورت اور اہمیت کے پیشِ نظر برآمدی تجارت (Export Trade) کی اہمیت بہت بڑھ جاتی ہے۔ بیرونی زرِ مبادلہ حاصل کرنے کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ اپنی برآمد میں اضافہ کیا جائے۔ یہ مقصد برآمدی تجارت کو بازار کے رحم و کرم پر چھوڑ دینے سے نہیں حاصل ہو سکتا بلکہ اس کے لیے بھی ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت برآمدی تجارت کی ہمت افزائی اور توسیع اور اس سے متعلق صنعتوں کی ترقی عمل میں لانا ضروری ہے۔

اُوپر ہم نے صرف ان بڑے بڑے اسباب کا ذکر کیا ہے جن کی بناء

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر موجودہ حالات میں معاشی منصوبہ بندی ایک ناگزیر ضرورت بن گئی ہے۔ ان میں سے ہر ایک سبب کی پوری اہمیت واضح کرنے کے لیے گہرے معاشی تجزیہ اور تفصیلی بحث کی ضرورت ہے جو اس کتاب کے محدود موضوع کے پیش نظر ہم نے ضروری نہیں سمجھی ہے۔ لیکن اس اجمالی ذکر سے بھی یہ واضح ہے کہ مصالح کے تحفظ اور تدریج اور ضرر کے ازالہ کے لیے دورِ جدید میں ایک اسلامی ریاست کے لیے معاشی منصوبہ بندی ناگزیر ہے۔ اس بات کا وزن اس وقت اور بڑھ جاتا ہے جب ہم اسلامی ریاست کی وسیع ذمہ داریوں پر نظر ڈالتے ہیں۔ کفالتِ عامہ، معاشی ترقی اور تقسیم دولت میں پائی جانے والی ناہمواری کو کم کرنے کے معاشی مقاصد کے علاوہ اسلامی ریاست کو اپنے افراد کی اخلاقی تربیت، ان کی دینی اور دُنیوی تعلیم اور دُوسری قوموں کو حق کی طرف دعوت دینے کی ذمہ داریاں بھی ادا کرنی ہیں۔ کروڑوں کی تعداد میں ایک وسیع خطّہ زمین پر بسنے والے افراد کے لیے ان تمام اُمور کا اہتمام ایک سوچے سمجھے منصوبہ کا محتاج ہے۔ دورِ جدید کی ریاستیں اپنے منصوبوں میں خالص معاشی امور کے علاوہ تعلیم، صحت، صفائی اور نشر و اشاعت وغیرہ عام ثقافتی امور کو بھی شامل کرتی ہیں۔ ایک اسلامی ریاست کو اپنے جامع منصوبہ میں ان امور کے پہلو بہ پہلو دعوتِ حق، دینی اصلاح اور اخلاقی تربیت کے کام بھی شامل کرنے ہوں گے۔ تاکہ صنعتی ترقی کے ساتھ زندگی کے دُوسرے پہلوؤں میں ارتقار کا بھی اہتمام کیا جا سکے اور فی الجملہ زندگی کے مختلف پہلوؤں کے درمیان توازن برقرار رکھا جا سکے۔ ایسا کرنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ عام افراد میں منصوبہ کا احترام اور اس کے ساتھ تعلق اور دلچسپی بڑھ جائے گی۔ دینی اور اخلاقی مقاصد کو شامل کر لینے کے بعد سماج کے نسبتًا زیادہ ذمّہ دار اور خدا ترس افراد بھی اس کے لیے محنت کرنے، قربانیاں گوارا کرنے اور اس کی تکمیل کی جدّوجہد میں فعّال طور پر حصہ لینے پر آمادہ ہو سکیں گے۔

ایک اسلامی معاشرہ میں بجا طور پر اس بات کی توقّع کی جا سکتی ہے کہ کاروباری افراد اور اصحابِ ملکیت خوشدلی کے ساتھ ریاست سے تعاون کرتے ہوئے ملک

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے منصوبہ کو کامیاب بنانے کی کوشش کریں گے، اور اس کے لیے اپنے ذاتی منصوبوں اور انفرادی کاروبار کو کسر و انکسار کے ذریعہ اجتماعی مصالح سے ہم آہنگ بنانے کی کوشش کریں گے۔ ان سے اس بات کی بھی توقع ہے کہ تمام تر ذاتی نفع کے خواہاں ہونے کے بجائے اجتماعی مفاد کی خاطر کم نفع پر کاروبار چلانے اور ایسی پالیسیاں اختیار کرنے پر بھی آمادہ ہوں گے جو ملک کے مجموعی مفاد کے پیش نظر ان کے لیے تجویز کی جائیں۔ اجتماعی مفاد کو ذاتی نفع پر ترجیح دینے کی یہ خوشگوار فضا جس حد تک پیدا ہو سکے گی اسی حد تک ریاست کو اپنے منصوبہ کے نفاذ میں جبر کے استعمال کی کم سے کم ضرورت پڑے گی۔

اپنے منصوبہ کی تکمیل کے لیے ریاست حتی الامکان افراد کے خوش دلانہ تعاون پر بھروسہ کرے گی۔ البتہ جہاں ضروری ہو گا وہ احکام بھی جاری کرے گی اور افراد کو ان کا پابند بنائے گی۔ یہاں اس طرح کے احکام اور ہدایات کا احاطہ مقصود نہیں، تقریب فہم کے لیے ذیل کی چند مثالیں کافی ہوں گی:

۱۔ مختلف اشیاء کی پیداوار کے مجموعی اہداف (Targets) کی مناسبت سے منفرد آزاد کاروباریوں کے لیے انفرادی اہداف کی تعیین۔

۲۔ اشیاء کو ایک متعین معیار کے مطابق پیدا کرنے کی ہدایت۔

۳۔ ترقیاتی منصوبہ کے لیے کلیدی اہمیت رکھنے والی بعض اشیاء اور خام پیداوار کی ان قیمتوں کی تعیین جن پر ان کے پیدا کنندگان ان اشیاء کو ریاست یا متعلقہ صنعتی اداروں کے ہاتھ فروخت کریں گے۔

۴۔ قابل سرمایہ کاری وسائل (Investible Funds) کے استعمال کے لیے منصوبہ کے نظام ترجیحات کے مطابق مناسب پیداواری راہوں کی نشان دہی۔

۵۔ روزگار فراہم کرنے کے سلسلہ میں مختلف صنعتوں اور کاروباری اداروں کے لیے اہداف کی تعیین۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۶۔ اجتماعی تحفظ (Social Security) اور کفالتِ عامہ کے مقاصد کے پیشِ نظر مزدوروں اور ان کے متعلقین کے سلسلہ میں کاروباری اداروں اور مستاجرین کی ذمہ داریوں کی تعیین۔

۷۔ مختلف کاروباری اداروں کے لیے بیرونی زرِ مبادلہ کے حصّوں کی تعیین جس کے ذریعہ وہ بیرونی ممالک سے ضروری سامان درآمد کرسکیں گے۔

۸۔ برآمدی تجارت کے سامان پیدا کرنے والی صنعتوں کے لیے پیداواری اہداف کی تعیین۔

ان احکام کے نفاذ اور منصوبہ کی تکمیل کے لیے ریاست انفرادی حقوقِ ملکیت اور آزادیٔ کاروبار میں جو مداخلت کرسکتی ہے۔ اس کی شکلوں اور طریقوں پہ گذشتہ مباحث میں اصولاً گفتگو کی جاچکی ہے۔

آخر میں اس حقیقت کو یاد دلانا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے اہم اجتماعی اُمور کی طرح ملک کے لیے ایک جامع منصوبہ وضع کرنے کا کام بھی شورائی طریقہ پر انجام پانا چاہیے۔ اس کام کی نوعیّت کے پیشِ نظر یہ مناسب ہوگا کہ معاشی اُمور سے گہری واقفیت رکھنے والے ماہرینِ فن، اہلِ صنعت، صارفین کے نمائندوں، مزدوروں اور دوسرے طبقوں اور پیشوں کی نمائندگی کرنے والے افراد پر مشتمل ایک مجلس منصوبہ کی تشکیل کا کام کرے اور پھر اسے رائے عامّہ کی تائید کے بعد نفاذ کے لیے اختیار کیا جائے۔

ک۔ مالی سزائیں

فرد کے مال و املاک میں ریاست کے تصرّف کی ایک قسم وہ تصرّفات ہیں جو ریاست سزا کے طور پر کرتی ہے۔ بعض حالات میں مجرم پر جرمانہ عائد کر کے اس سے مال کی ایک متعیّن مقدار وصول کی جاتی ہے۔ بعض جرائم کے ارتکاب پر مجرم

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے مال و املاک کا ایک حصہ ضبط کر لیا جاتا ہے۔ اور ایسی صورتیں بھی پیش آسکتی ہیں کہ کسی فرد کے مملوکہ مال یا جائداد کو تلف کر دینے یا اس کی ہیئت بگاڑ دینے کا فیصلہ کیا جائے۔ انفرادی ملکیت میں اسلامی ریاست کے یہ تصرفات در اصل اسلام کے فوجداری قوانین سے متعلق ہیں، لیکن چونکہ اس سے انفرادی حقوقِ ملکیت میں مداخلت لازم آتی ہے۔ لہذا ہم اس باب میں اس پر مختصراً گفتگو کریں گے۔ اس موضوع پر تفصیلی مطالعہ کے لیے مناسب مآخذ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔[۱]

اس عنوان کے تحت ہم جرمانہ، ضبطی، اور تلفِ مال کی سزاؤں کا ذکر کریں گے۔ جیساکہ آئندہ واضح کیا جائے گا۔ اس سلسلہ میں، خصوصاً تعزیر کے طور پر مالی سزائیں دینے کے بارے میں فقہاء کے درمیان کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ لیکن تفصیلات سے قطع نظر بعض مالی سزائیں محکم دلائل کے ساتھ ثابت ہیں، اور یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے کہ مالی سزائیں ابتداء اسلام میں دی جاتی تھیں لیکن بعد میں منسوخ کر دی گئیں۔

مالی سزاؤں سے اسلامی ریاست کا مقصد انفرادی اور اجتماعی مصالح کا تحفظ اور ضرر کا ازالہ ہوتا ہے۔

---

[۱] عبدالقادر عودہ: التشریع الجنائی الاسلامی مقارناً بالقانون الوضعی۔ صفحات ۴۰۵–۴۰۷، ۶۲۱ – ۶۲۲، ۶۶۲ اور ۶۶۸ مطبعۃ دار النشر الثقافۃ۔ اسکندریہ ۱۹۴۹ء

الدکتور عبدالعزیز عامر: التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیہ۔ صفحات ۳۳۱ – ۳۶۵، مکتبہ مصطفی البابی الحلبی۔ مصر ۱۹۵۷ء۔

ابن تیمیہ: الحسبہ فی الاسلام۔ صفحات ۴۰ – ۴۶

ابن قیم: الطرق الحکمیہ فی السیاسۃ الشرعیہ،

صفحات ۲۴۵ – ۲۵۸

اور اعلام الموقعین: جلد ۲۔ صفحہ ۲۲۰ – ۲۲۲

اور محمد بن علی الشوکانی: نیل الاوطار۔ جلد ۴: کتاب الزکوٰۃ۔ عقوبۃ مانع الزکوٰۃ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ا۔ جرمانہ:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپؐ نے بعض جرائم کی سزا میں جرمانہ عائد کیا تھا۔ چنانچہ غیر محفوظ مال کی چوری کرنے پر مجرم پر جرمانہ عائد کیا گیا ہے (جو صاحب مال کو دے دیا جاتا تھا)

عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ سئل عن الثمر المعلق فقال؟ من اصاب بفیہ من ذی حاجۃ غیر متخذ خبنۃ فلا شئ علیہ۔ ومن خرج بشئ منہ فعلیہ غرامۃ مثلیہ والعقوبۃ [۱]....؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ سے ان پھلوں (کی چوری) کے بارے میں دریافت کیا گیا جو (درختوں پر) لٹکے ہوئے ہوں تو آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی ضرورت مند اسے کھالے اور باندھ کر نہ لے جائے تو اس سے کوئی بازپرس نہ ہوگی۔ لیکن جو انھیں توڑ کر ساتھ لے جائے اس پر ان پھلوں کا دوگنا جرمانہ عائد ہوگا اور اسے سزا بھی دی جائے گی"

کسی گم شدہ اونٹ کا پانے والا اگر اس کا اعلان کرنے اور اس کو مالک کے حوالہ کر دینے کی بجائے اسے چوری کے ارادہ سے چھپا لے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا ہے کہ اس سے جرمانہ کے طور پر ایک اونٹ اور وصول کیا جائے [۲]۔

• یہی سزا اس شخص کے لیے بھی ہے جو چراگاہ میں چرتے ہوئے جانوروں کو وہاں سے چرا لے جائے [۳]۔

حضرت عمرؓ نے حاطب بن ابی بلتعہ پر جرمانہ عائد کیا تھا۔ کیونکہ وہ اپنے غلاموں

۱۔ : ابو داؤد : کتاب الحدود۔ باب مالا قطع فیہ۔

۲۔ : شوکانی : نیل الاوطار۔ جلد ۴۔ صفحہ ۱۸۱ (کتاب الزکوٰۃ)

اور ابن قیم : الطرق الحکمیہ فی السیاسۃ الشرعیہ۔ صفحہ ۲۴۶

۳۔ : ڈاکٹر عبدالعزیز عامر : التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیہ۔ صفحہ ۳۴۴

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو بھوکا رکھتے تھے جس کے نتیجے میں ان غلاموں نے چوری کی تھی۔[51]

بعض فقہاء نے تعزیر کے طور پر جرمانہ کی سزا مندرجہ ذیل حالات میں بھی تجویز کی ہے:

جو شخص نماز کے لیے جماعت میں نہ آئے۔[52]

جو شخص ایسی مجلس میں بیٹھے جہاں شراب پی جا رہی ہو۔ اگرچہ اس نے خود شراب نہ پی ہو۔[53]

وہ شخص جو رشوت لے یا سرکاری مال میں چوری کا ارتکاب کرے۔[54]

ان نظیروں اور فقہی آراء سے یہ اصول اخذ کیا جا سکتا ہے کہ جن جرائم کی سزا شریعت نے نہیں مقرر کی ہے ان میں تعزیر کے طور پر قید وغیرہ کی سزا کی طرح جرمانہ بھی کیا جا سکتا ہے۔

شریعت نے شبہ عمد اور خطاء کی صورت میں قتل اور ناقابلِ قصاص جنایات (زخم یا ضرب شدید) کے لیے دیت یا تاوان کی مقدار مقرر کر دی ہے۔ ایک لحاظ سے یہ سزائیں جرمانہ کی حیثیت رکھتی ہیں اور ایک لحاظ سے معاوضہ اور تلافی (Compensation). کی۔ دیت یا تاوان کے طور پر وصول کیا جانے والا مال بہرصورت مظلوم کو یا مقتول کے ورثاء کو ملتا ہے نہ کہ ریاست کو۔ لیکن:

"معاوضہ اور دیت کے درمیان اس قوی مشابہت کی بناء پر دیت کو معاوضہ قرار دینا غلط ہوگا۔ کیونکہ دیت ایک جرم کی سزا ہے جس کے نفاذ کا انحصا

---

۵۱ : مؤطا امام مالک: کتاب احکام الخلافة، باب ما یردی من تضعیف الغنیمة تعزیراً

۵۲ : ڈاکٹر عبدالعزیز عامر: صفحہ ۳۴۳، بحوالہ فصول الاستروشنی صفحہ ۸، فتاویٰ البزازیہ جلد ۲۔ صفحہ ۴۲۸ شرح الزیلعی علی الکنز جلد ۳ صفحہ ۲۰۸ اور السندی جلد ۷، ورق ۶۰۴

۵۳ : ڈاکٹر عبدالعزیز عامر: صفحہ ۳۴۳۔ بحوالہ فصول الاستروشنی

۵۴ : " " " " " ۳۴۶

www.KitaboSunnat.com

افراد کے مطالبہ پر نہیں۔ اس طرح اسے محض سزا قرار دینا بھی زیادتی ہے کیونکہ یہ مال اس شخص کا حق ہے جس پر ظلم کیا گیا ہو۔ دیت کے بارے میں موزوں ترین بیان یہ ہے کہ وہ بیک وقت معاوضہ اور سزا دونوں ہے[۵۱]"

دیت بعض حالات میں پوری کی پوری خود مجرم کو ادا کرنی ہوتی ہے اور بعض حالات میں اس کا ایک حصہ اس کو ادا کرنا ہوتا ہے اور باقی اس کے قریبی اعزا (عاقلہ) کو[۵۲]

۲۔ ضبطی:

سنت میں سزا کے طور پر مجرم کے مال کا ایک حصہ ضبط کر لینے کی نظیریں بھی ملتی ہیں۔ چنانچہ اسلام سے مرتد ہو جانے والے کا مال بھی ضبط کر لیا جائے گا:

"ارتداد کی ذیلی سزا مرتد کے مال کی ضبطی ہے۔ فقہاء کے درمیان اس بارے میں اختلاف ہے کہ ضبطی کن اموال کی کی جائے گی۔ امام مالک اور امام شافعی کی رائے، اور امام احمد کے مسلک میں راجح رائے یہ ہے کہ مرتد کا سارا مال ضبط کر لیا جائے گا۔ امام ابو حنیفہ کی رائے جس کی تائید امام احمد کے مکتبِ فقہ کے بعض فقہاء بھی کرتے ہیں، یہ ہے کہ مرتد کا صرف وہ مال ضبط کیا جائے گا جو اس نے ارتداد کے بعد کمایا ہو۔ ارتداد سے پہلے کا مال اس کے مسلمان وارثوں کا حق ہے[۵۳]"

جو شخص اموالِ ظاہرہ کی زکوٰۃ ادا کرنے سے گریز کرے گا اس سے زکوٰۃ جبراً وصول کی جائے گی اور سزا کے طور پر اس کا آدھا مال ضبط کر لیا جائے گا۔

۵۱: عبدالقادر عودہ: التشریع الجنائی۔ صفحہ ۶۶۸ - ۶۶۹
۵۲: " " : " " " - " ۶۷۰ - ۶۷۱
۵۳: " " : " " " - " ۶۶۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حدثنا محمد بن العلاء انا ابو اسامة عن بهز بن حكيم عن ابيه عن جده ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال : في كل سائمة ابل في اربعين بنت لبون لا يفرق ابل عن حسابها۔ من اعطاها مؤتجرًا ـــــ قال ابن العلاء مؤتجرًا بها ـــــ فله اجرها ومن منعها فانا آخذوها وشطر ابله۔ عزمة من عزمات ربنا عز وجل۔ ليس لآل محمد منها شيئ۔[1]

ہم سے محمد بن العلاء نے حدیث بیان کی ہے کہ ابو اسامہ نے بروایت بہز بن حکیم خبردی ہے کہ وہ اپنے والد سے اور ان کے والد ان کے دادا سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چرنے والے اونٹوں میں سے ہر چالیس اونٹوں پر اونٹ کا ایک ایسا بچہ جو دو سال پورے کرچکا ہو واجب ہے۔ اونٹوں کو زکوٰۃ کا حساب بگاڑنے کے لیے ادھر اُدھر نہیں کیا جائے گا۔ جو اسے آخرت کے اجر کی خاطر دے گا ـــــ ابن العلاء نے کہا ہے کہ جو اس کے ذریعہ اجر آخرت حاصل کرنے کی خاطر اسے دے گا ـــــ تو اسے اس کا اجر ملے گا، اور جس نے اس کے ادا کرنے سے گریز کیا تو ہم اُسے وصول کرکے رہیں گے اور اس کے آدھے اونٹ اور لے لیں گے۔ یہ ہمارے

---

[1] : ابو داؤد : کتاب الزکوٰۃ۔ باب فی زکوٰۃ السائمہ۔

اس حدیث کو امام احمد۔ نسائی۔ حاکم اور بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔ بعض روایات میں شطر ابلہ کی جگہ شطر مالہ (اس کا آدھا مال) کا لفظ آیا ہے۔ یحییٰ ابن معین نے اس روایت کے اسناد کو صحیح قرار دیا ہے۔ (بحوالہ شوکانی : نیل الاوطار۔ جلد ۴ صفحہ ۱۸۱) یہی روایت ابو عبید نے کتاب الاموال میں بھی نقل کی ہے۔ صفحہ ۳۷۶)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پروردگار کا قطعی فیصلہ ہے۔ اس میں سے آلِ محمدؐ کے لیے کوئی حصّہ نہیں۔

اس روایت کے مطابق عمل کے مسئلہ پر فقہاء کے درمیان جو اختلاف ہے اس کا مطالعہ مذکورہ بالا مآخذ کی مدد سے کیا جا سکتا ہے۔ بعض مفکرین کے نزدیک یہ ایک انتظامی حکم تھا اور اس پر قیاس کرتے ہوئے اسلامی ریاست کے عائد کردہ مزید محاصل کی ادائیگی سے گریز کرنے والوں کے لیے بھی جرمانہ یا مال کے ایک حصّہ کو ضبط کر لینے کی سزا رکھی جا سکتی ہے۔[51]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کو حرم قرار دے دیا تھا اور اس میں شکار کرنے اور اس کی جھاڑیوں کو کاٹنے سے منع فرما دیا تھا۔ آپ نے حکم دے دیا تھا کہ جو شخص ایسا کرتا ہوا پایا جائے اس سے وہ ساری چیزیں چھین لی جائیں جو اس وقت اس کے پاس موجود ہوں۔

ان سعد بن وقاص سلب عبداً وجدہ یصید فی حرم المدینۃ قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول "من وجدتموہ یصید فیہ فخذوا سلبہ"[52]

سعد بن وقاص نے ایک غلام کو حرمِ مدینہ میں شکار کرتے ہوئے پایا تو اس کا سامان چھین لیا اور کہا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا ہے "تم جس کو اس میں شکار کرتے ہوئے پاؤ اس سے اس کے پاس جو کچھ ہو چھین لو"

یہی سزا اس شخص کو بھی دی جانی تھی جو سرکاری چراگاہ (حمیٰ) کی گھاس کاٹتا ہوا پکڑا جائے، کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ:

---

[51]: عبدالرحمٰن تاج: السیاسۃ الشرعیہ والفقہ الاسلامی۔ صفحہ ۱۳۹۔ قاہرہ ۱۹۵۳ء

[52]: شوکانی: نیل الاوطار۔ جلد ۴۔ صفحہ ۱۸۰ بحوالہ مسلم (ملاحظہ ہو صحیح مسلم: کتاب الحج۔ وباب فضائل المدینہ) اور ابن تیمیہ: الحسبۃ فی الاسلام۔ صفحہ ۴۰

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

من وجد نموہ یقطع الحمٰی فاضربوہ و اسلبوہ[۵۱]۔

جسے تم حمٰی (کی گھاس) کاٹتے ہوئے پاؤ اس کو مارو اور اس کے پاس جو کچھ ہو اسے چھین لو۔

چنانچہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اس حکم پر عمل بھی کیا گیا[۵۲] اور آپ نے خود اپنے دو بیٹوں عبداللہ اور عبیداللہ کے آدھے اونٹ اس بنا پر ضبط کر لیے کہ وہ ان کے چرانے کے لیے سرکاری چراگاہ کو استعمال کرتے تھے:

روی مالک عن ابن عمر انہ اشتری ھو و عبید اللہ اخوہ ابلاً فبعثا بھا الی الحمٰی فرعت فقال عمر رعیتما فی الحمٰی فشاطرھما[۵۳]۔

امام مالک نے ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے اور ان کے بھائی عبیداللہ نے اونٹ خریدے اور ان کو حمٰی میں چرنے کے لیے بھیج دیا تو عمرؓ نے کہا کہ تم نے حمٰی میں چرایا ہے اور ان سے آدھے (اونٹ) لے لیے۔

ایک ذمی نے اہلِ ذمہ سے کیے ہوئے معاہدہ کی شرائط کی خلاف ورزی کرتے ہوئے شراب کی تجارت کی تو حضرت عمرؓ نے اس کے سارے مویشی ضبط کر لینے کا حکم دے دیا:

"حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا کہ سواد کے ایک آدمی نے شراب کی تجارت کر کے خوب دولت کمائی ہے تو آپ نے لکھ بھیجا کہ اس کا جو سامان تمہارے ہاتھ لگے اس کو توڑ ڈالو اور اس کے سارے مویشی (ضبط کر کے) ہنکا لاؤ اور کوئی آدمی اسے کسی طرح کی پناہ نہ دے"[۵۴]

---

۵۱ : بلاذری : فتوح البلدان ۔ صفحہ ۲۳

۵۲ : " " : " " ۔ " "

۵۳ : ابوبکر محمد بن محمد ابن الولید الفہری الطرطوشی المالکی : سراج الملوک ۔ صفحہ ۱۱۶

۵۴ : ابوعبید : کتاب الاموال ۔ صفحہ ۹۶ ، اور صفحہ ۱۰۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے طرزِ عمل سے ہمیں یہ اصول بھی ملتا ہے کہ جو عمّالِ حکومت اپنے منصب سے بے جا فائدہ اُٹھاتے ہُوئے کاروبار کے ذریعہ، یا ناجائز طریقے استعمال کرکے اپنے مشاہرے کے علاوہ مال کمائیں۔ ان کے مال کا ایک حصّہ بحقِ سرکار ضبط کیا جا سکتا ہے۔ حضرت عمر نے یہ سزا ایسے عمّالِ حکومت کو دی تھی جنھوں نے منصبِ حکومت پر قائم رہتے ہُوئے تجارتی کاروبار کیا تھا، یا جن پر سرکاری مال میں خیانت کا شبہ تھا۔

اس قسم کے ایک واقعہ کی تفصیل بلاذری نے فتوح البلدان میں دی ہے[۵۱]۔ ایک شخص نے اہواز کے عمّال کی شکایت لکھ کر بھیجی تھی اور حضرت عمر سے اپیل کی تھی ان لوگوں کا آدھا مال ضبط کر لیا جائے۔ چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا۔

حضرت ابوہریرہؓ کو حضرت عمرؓ نے بحرین کا عامل مقرر کیا تھا۔ جب وہ وہاں سے آئے تو سرکاری مال کے علاوہ دس ہزار درہم خود اپنا مال بھی ساتھ لائے۔ حضرت نے جواب طلب کیا تو بتایا کہ یہ مال ان کی اپنی کمائی کا ہے۔ لیکن حضرت عمرؓ کو اس جواب پر اطمینان نہیں ہُوا اور آپ نے ان کا مال ضبط کر لیا[۵۲]۔ اسی طرح اسی بنیاد پر آپ نے حضرت عمرو بن العاصؓ[۵۳] اور سعد بن ابی وقاصؓ[۵۴] کا آدھا مال بھی ضبط کر لیا۔

حضرت عمرؓ نے عتبہ بن ابی سفیان کو کنانہ کا عامل مقرر کیا تھا۔ وہ واپس آئے تو اپنے ساتھ ذاتی مال بھی لائے۔ آپ نے دریافت کیا کہ یہ مال کیسا ہے تو انھوں نے بتایا کہ میں اپنے ساتھ کچھ مال لے گیا تھا اور اس کے ذریعہ تجارت کرتا رہا۔ آپ نے ان سے کہا کہ تم اس کام کے لیے گئے تھے تو اپنے ساتھ تجارت کے لیے مال کیوں لے گئے۔

---

۵۱ : بلاذری : فتوح البلدان۔ صفحہ ۳۷۷ اور ابوعبید : کتاب الاموال۔ صفحہ ۲۶۹

۵۲ : ابن عبدالحکم : فتوح مصر۔ صفحہ ۱۴۸ " : " " - "

۵۳ : " : " " - " ۱۴۶

۵۴ : ابوعبید : کتاب الاموال صفحہ ۲۶۹، اور ابن سعد : طبقات۔ جلد ۳ صفحہ ۲۸۲ اور ۳۰۷

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور ان کا سارا مال بیت المال میں داخل کر لیا۔[51]

۳۔ تلف:

ایسے مال و املاک جن کا وجود فتنہ اور ضرر عام کا باعث ہو، یا ان سے مالک یا دوسرے افراد کی جان، صحت یا دین و اخلاق کو شدید نقصان کا اندیشہ ہو تلف کر دیے جائیں گے اور مالک کو کوئی معاوضہ نہیں دیا جائے گا۔ بعض حالات میں فتنہ کے سامان کی ہیئت اس طرح بگاڑ دی جائے گی کہ اس سے پیدا ہونے والے فتنہ کا ازالہ ہو جائے اور بعض حالات میں جبکہ ملاوٹ یا معیار سے گھٹیا سامان بازار میں لانے پر سزا دینی مقصود ہو مال کو ضبط کر کے تلف کرنے کی بجائے فقیروں اور غرباء کے درمیان تقسیم کر دیا جائے گا۔ مخصوص حالات میں ان اقدامات کا جواز کتاب و سنت سے ثابت ہے جیسا کہ ذیل میں واضح کیا جائے گا۔

مدینہ میں منافقین نے اسلام کے خلاف ایک سازشی مرکز کے طور پر ایک مسجد تعمیر کر لی تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے یہ مسجد، جو تاریخ میں مسجد ضرار کے نام سے مشہور ہے، منہدم کرا دی گئی[52]۔ اس مسجد کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے اور اس کے فتنہ کے مرکز ہونے کی حقیقت خود اللہ تعالیٰ نے آشکارا فرمائی ہے:

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَكُفْرًا وَتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَإِرْصَادًا لِمَنْ حَارَبَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ مِنْ قَبْلُ وَلَيَحْلِفُنَّ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا الْحُسْنَى وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ۔ لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا۔

(توبہ: ۱۰۷-۱۰۹)

اور جن لوگوں نے ایک مسجد بنائی اس غرض کے لیے کہ دعوتِ حق کو نقصان

۵۱: طبری: تاریخ۔ صفحہ ۲۷۶۶، ۲۳ھ

۵۲: ابن ہشام: سیرت۔ جلد ۲۔ صفحہ ۴۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہنچائیں اور کفر کریں اور اہلِ ایمان میں پھوٹ ڈالیں اور اس شخص کے لیے کمین گاہ بنائیں جو اس سے پہلے خدا اور اس کے رسول کے خلاف برسرِپیکار ہو چکا ہے۔ وہ ضرور قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ ہمارا ارادہ تو بھلائی کے سوا کسی دُوسری چیز کا نہ تھا۔ مگر اللہ گواہ ہے کہ وُہ قطعی جھوٹے ہیں۔ تم ہرگز اس عمارت میں نہ کھڑے ہونا۔

اِسی طرح آپ نے اسلامی ریاست کے خلاف سازش کے ایک اور مرکز بیتِ سُوَیلم، میں آگ لگوا کر اسے برباد کرا دیا تھا۔ اس گھر میں منافقین سازشیں کرتے تھے اور مسلمانوں کو غزوۂ تبوک پر جانے سے روکنے کی تدابیر کرتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت طلحہ بن عبیداللہ اور چند دوسرے افراد نے اس گھر میں آگ لگا دی[۵۱]۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اقدامات کی روشنی میں اسلامی ریاست کو یہ حق حاصل ہے کہ ملک کے اندر اسلام اور اسلامی ریاست کے خلاف سازش کے مراکز نہ باقی رہنے دے، اور ان کے خلاف عمارت کی ضبطی یا تلف کے، اور ان کے دوسرے سامانوں کے سلسلہ میں بھی اسی طرح کے احکام جاری کر دے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قدیم مذاہب کی بعض تحریف شدہ کتابوں کو جلا دیا تھا[۵۲]۔ ابنِ قیم نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اسی پر قیاس کرتے ہُوئے ایسی کتابوں کو جو ذہن میں فساد پیدا کرنے والی یا کفر و بدعات کی تعلیم پر مشتمل ہوں تلف کر دینا چاہیے[۵۳]۔ ہمارے نزدیک عُریاں تصاویر، فحش اور مخربِ اخلاق لٹریچر اور فلموں اور اسلام اور اسلامی ریاست کے خلاف پروپیگنڈے پر مشتمل لٹریچر کے سلسلہ میں بھی اسلامی

۵۱: ابنِ ہشام: سیرت۔ جلد ۳۔ صفحہ ۳۶

۵۲: ابنِ تیمیہ: الحسبہ فی الاسلام۔ صفحہ ۴۱، ابنِ قیم: الطرق الحکمیہ۔ صفحہ ۲۴۵

۵۳: ابنِ قیم: الطرق الحکمیہ فی السیاستہ الشرعیہ۔ صفحہ ۲۵۴-۲۵۶

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ریاست بھی طریقہ اختیار کر سکتی ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جب صحابہ کے مشورے سے قرآن کریم کے مستند نسخے تیار کرا لیے تو تمام غیر مستند نسخوں کو جمع کروا کے تلف کر دیا۔[۵۱]

ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ جو شخص مالِ غنیمت میں چوری کرے اس کا سامان جلا دیا جائے۔[۵۲] دوسری روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور پھر ولید بن ہشام نے مالِ غنیمت میں چوری کرنے والوں کو عملاً یہی سزا دی ہے۔[۵۳] لیکن ناقدینِ حدیث کو ان روایات کی صحت میں شبہ ہے۔[۵۴]

ایک روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک بار حضرت علیؓ نے غلہ کا احتکار کرنے والے ایک تاجر کا غلہ سزاءً جلا دیا تھا۔[۵۵]

حضرت عمرؓ کے حکم سے ایک مسلمان کا گھر اس لیے جلا دیا گیا تھا کہ اس میں شراب کی دوکان تھی۔

عن ابن عمر قال وجد عمر فی بیت رجلٍ من ثقیف شرابًا فامر به فاحرق وکان یقال له رُوَیشد فقال انت فُوَیسِق۔[۵۶]

ابن عمر راوی ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ثقیف کے ایک آدمی کے گھر میں شراب پائی

---

[۵۱] : ابن تیمیہ : الحسبۃ فی الاسلام۔ صفحہ ۴۱۔

[۵۲] : ابوداؤد : کتاب الجہاد۔ باب فی عقوبۃ الغال۔

[۵۳] : ابوداؤد اور بخاری : کتاب الجہاد۔ باب التفیل من الغلول۔

[۵۴] : ملاحظہ ہو بخاری کے مذکورہ بالا باب سے متعلق بخاری کی شرح فتح الباری اور ابوداؤد کے مذکورہ بالا باب پر عون المعبود شرح ابی داؤد۔

[۵۵] : شوکانی : نیل الاوطار۔ جلد ۴۔ صفحہ ۱۸۱۔

[۵۶] : ابوعبید : کتاب الاموال۔ صفحہ ۹۶۔ یہ شخص مسلمان تھا اور مدینہ کا باشندہ تھا (روایت نمبر ۲۶۹)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو آپ کے حکم سے اس کا گھر جلا دیا گیا۔ اس آدمی کا نام رُوَیشِد
رنیک تھا تو آپ نے کہا کہ تو فُوَیسِق (بُرا) ہے۔

اسی بنا پر ابن تیمیہ نے فتویٰ دیا ہے کہ جو مسلمان شراب کی تجارت کرے اس
کی دوکان میں آگ لگا دی جائے[۵۱]۔

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک بستی کو جلا دیا تھا کیونکہ اس میں
اہلِ ذمہ، معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے، شراب کا کاروبار کرتے تھے[۵۲]۔

ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ بعض شدید جرائم کی سزا میں بھی مال تلف
کیا جا سکتا ہے۔

سعد بن ابی وقاص، والیٔ کوفہ نے اپنے لیے ایک محل تعمیر کرایا تھا جس کے
نتیجہ میں عوام کا ان تک پہنچنا مشکل ہو گیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے محمد ابن مسلمہ کو بھیجا کہ وہ
جا کر اس محل میں آگ لگا دیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا[۵۳]۔ آپ کے اس اقدام
کی وجہ یہ تھی کہ آپ نے اپنے والیوں کو ہدایت کی تھی کہ عوام سے دُور نہ ہوں،
اور آپ کی نظر میں سعد بن ابی وقاصؓ کی ڈیوڑھی عوام اور ان کے درمیان حجاب
بن گئی تھی۔

ایسے بوسیدہ مکان جن کے کسی محرھی گر کر راہ گیروں یا اپنے اندر رہنے والوں
کو ہلاک کر دینے کا اندیشہ ہو، ریاست کے حکم سے منہدم کرا دیے جائیں گے۔ البتہ
اس اقدام سے پہلے مالک کو اس کی مرمت کرا کے خطرہ کا سدِباب کرنے کی ہدایت
کی جائے گی[۵۴]۔ تلفِ مال کا یہ اقدام ضرر کے ازالہ اور جان کے تحفظ کے لیے

---

۵۱ : ابنِ قیمؒ : الطرق الحکمیہ۔ صفحہ ۲۵۴، ابنِ تیمیہ۔ الحسبہ فی الاسلام۔ صفحہ ۴۳

۵۲ : ابو عبید۔ صفحہ ۹۶

۵۳ : طبری : تاریخ۔ صفحہ ۲۴۹۳ (سنہ ۱۶ھ)

اور ابنِ تیمیہ : الحسبہ فی الاسلام۔ صفحہ ۴۲

۵۴ : ماوردی : الاحکام السلطانیہ۔ باب ۲۰

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کیا جائے گا۔

مسلمانوں کو لہو و لعب سے روکنے کے لیے لہو و لعب کے ان آلات کو برباد یا بیکار کر دیا جائے گا جو ان کے پاس پائے جائیں۔[۵۱] چنانچہ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں جب مدینہ میں بعض لوگوں نے کبوتر بازی کرنا اور گولیاں کھیلنا شروع کر دیا تو آپ نے ایک شخص کو اس کام پر مامور کیا کہ کبوتروں کے پر تراش دے اور گولیوں کو توڑ ڈالے۔[۵۲]

مسلمانوں کی مملکت میں اگر شراب یا خنزیر برآمد ہو، یا ایسے بُت جن کی پرستش کی جاتی ہو تو ان کو تلف کر دیا جائے گا۔[۵۳] ان کے شراب کے برتن بھی توڑ دیے جائیں گے۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔[۵۴] البتہ اس سلسلہ میں فقہا کے درمیان اختلاف ہے۔[۵۵] امام ابن تیمیہ نے یہی رائے بھنگ اور گانجہ وغیرہ منشیات کے سلسلہ میں بھی ظاہر کی ہے۔[۵۶]

حضرت عمرؓ نے حضرت زبیرؓ کے لڑکے کو ریشم کا لباس پہنے ہوئے دیکھا تو اسے پھاڑ دیا[۵۷]، کیونکہ اسلام نے مردوں کے لیے ریشم کا لباس حرام قرار دیا ہے۔

ان نظیروں سے معلوم ہوا کہ جن اشیاء کا استعمال مسلمانوں کے لیے حرام ہو، یا لہو و لعب کے وہ آلات جنھیں اسلامی ہدایات کی روشنی میں اسلامی ریاست نے

۵۱: ابن تیمیہ: الحسبہ، صفحہ ۴۳، ۴۷، ۴۸؛ ابن قیم: الطرق الحکمیہ، صفحہ ۲۵۰-۲۵۱، ماوردی صفحہ ۲۱۷

۵۲: طبری: تاریخ۔ صفحہ ۳۰۲۷ (۳۴ھ)

۵۳: ابن تیمیہ: صفحہ ۴۳-۴۷، ماوردی: صفحہ ۲۱۷، عبدالعزیز عامر۔ صفحہ ۳۶۰

۵۴: " : " ۴۰

۵۵: عبدالعزیز عامر: صفحہ ۳۶۰ - ۳۶۱

۵۶: ابن تیمیہ: صفحہ ۴۷

۵۷: " : " ۴۴

www.KitaboSunnat.com

ممنوع قرار دے دیا ہو۔ وہ اگر کسی کے پاس پائے جائیں تو انھیں تلف کیا جا سکتا ہے۔

غذائی اشیاء اور دواؤں میں ملاوٹ کے سدِ باب کے لیے، یا ناقابلِ استعمال اشیاء کے مضر اثرات سے افراد کو بچانے کے لیے، ریاست یہ قانون صادر کر سکتی ہے کہ ان اشیاء کو تلف کر دیا جائے۔ پھل جبکہ وہ سڑنے لگیں، ملاوٹ کیا ہوا آٹا یا گھی وغیرہ، معیارِ مطلوب سے گری ہوئی یا غلط طریقہ سے تیار کی ہوئی دوائیں جن کے استعمال سے نقصان کا اندیشہ ہو، اور کھانے پینے کی وہ تمام چیزیں جن کے استعمال سے مضر اثرات مرتب ہونے کا اندیشہ ہو، تلف کی جا سکتی ہیں۔ یہی رائے کپڑے اور ان دوسرے سامانوں کے بارے میں بھی ظاہر کی گئی ہے جو معیار سے گرے ہوئے یا خراب ہوں اور انھیں بازار میں اچھے مال کے طور پر فروخت کے لیے لایا جائے۔[۵۱]

جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے، حضرت عمرؓ نے ایک پانی ملے ہوئے دودھ کو زمین پر بہا کر ضائع کر دیا تھا۔[۵۲]

البتہ فقہا کی ایک معتد بہ تعداد یہ رائے رکھتی ہے کہ وہ اشیاء استعمال جن سے مضرت کا اندیشہ نہ ہو تلف نہیں کی جانی چاہئیں۔ اگر وہ معیار سے گری ہوئی ہوں، یا ان میں کسی اور خرابی کی وجہ سے ان کے لیے تیار کرنے والوں یا فروخت کرنے والوں کو سزا دینی مقصود ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ انھیں ضبط کر لیا جائے اور فقراء کے درمیان تقسیم کر دیا جائے۔[۵۳]

ہمارے نزدیک بھی قابلِ ترجیح رائے یہی ہے کہ جب تک کسی چیز سے کسی نوع کا فائدہ اٹھایا جا سکتا ہو اسے تلف نہ کیا جائے۔ البتہ فروخت کرنے والوں یا ان

---

۵۱ : ابن تیمیہ : الحسبہ فی الاسلام۔ صفحہ ۴۴ اور ڈاکٹر عبدالعزیز عامر : التعزیر۔ صفحہ ۳۶۲

۵۲ : شوکانی : نیل الاوطار۔ جلد ۴۔ صفحہ ۱۸۱ (کتاب الزکوٰۃ) اور ابن تیمیہ : الحسبہ فی الاسلام۔ صفحہ ۴۳

۵۳ : ڈاکٹر عبدالعزیز عامر : التعزیر۔ صفحہ ۳۲۷ - ۳۲۸

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خراب چیزوں کو تیار کرنے والوں کو سزا دینے کے لیے اسے ضبط کر لیا جائے اور ان لوگوں کو کوئی معاوضہ نہ دیا جائے۔

اوپر ہم نے سنت کی واضح نظیروں کی روشنی میں اس بات کا جائزہ لیا ہے کہ اسلام نے کسی مالک کے مال کو سزاءً بطور جرمانہ وصول کرنے، ضبط کر لینے یا تلف کر دینے کی کن حالات میں اجازت دی ہے۔ اسلامی ریاست کو یہ اختیار عطا کرنے کا منشاء یہ ہے کہ وہ ضرر کے ازالہ اور مصالح عامہ کے تحفظ کی ذمہ داری ادا کر سکے۔

اُوپر ہم یہ بھی بتا چکے ہیں کہ بعض فقہاء کی رائے یہ ہے کہ یہ مالی سزائیں اسلام کے ابتدائی دور میں مشروع تھیں لیکن بعد میں منسوخ کر دی گئیں۔ اس مسلک کی تردید کرتے ہوئے امام ابنِ تیمیہؒ نے لکھا ہے:

"جو شخص یہ کہتا ہے کہ مالی سزائیں منسوخ ہو چکی ہیں اور اس قول کو علی الاطلاق مالک اور احمد کے ہم خیال فقہاء ساتھیوں کی طرف منسوب کرتا ہے وہ ان کے مسلک کے بارے میں ایک غلط بات کہتا ہے۔ جو شخص مطلقاً نسخ کا یہ دعویٰ کرتا ہے وہ ایک بلا دلیل بات کہتا ہے خواہ اس کا تعلق کسی بھی فقہی مسلک سے ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ایسی بات نہیں منقول ہے جس کا مطلب یہ ہو کہ آپؐ نے تمام مالی سزاؤں کو منسوخ کر دیا ہے۔ بلکہ یہ بات کہ آپؐ کے بعد خلفائے راشدین اور اکابر صحابہ نے اس طریقہ پر عمل کیا ہے اس بات کی دلیل ہے کہ مالی سزائیں ثابت ہیں اور منسوخ نہیں ہوئیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جو لوگ ان کے منسوخ ہو جانے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ان کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہے، نہ اللہ کی کتاب سے نہ اس کے نبی کی سنت سے[۵]۔"

مالی سزاؤں کو منسوخ قرار دینے والے فقہاء یہ بھی کہتے ہیں کہ مالی سزائیں

---

[۵]: ابنِ تیمیہ: الحسبہ فی الاسلام، صفحہ ۴۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دینے کا اختیار ظالم حکمرانوں کے ہاتھ میں عوام الناس کے مال و املاک کو علی ناحق چھیننے کا ذریعہ بن جاتا ہے[۵۱]۔ بلا شبہ اس بات میں کافی وزن ہے۔ لیکن اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے عبدالقادر عودہ شہید علیہ الرحمۃ نے بجا طور پر یہ لکھا ہے کہ:

"ہمارے زمانہ میں جبکہ اموالِ مملکت کو باقاعدہ منضبط کیا جا چکا ہے اور اس کے اموال کی باقاعدہ نگرانی اور جانچ ہوتی ہے، اور اس شکل میں جبکہ مجلسِ قانون ساز جرمانہ کی کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ مقدار مقرر کر دے اور ان سزاؤں کے دینے کا اختیار صرف عدالتوں کو دیا جائے، تو اس بات کا کوئی اندیشہ باقی نہ رہے گا کہ (ان سزاؤں کی آڑ لے کر) عوام کے مال ناحق ضبط کیے جا سکیں[۵۲]۔"

یہی رائے استاد مصطفیٰ احمد الزرقا نے بھی ظاہر کی ہے[۵۳]۔

تعزیر کے طور پر جرمانہ عائد کرنے اور دوسری مالی سزاؤں کے بارے میں احناف کا مسلک یہ ہے کہ یہ طریقہ جائز نہیں۔ امام ابوحنیفہ اور امام محمد نے اسے ناجائز قرار دیا ہے۔ البتہ امام ابویوسف کے بارے میں ایک روایت یہ ہے کہ ان کے نزدیک اگر مصلحت کا تقاضا ہو تو تعزیر کے طور پر جرمانہ کیا جا سکتا ہے۔ بعض دوسرے حنفی فقہاء نماز باجماعت سے غیر حاضر رہنے والے اور شراب کی محفل میں بیٹھنے والے افراد پر جرمانہ عائد کرنا روا رکھتے ہیں۔ امام شافعی کے ایک قول کے مطابق مالی سزائیں درست ہیں مگر ان کے قولِ جدید کے مطابق یہ سزائیں ناجائز ہیں۔ مالکیہ کے نزدیک مالی سزائیں صرف بعض متعین جرائم میں دی جا سکتی ہیں۔ یہی مسلک امام احمد کا بھی ہے[۵۴]۔

---

۵۱ : عبدالعزیز عامر : التعزیر صفحہ ۳۴۴، عبدالقادر عودہ۔ صفحہ ۷۰۶

۵۲ : عبدالقادر عودہ : التشریع الجنائی الاسلامی۔ صفحہ ۷۰۶

۵۳ : ماہنامہ "المسلمون"۔ دمشق۔ جلد ۵ (۱۹۵۶) صفحہ ۳۷۴

۵۴ : عبدالعزیز عامر : التعزیر۔ صفحہ ۳۴۳

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جو فقہاء تعزیر کے طور پر مالی سزائیں دینے کو درست سمجھتے ہیں انہوں نے اس کی کم سے کم یا زیادہ سے زیادہ حدیں نہیں مقرر کی ہیں بلکہ جرمانہ کی مقدار کی تعیین اصحاب امر کی صوابدید پر چھوڑ دی ہے۔[۱۵]

اس کتاب میں ہم نے مالی سزاؤں کا ذکر جس مناسبت سے کیا ہے اس کے پیشِ نظر ان اختلافات پر بحث اور اس موضوع پر تفصیلی گفتگو کی ضرورت نہیں۔ یہاں صرف یہ واضح کرنا مقصود تھا کہ انفرادی ملکیت میں ریاست کی مداخلت کی ایک صورت سزا کے طور پر مداخلت کی بھی ہے۔

کن حالات میں اسلامی ریاست کو مالی سزائیں دینی چاہئیں، اور ان سزاؤں کی دوسری تفصیلات ان اجتہادی امور میں سے ہیں جن کے بارے میں دورِ جدید کی ایک اسلامی ریاست کو شریعت کے بنائے ہوئے اصولوں کے مطابق اجتہاد اور قانون سازی کا طریقہ اختیار کرنا ہوگا۔

۱۵: عبدالعزیز عامر، اور عبدالقادر عودہ: صفحہ ۷۰۶

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حرفِ آخر

اس کتاب میں ہم نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ ملکیت کے موضوع پر قرآن و سنت میں جو ہدایات ملتی ہیں، اور آئمہ فقہ اور دوسرے اسلامی مفکرین نے ان ہدایات سے جو اصول و ضوابط مستنبط کیے ہیں ان کو سامنے لائیں۔ اس بات کی بھی کوشش کی گئی ہے کہ موجودہ دور میں جو نئے مسائل پیدا ہو گئے ہیں ان پر ان ہدایات کو منطبق کر کے ان کا کوئی حل پیش کیا جائے۔

اگرچہ یہ موضوعِ بحث جس جامعیت اور گہرائی کا متقاضی ہے اس کا حق نہیں ادا کیا جا سکا ہے۔ لیکن کتاب سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام نہ تو مطلق انفرادی ملکیت کا قائل ہے جو اجتماعی زندگی کے تقاضوں سے ٹکراتی ہو، نہ وہ ایسی اجتماعیت کی تعلیم دیتا ہے جو انفرادیت کا گلا گھونٹ دے۔ انفراد اور اجتماع دونوں کو مالکانہ حقوق دیے گئے ہیں۔ انفرادی مالکانہ حقوق پر ریاست کو اور ریاست کے نظم پر افراد کو نگران مقرر کیا ہے۔ شریعت اسلامی نے فی الجملہ ایک ایسی اجتماعیت کا تصور پیش کیا ہے جس میں افراد کی انفرادیت پوری طرح محفوظ ہے۔

اس بات کی ضرورت ہے کہ اسلام کی اس معتدل روش کا سرمایہ داری

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اشتراکیت سے تقابلی مطالعہ کیا جائے تاکہ اسلام کی متوازن راہ کے خطوط بالکل واضح ہو جائیں۔ جو لوگ حقوقِ ملکیت کے باب میں ان نظاموں کی روش سے بخوبی واقف ہیں ان کے لیے یہ رائے قائم کرنا دشوار نہیں کہ اسلام نے جو درمیانی راہ اختیار کی ہے وُہی انسانی زندگی کے مختلف تقاضوں کی متوازن تکمیل کر سکتی ہے۔ اِس سلسلہ میں یہ نکتہ بھی قابلِ لحاظ ہے کہ اسلام کی ان ہدایات میں کافی لچک پائی جاتی ہے۔ جس کی بدولت وُہ بدلتے ہُوئے حالات میں بھی پوری طرح قبول کی جاسکتی ہیں۔ اس کی ایک نمایاں مثال اجتماعی ملکیّت کا دائرہ ہے جو اجتماعی زندگی کے تقاضوں کے ساتھ وسیع تر ہونے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے۔

سرمایہ داری اور اشتراکیت کے طالب علم اس بات سے واقف ہوں گے کہ ملکیّت کے بارے میں ان نظاموں کی پالیسی ترمیم و تبدیلی کے ایک لامتناہی عمل سے گذر رہی ہے۔ سرمایہ دارانہ ممالک میں بیش از بیش اجتماعی نگرانی کی اور اشتراکیت کی مرکزی تجربہ گاہ، روس میں انفرادی حقوقِ ملکیت کے بارے میں توسّع کی پالیسی اختیار کی جارہی ہے۔ دونوں انتہاؤں سے ایک درمیانی مقام کی طرف یہ سفر بالآخر کس نتیجہ تک پہنچائے گا۔ اور یہ دونوں نظام آئندہ ایک دُوسرے سے کس حد تک ممتاز رہ جائیں گے۔ یہ تاریخ کے طالب علموں کے لیے پیشین گوئی کرنے کا ایک دلچسپ موضوع ہے۔ ہمیں اس سے یہ سبق ضرور حاصل کرنا چاہیے کہ انسانی فطرت انتہاپسندی سے اِبا کرتی ہے اور بالآخر نقطۂ اعتدال کی طرف واپس آتی ہے۔

لیکن مادیّت پر مبنی کوئی نظام نقطۂ اعتدال کی تلاش میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ سب سے بڑی بے اعتدالی زندگی کا مادّی تصوّر ہے ـــــ وُہ تصوّر جو سرمایہ داری اور اشتراکیّت دونوں کے درمیان مشترک ہے۔ اب یہ کام ان اصحابِ بصیرت کا ہے جو پہلے سے اپنے ایمان کی بنا پر اسلام کے دیے ہُوئے نقطۂ اعتدال پر اعتماد رکھتے ہیں اور اب اپنے علم اور تاریخ کے تجربہ کی روشنی میں اس اعتماد میں اضافہ محسوس کرتے ہیں کہ وُہ دنیا کو یہ بتائیں کہ اس کے دُکھوں کا اصل علاج کس نظام میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مضمر ہے۔

لیکن دُنیا کے دکھوں کے علاج سے پہلے ضروری ہے کہ ہم مسلمان خود اپنا مرض دُور کریں۔ ضرورت ایک ایسا معاشرہ برپا کرنے کی ہے جس میں ملکیت کے باب میں اسلام کی ہدایات پر مخلصانہ عمل کیا جاتا ہو اور جس کا سیاسی اور معاشی نظام ملکیت کے اسلامی تصوّر کو قوانین وضوابط اور اداروں کی شکل میں عمل کا جامہ پہنانے کا عزم رکھتا ہو۔ اس معاشرہ کو برپا کرنے کی کوشش ہر مسلمان کا اصل مشن ہے۔

اس مشن کی تکمیل کے لیے ایک ضروری شرط یہ ہے کہ زندگی کے مختلف پہلوؤں سے متعلق اسلامی ہدایات کو از سرِ نو مرتب کیا جائے اور اپنی موجودہ زندگی کی نسبت سے ان کے تقاضوں کو سمجھا جائے۔ یہ ایک علمی کام ہے، اور ان مسلمان طالب علموں کی گہری توجہ کا مستحق ہے جو جدید زندگی کے مختلف مسائل کا پورا پورا شعور رکھتے ہُوئے اسلامی مآخذ سے استفادہ کر کے اس موضوع پر غور وفکر کر سکتے ہوں۔ عوام، تجارت وصنعت سے عملی تعلق رکھنے والے لوگ، جدید قوانین کے ماہرانہ علماء، معاشیات وسیاسیات بھی اس کام میں اپنی تنقید وتبصرہ اور اپنے مشوروں کے ذریعہ مفید حصّہ لے سکتے ہیں۔ کیونکہ زندگی کے عملی مسائل پر اسلامی ہدایات کا صحیح انطباق وُہ لوگ بہتر طریقہ پر کر سکتے ہیں۔ جو ان مسائل کا تجربہ رکھتے ہوں اور اسلامی ہدایات کی مخلصانہ پیروی بھی کرنا چاہتے ہوں۔

اس عظیم علمی کام کا ایک شعبہ معاشی مسائل سے متعلق اسلامی ہدایات کا تجزیاتی مطالعہ اور دورِ جدید کے مسائل پر ان کا انطباق ہے۔ ملکیت کے موضوع پر یہ کتاب اسی سلسلہ کی ایک حقیر سی کوشش ہے۔ اگرچہ یہ کتاب اس موضوع کا پورا حق نہیں ادا کر سکی ہے لیکن اس موضوع پر اب تک جو کام ہُوا تھا اس میں کچھ اضافہ ضرور محسوس کیا جائے گا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر اس کتاب کا مطالعہ اہلِ علم کو اس موضوع کی طرف مزید توجہ دلانے میں
کامیاب ہو جائے تو ہمارا منشا پورا ہو سکے گا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کتابیات

قرآن کریم اور عربی کی مستند لغات کے علاوہ اس کتاب کی بنیادی ہیں جن کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے ان کے نام اور سن طبع وغیرہ درج ذیل ہیں تاکہ مراجعت میں سہولت ہو۔ البتہ بعض مشہور اور متداول کتابوں کا مطبع اور سن طبع درج کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی ہے۔ کتاب میں ان کے اقتباسات صفحات کے بجائے ابواب کے حوالے سے درج کیے گئے ہیں۔

تفسیر اور متعلقات

ابوجعفر محمد ابن جریر الطبری ، تفسیر

ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی، تفسیر

ابوالقاسم جار اللہ محمود بن عمر الزمخشری ، الکشاف عن حقائق التنزیل

ابوالفضل شہاب الدین سید محمود الآلوسی ، روح المعانی

امام راغب اصفہانی ، مفردات القرآن

ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی : الجامع لاحکام القرآن، دارالکتب المصریہ قاہرہ ۱۹۵۲ء

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص : احکام القرآن ، مطبعہ سلفیہ ۔ ۱۳۲۵ھ

شاہ عبد القادرؒ ، (اردو ترجمہ قرآن) موضح القرآن ، مطبع سنی ۔ دہلی
سید ابو الاعلیٰ مودودی ، تفہیم القرآن ۔ لاہور

حدیث اور متعلقاتِ حدیث :

ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری	(م ۲۵۶ھ)	صحیح
ابو الحسین مسلم بن الحجاج القشیری	(م ۲۶۱ھ)	الجامع الصحیح
ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی	(م ۲۷۹ھ)	" "
ابو داؤد سلیمان بن الاشعث بن اسحٰق	(م ۲۷۵ھ)	سنن
ابو عبد الرحمٰن بن شعیب النسائی	(م ۳۰۳ھ)	"
ابو عبد اللہ بن یزید بن ماجہ	(م ۲۷۳ھ)	"
ابو عبد اللہ مالک بن انس بن مالک	(م ۱۷۹ھ)	موطا
احمد بن محمد بن حنبل	(م ۲۴۱ھ)	مسند
محمد بن الحسن الشیبانی	(م ۱۸۹ھ)	کتاب الآثار
" " "	(")	موطا
سلیمان بن داؤد الطیالسی	(م ۲۰۴ھ)	مسند

دائرۃ المعارف ۔ حیدرآباد

ابو محمد عبد بن عبد الرحمٰن بن بہرام الدارمی	(م ۲۵۵ھ)	مسند
ابو عوانہ یعقوب بن اسحٰق الاسفرائینی	(م ۳۱۶ھ)	مسند

دائرۃ المعارف ۔ حیدرآباد

ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی	(م ۳۶۰ھ)	المعجم الصغیر

مطبع انصاری ۔ دہلی ۔ سنِ طبع درج نہیں ہے ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیساپوری (م ۴۰۵ھ) المستدرک علی الصحیحین فی الحدیث - دائرۃ المعارف - حیدرآباد ۱۳۴۰ھ

ابو بکر احمد بن الحسین بن علی البیہقی (م ۴۵۸) السنن الکبریٰ

ولی الدین ابو عبداللہ الخطیب مشکوٰۃ المصابیح

ابو الحسن رزین بن معاویۃ العبدری تجرید الصحاح

محمد بن علی الشوکانی نیل الاوطار

علی المتقی بن حسام الدین برہان پوری کنز العمال فی سنن الاقوال والاعمال
دائرۃ المعارف - حیدرآباد ۱۳۱۲ھ

ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری الادب المفرد
المطبعۃ التازیہ - مصر - ۱۳۴۹ھ

احمد بن علی بن حجر العسقلانی، فتح الباری، شرح بخاری - بولاق - مصر ۱۳۰۱ھ

بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی، عمدۃ القاری، شرح بخاری
طبع دار السلطنت - عثمانیہ ۱۳۰۸ھ

محی الدین یحییٰ بن شرف النووی، شرح مسلم

www.KitaboSunnat.com

سیرت :

ابو محمد عبدالملک بن ہشام، سیرۃ - بولاق - مصر ۱۲۹۵ھ

جمال الدین ابو الفرج عبدالرحمٰن بن الجوزی، سیرۃ عمر بن الخطاب
مطبعۃ السعادۃ بجوار محافظۃ - مصر ۱۳۴۲ھ

جمال الدین ابو الفرج عبدالرحمٰن بن الجوزی، سیرۃ عمر بن عبدالعزیز
مطبعۃ المؤید - مصر ۱۳۳۱ھ

ابو محمد عبداللہ بن عبدالحکم سیرۃ عمر بن عبدالعزیز
مطبعہ رحمانیہ - مصر ۱۳۴۶ھ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابو عمر یوسف بن عبداللہ المعروف بابن عبدالبر ، الاستیعاب فی معرفۃ الصحابہ
دائرۃ المعارف ۔ حیدر آباد ۔ ۱۳۱۰ھ
سید سلیمان ندوی ، سیرۃ النبی ۔ جلد ۵ مطبعہ المعارف ۔ اعظم گڈھ ۱۹۳۵ء
" " " " " جلد ۶ ۔ " " " ۱۹۳۸ء
محمد ابو زہرہ ، الامام ابو حنیفہ ۔ قاہرہ ۔ طبع اوّل
" " امام ابن تیمیہ ۔ دار الفکر العربی ۔ قاہرہ ۔ ۱۹۵۲ء

تاریخ :

ابو جعفر محمد ابن جریر طبری ، تاریخ ۔ لیدن ۔ ۱۸۹۲ء
ابو الفداء اسماعیل بن عمر ابن کثیر الدمشقی ، البدایہ والنہایہ
مطبعہ دار السعادہ ۔ قاہرہ ۱۹۳۹ء
ابو الحسن عز الدین ابن الاثیر ، تاریخ الکامل ۔ احمد حلبی ۔ مصر ۱۳۰۳ھ
احمد بن یحییٰ بن جابر بلاذری ، انساب الاشراف ۔ جلد ۱ ۔ مصر ۱۹۵۹ء
" " " " " ، " " ۔ جلد ۵ ۔ یروشلم ۱۹۳۶ء
" " " " " ، فتوح البلدان ۔ قاہرہ ۔ ۱۹۳۲ء
محمد بن سعد ، الطبقات الکبریٰ ۔ بیروت ۔ ۱۹۵۷ء
شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان ۔ وفیات الاعیان
مکتبہ نہضۃ مصر ۔ قاہرہ ۱۹۴۸ء
ابو حنیفہ احمد بن داؤد الدینوری ۔ کتاب الاخبار الطوال
مطبعہ بریل ۔ لیدن ۱۸۸۸ء
ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری ۔ عیون الاخبار
دار الکتب المصریہ ۔ قاہرہ ۱۹۳۰ء
ابو الحسن علی بن حسین بن علی المسعودی ۔ کتاب التنبیہ والاشراف
مطبعہ بریل ۔ لیدن ۱۸۹۴ء

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تقی الدین احمد بن علی ابن عبدالقادر ۔ کتاب المواعظ والاعتبار ۔
ابن محمد المقریزی ۔ فی ذکر الخطط والآثار ۔ پیرس ۱۹۱۱ء
ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عبدالحکم ۔ کتاب فتوح مصر و اخبارہا ۔
مطبعہ بریل ۔ لیدن ۱۹۲۰ء
محمد ابن احمد بن ایاس ۔ تاریخ مصر ۔ بولاق ۔ مصر ۱۳۱۱ھ
جلال الدین السیوطی ۔ حسن المحاضرہ فی اخبار مصر والقاہرہ
مطبعۃ الموسوعات ۔ قاہرہ ۱۳۲۱ھ
جمال الدین ابوالمحاسن یوسف بن المرحوم تغری الاتابکی ۔
النجوم الزاہرہ فی ملوک مصر والقاہرہ ۔ کیلیفورنیا یونیورسٹی ۱۹۲۶ء

اصولِ فقہ:

ابواسحٰق ابراہیم بن موسیٰ الشاطبی ۔ الموافقات فی اصول الشریعت
مکتبہ تجاریہ ۔ مصر ۔ سن طبع درج نہیں
سیف الدین ابوالحسن بن ابی علی بن محمد الآمدی ۔ الاحکام فی اصول الاحکام
مطبعہ معارف ۔ مصر ۱۹۱۴ء
محمد بن محمد ابوحامد الغزالی ۔ المستصفیٰ من علم الاصول
بولاق ۔ مصر ۱۳۲۲ھ
شمس الدین محمد ابن قیم الجوزیہ ۔ اعلام الموقعین عن رب العٰلمین
المطبعۃ المنیریہ ۔ مصر ۔ سن طبع درج نہیں
ابن امیر الحاج ۔ التقریر والتحبیر فی شرح کتاب التحریر لابن ہمام
بولاق ۔ مصر ۱۳۱۶ھ
شہاب الدین ابوالعباس احمد القرافی ۔ الفروق ۔
قاہرہ ۔ ۱۳۴۴ھ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابو محمد عزالدین بن عبدالسلام - قواعد الاحکام فی مصالح الانام
مطبعہ حسینیہ - مصر ۱۹۳۴ء

زین العابدین ابراہیم ابن نجیم - الاشباہ والنظائر
تعلیمیہ پریس - کلکتہ ۱۲۶۰ھ

محمد الخضری - اصول الفقہ
مطبعہ جمالیہ - مصر ۱۳۲۹ھ

شیخ محمد علی - القواعد السنیہ فی اسرار الفقہیہ قاہرہ ۱۳۴۴ھ
(علی ہامش الفروق للقرافی)

مصطفیٰ احمد الزرقاء - اسلامی فقہ کے مآخذ (ترجمہ از عربی) کراچی
چراغ راہ - قانون نمبر ۱۹۵۸ء

فقہ حنفی:

علاء الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی - بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع
مطبعہ جمالیہ - مصر ۱۹۱۰ء

ابوبکر محمد بن ابی سہل السرخسی - المبسوط
مطبعۃ السعادۃ - مصر ۱۳۳۱ھ

برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی - ہدایہ

سید جلال الدین الخوارزمی - کفایہ شرح ہدایہ

اکمل الدین محمد بن محمد البابرتی - عنایہ شرح ہدایہ

کمال الدین محمد بن عبدالواحد السیواسی - فتح القدیر
المعروف بابن الہمام بولاق - مصر ۱۳۱۸ھ

مولیٰ شمس الدین احمد قاضی زادہ - تکملہ فتح القدیر
(علی ہامش فتح القدیر) بولاق - مصر ۱۳۱۸ھ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی - شرح معانی الآثار
مطبع مصطفائی - دھلی ۱۳۰۲ھ

ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی - مختصر الطحاوی، مطبع دار الکتاب العربی قاہرہ ۱۳۷۰ھ

فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی - تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق
بولاق - مصر ۱۳۱۴ھ

علاء الدین محمد امین ابن عابدین - رد المحتار علی الدر المختار
مطبعہ میمنیہ - مصر ۱۳۱۸ھ

- مجلۃ الاحکام العدلیہ
قسطنطنیہ ۱۲۹۷ھ

محمد قدری پاشا مرشد الحیران
بولاق - مصر ۱۸۹۱ء

- فتاویٰ عالمگیری
مطبعہ نولکشور - لکھنؤ ۱۲۹۱ھ

فخر الدین حسن بن منصور الاوزجندی - فتاویٰ قاضی خان
بولاق - مصر ۱۳۱۰ھ

فقہ شافعی:

ابو ذکریا یحییٰ بن شرف النووی - منہاج الطالبین وعمدۃ المفتین
دار الاحیاء الکتب العربیہ - مصر ۱۳۴۳ھ

شہاب الدین احمد الرملی - نہایۃ المحتاج الی شرح المنہاج
طبع مصر - سن طبع درج نہیں

محمد بن محمد ابو حامد الغزالی - کتاب الوجیز
مطبعۃ الآداب بالمؤید - مصر ۱۳۱۷ھ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فقہ مالکی :

امام مالک بروایت سحنون - المدونۃ الکبریٰ

مطبعۃ خیریہ۔ مصر ۱۳۲۴ھ

محمد بن احمد بن محمد بن احمد بن رشد۔ المقدمات الممہدات

(علی ھامش المدونہ) مطبعۃ خیریہ۔ مصر ۱۳۲۴ھ

محمد الزرقانی - شرح موطا

مطبعۃ کستلیۃ۔ مصر ۱۲۰۰ھ

شیخ احمد الصاوی - بلغۃ السالک لاقرب المسالک

مصطفیٰ بابی۔ مصر ۱۳۴۰ھ

احمد الدردیر - الشرح الصغیر

(علی ھامش الصاوی) مصطفیٰ بابی۔ مصر ۱۳۴۰ھ

فقہ حنبلی :

موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ - المغنی

مکتبۃ المنار۔ مصر ۱۳۴۵ھ

ابن قدامۃ المقدسی - الشرح الکبیر علی متن المقنع

(علی ھامش المغنی) مکتبۃ المنار۔ مصر ۱۳۴۵ھ

دیگر کتب فقہ :

عبدالرحمٰن الجزیری - الفقہ علی المذاہب الاربعہ۔ شرکۃ فن الطباعۃ۔ مصر

محمد بن احمد بن محمد بن احمد بن رشد - بدایۃ المجتہد

مصطفیٰ بابی۔ مصر ۱۹۵۰ء

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم ۔ المحلّی

مطبعۃ النھضۃ ۔ مصر ۱۳۴۷ھ

ابو عبید القاسم بن سلّام ۔ کتاب الاموال

قاھرہ ۱۳۵۳ھ

قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم ۔ کتاب الخراج

مطبعۃ سلفیہ ۔ قاھرہ ۱۳۴۶ھ

یحییٰ ابن آدم القرشی ۔ کتاب الخراج

مطبعۃ سلفیہ ۔ قاھرہ ۱۳۴۷ھ

متفرق تصانیف :

محمد اعلیٰ بن علی التھانوی ۔ کشاف اصطلاحات الفنون

ایشیاٹک سوسائٹی ۔ کلکتہ ۱۸۶۲ء

عبد النبی بن عبد الرسول احمد نگری ۔ جامع العلوم الملقب بدستور العلماء

دائرۃ المعارف ۔ حیدر آباد ۱۳۲۹ھ

محمد بن محمد بن احمد القرشی ابن اخوۃ ۔ معالم القربہ فی احکام الحسبہ

کیمبرج پریس ۔ لندن ۱۹۳۸ء

تقی الدین ابو العباس احمد بن تیمیہ ۔ الحسبہ فی الاسلام

مطبعۃ المؤید ۔ مصر ۱۳۱۸ھ

تقی الدین ابو العبّاس احمد بن تیمیہ ۔ السیاسۃ الشرعیۃ فی احوال الراعی والرعیۃ

دار الکتاب العربی ۔ مصر ۱۹۵۵ء

شمس الدین محمد بن قیم الجوزیہ ۔ الطرق الحکمیہ فی السیاسۃ الشرعیہ

مطبعۃ المؤید ۔ مصر ۱۳۱۸ھ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابو اسحٰق شاطبی - الاعتصام

مکتبۃ المنار - مصر ۱۹۱۴ء

محمد بن محمد ابو حامد الغزالی - التبر المسبوک فی نصائح الملوک

مطبعہ خیریہ - مصر ۱۳۰۶ھ

ابو بکر محمد بن محمد ابن الولید الفہر الطرطوشی - سراج الملوک

(علی ہامش الغزالی) مطبعہ خیریہ - مصر ۱۳۰۶ھ

شہاب الدین احمد ابن محمد بن ابی الربیع - سلوک المالک فی تدبیر الممالک

مطبعہ کردستان - مصر ۱۳۲۹ھ

ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب البصری الماوردی - الاحکام السلطانیہ

مطبعۃ المحمودیہ - مصر - سن طبع درج نہیں

ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب البصری الماوردی - ادب الدین والدنیا

دار الکتب العربیہ - مصر - سن طبع درج نہیں

ابو یعلیٰ محمد بن الحسین الفراء - الاحکام السلطانیہ

مطبعہ مصطفیٰ البابی الحلبی - مصر ۱۳۵۶ھ

مصطفیٰ احمد الزرقاء - المدخل الفقہی العام الی الحقوق المدنیہ

جامعۃ السوریا - دمشق ۱۹۵۴ء

مصطفیٰ احمد الزرقاء - فکرۃ الحق والالتزام ونظریتی

الاموال والاشخاص فی الفقہ الاسلامی - قاہرہ ۱۹۴۸ء

عبد الوہاب خلاف - مصادر التشریع الاسلامی فی ما لا نص فیہ

دار الکتاب العربی - مصر ۱۹۵۵ء

محمد یوسف موسیٰ - الاموال ونظریۃ العقد فی الاسلام

قاہرہ - ۱۹۵۳ء

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عبدالرزاق احمد السنہوری - مصادر الحق فی الشرع الاسلامی - جلد ۱

قاہرہ ۱۹۵۴ء

عبدالرزاق احمد السنہوری - مصادر الحق فی الشرع الاسلامی - جلد ۲

قاہرہ ۱۹۵۵ء

سید قطب - العدالۃ الاجتماعیہ فی الاسلام

بیروت ۱۹۶۷ء

مصطفی السباعی - اشتراکیت الاسلام

دمشق ۱۹۶۰ء

محمد الغزالی - الاسلام والمناہج الاشتراکیہ

قاہرہ ۱۹۵۱ء

احمد ابراہیم ابراہیم - نظام النفقات فی الشریعۃ الاسلامیہ

مطبعہ سلفیہ - قاہرہ ۱۳۴۹ھ

محمد ضیاء الدین الریس - الخراج فی الدولۃ الاسلامیہ

قاہرہ ۱۹۵۷ء

محمد ضیاء الدین الریس - النظریات السیاسۃ الاسلامیہ

مکتبہ الانجلو مصریہ - قاہرہ ۱۹۵۲ء

عبدالقادر عودہ - التشریع الجنائی الاسلامی

دار نشر الثقافۃ - اسکندریہ ۱۹۴۹ء

الدکتور عبدالعزیز عامر - التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیہ

مصطفی بابی - مصر ۱۹۵۷ء

عبدالرحمن تاج - السیاسۃ الشرعیہ والفقہ الاسلامی

قاہرہ ۱۹۵۳ء

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عبدالعزیز سید الدہل: الخلیفۃ الزاہد عمر بن عبدالعزیز
دارالتحریر للطبع والنشر - قاہرہ ۱۹۶۴ء -

الاب انستاس ماری الکرملی - النقود العربیہ و علم النمیات
قاہرہ ۱۹۳۹ء

ڈاکٹر محمد حمید اللہ - عہد نبوی میں نظام حکمرانی
مکتبہ ابراہیمیہ - حیدر آباد دکن -

سید ابوالاعلیٰ مودودی - اسلامی ریاست
اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ - لاہور ۱۹۶۲ء

سید ابوالاعلیٰ مودودی - مسئلہ ملکیت زمین
مکتبہ جماعت اسلامی - لاہور ۱۹۵۰ء

سید ابوالاعلیٰ مودودی - رسائل و مسائل جلد دوم
مکتبہ جماعت اسلامی - لاہور ۱۹۵۷ء

سید ابوالاعلیٰ مودودی - سود
اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ - لاہور ۱۹۶۱ء

امین احسن اصلاحی - اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے حقوق
مکتبہ جماعت اسلامی - لاہور ۱۹۵۰ء

امین احسن اصلاحی - شہریت کے حقوق و فرائض
مکتبہ جماعت اسلامی - لاہور ۱۹۵۰ء

امین احسن اصلاحی - اطاعت کے شرائط اور حدود
مکتبہ جماعت اسلامی - لاہور ۱۹۵۰ء

محمد حفظ الرحمٰن - اسلام کا اقتصادی نظام
ندوۃ المصنفین - دہلی ۱۹۴۲ء

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محمد تقی امینی - اسلام کا زرعی نظام
ندوۃ المصنفین - دھلی ١٩٥٥ء

خورشید احمد فارق - حضرت ابوبکرؓ کے سرکاری خطوط
ندوۃ المصنفین - دھلی ١٩٦٠ء

خورشید احمد فارق - حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط
ندوۃ المصنفین - دھلی ١٩٥٩ء

محمد نجات اللہ صدیقی - اسلام کا نظام محاصل - ترجمہ کتاب الخراج
مکتبۂ چراغ راہ کراچی ١٩٦٦ء

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ISLAM KA NAZRIA-E-MALKIAT Vol. II

ENGLISH SOURCES

Aghinides, N.P.	Muhammaden Theories of Finance	Columbia University, New York	1916
Alexander, Andrews	Property and Society	A.C. Macberg & Co. Chicago.	1916
Asad, Muhammad	The Principles of State and Government in Islam	University of California Press, Berkley & Loss Angles.	1961
Austin, John	Lectures on Jurisprudence	London Murray	1911
Benham, F.	Economics	Sir Isac Pitman & Sons, London	1948
Boom Bawerk, E. V.	Capital and Interest	Kelley and Millman Inc. New York.	1957
Buckland, W.W. & A.D. Mce Nair	Roman Law and Common Law.	Cambridge University Press, London.	1936
Engles, Fredrick	Socialism Utopian and Scientific in : Marx and Engles : Selected Works' Vol II	Moscow.	1949
Keirstead, B.S.	An Essay on the Theory of Profit and Income Distribution.	Oxford, Basil Blackwell, London.	1957
Keynes, J. M.	The end of Laissez Faire.	Leonard & Virgini woolf London.	1926
Keynes, J.M.	The General Theory of Money Interest and Employment.	Macmillan & Co. London.	1957
Knight, F. H.	Risk, Uncertainty and Profit.	Haughton Mifflin Co., Boston & New York.	1948

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

Laidler, H.W.	Social Economic Movements.	Routledge & 1948 Kegan Paul, London.
Lane	Arabic English Lexicon.	
Locke, John	Of Civil Government	Everyman's Library Edn.
Lekkegaard, F.	Islamic Taxation in Classical Period	Brameier & Korch 1950 Copen Hagen.
Lowie Robert H.	Primitive Society	Routledge & 1935 Kegan Paul, London.
MacIver, Robert M.	Democracy and the Economic Challange	Albert A Knopfe, 1952 New York
MacIver, Robert M.	Society	Macmillan, 1952 London.
Marx, Karl	Capital Vol. I	Moscow. 1954
Marx, Karl	Capital Vol. II	Moscow. 1957
Marx, Karl	Capital Vol. III	Moscow. 1959
Patterson, H. Howard	Readings in the History of Economic Thought	McGraw Hill, 1932 New York.
Pigeu, A.C.	Socialism Versus Capitalism.	1937
Ramadhan, Saied	Islamic Law, its scope and Equity	P. R. Macmillan, 1961 London.
Rashdall	Theory of Good and Evil.	London. 1924
Robinson, Mrs Joan	An Essay on Marxian Economics.	Macmillan, London. 1949
Roscoe Pound	Introduction to the Philosophy of Law	Yale University 1937 Press, New Haven
Schacht, Joseph	The Origins of Muhammaden Jurisprudence	Oxford 1950
Schumpeter, J.A.	Theory of Economic Development.	Oxford University 1961 Press, New York.

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

Schumpeter, J.A.	Socialism Capitalism and Democracy.	George Allen & Unwin, London	1950
Sombart, W.	A New Social Philosophy.	Princeton University Press.	1937
Smith John Russel	The Devil of the Machine Age.	Harcourt Brace & Co. New York.	1941
Tawney, R.H.	The Acquisitive Society	Longman Green & Co. Madras.	1943
Urban, W.M.	Fundamentals of Ethics	Holt, New York.	1949
Vidwans, M.D.	Concept of property in A.I.R. Vol. 52, March		1955
Walker, E. Ronald	From Economic theory to Policy.	University of Chicago Press.	1942.

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سیرت و تاریخ پر بلند پایہ کتب

۱	محسنِ انسانیت	نعیم صدیقی
۲	حیاتِ طیبہ	ابوسلیم محمد عبدالحی
۳	داعیٔ اعظم	محمد یوسف اصلاحی
۴	محمد عربی	محمد عنایت اللہ سبحانی
۵	محمد صلی اللہ علیہ وسلم (آغوشِ آمنہ سے غارِ حرا تک)	علی اصغر چوہدری
۶	تجدید و احیائے دین	سید ابوالاعلیٰ مودودی
۷	تاریخ افکار و علوم اسلامی اوّل، دوم	راغب الطباخ
۸	مجادلی اذان	محمد عنایت اللہ سبحانی
۹	ملتِ اسلامیہ کی مختصر تاریخ (جدید ترمیم شدہ ایڈیشن) اوّل	ثروت صولت
۱۰	" " " " " " " " دوم	
۱۱	" " " " " " " " سوم	"
۱۲	تاریخ پاکستان کے بڑے لوگ (ترمیم و اضافہ کے بعد)	"
۱۳	اخوان المسلمون (تاریخ، دعوت، خدمات)	خلیل احمد حامدی
۱۴	سید ابوالاعلیٰ مودودی	ابوالآفاق ایم اے
۱۵	برناباس کی انجیل	ترجمہ آسی ضیائی
۱۶	معرکۂ فرعون و کلیم	اخلاق حسین
۱۷	مکتوبات حضرت علیؓ	حکیم نبی احمد خان
۱۸	عیسائیت انجیل اور قرآن کی روشنی میں	عبدالوحید خاں
۱۹	روس میں مسلمان قومیں	آباد شاہ پوری
۲۰	سفرنامۂ ارض القرآن	محمد عاصم
۲۱	ترکی قدیم و جدید	خلیل احمد حامدی
۲۲	خطباتِ اقبال پر ایک نظر	محمد شریف بقاء
۲۳	حسن البنا شہید کی ڈائری	خلیل احمد حامدی
۲۴	فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر	محمد تقی امینی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلامی نظامِ زندگی کے مختلف پہلوؤں پر

مختصر کتابیں

①	توحید و رسالت اور زندگی بعد موت کا عقلی ثبوت	سید ابوالاعلیٰ مودودی
②	بناؤ اور بگاڑ	" "
③	اسلام اور جاہلیت	" "
④	سلامتی کا راستہ	" "
⑤	اسلام کا نظریہ سیاسی	" "
⑥	دین حق	" "
⑦	شہادتِ حق	" "
⑧	اسلام کا اخلاقی نقطۂ نظر	" "
⑨	اسلام اور عدلِ اجتماعی	" "
⑩	جہاد فی سبیل اللہ	" "
⑪	اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے	" "
⑫	انسان کے بنیادی حقوق	" "
⑬	خطباتِ اقبال پہ ایک نظر	محمد شریف بقاء
⑭	آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا	اخلاق حسین
⑮	ختمِ نبوت	سید ابوالاعلیٰ مودودی
⑯	مسئلہ قربانی	" "
⑰	مسئلہ تعدد ازواج	" "
⑱	حرمت سود	" "
⑲	دعوتِ اسلامی اور اس کا طریق کار	" "
⑳	کیا پردہ ملک کی ترقی میں رکاوٹ ہے؟	پروین رضوی
㉑	کلمۂ طیبہ	بہادل خان ناگرہ
㉒	ایمان اور آزمائش	اخلاق حسین
㉓	اسلام کا نظامِ حیات	سید ابوالاعلیٰ مودودی

06265

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com